برصغیر
اور
عرب مورخین
مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں سندھ کو ایک نئی تہذیب اور
کلچر اور تہذیب سے آشنا کیا تھا۔ اس کی تفصیل مختلف مورخوں کے
بیانات سے ملتی ہے۔ یہ کتاب مختلف مورخوں کے ایسے ہی بیانات
کا مجموعہ ہے
www.KitaboSunnat.com
تالیف:
خورشید احمد فارق
نفیس اکیڈمی کراچی

مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں سندھ کو ایک نئی تہذیب اور کلچر سے آشنا کیا تھا۔ اس کی تفصیل مختلف مورخوں کے بیانات سے ملتی ہے یہ کتاب مختلف مورخوں کے ایسے ہی بیانات کا مجموعہ ہے۔

تالیف: خورشید احمد فارق

پروفیسر عربی، دلی یونیورسٹی

رفیق اعزازی ندوۃ المصنفین

نفیس اکیڈیمی

اردو بازار، کراچی

نام کتاب ـــــــ برصغیر اور عرب مورخین

مصنف ـــــــ خورشید احمد فارق

سال اشاعت ـــــــ مئی ۱۹۸۶ء

ضخامت ـــــــ ۲۴۰ صفحات

مقام اشاعت ـــــــ نفیس اکیڈیمی اردو بازار کراچی

فون نمبر ـــــــ ۲۱،۳۳۰۳

مطبوعہ : احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی

تعارف

ہندوستانی موضوعات پر لکھنے والے عہد وسطیٰ کے عرب مصنفین ہندوؤں کو علم و دانش سے آراستہ قوم قرار دیتے ہیں۔ ان مصنفین نے ہندو زندگی سے متعلق موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے جو ان کے لئے تحیر و تحسین کا سبب بنے۔ زیر نظر کتاب انہی مصنفین کے ایسے ہی مشاہدات کو پورے خلوص اور دیانت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس سے وہ محققین مستفیض ہو سکیں جو یا تو عربی نہیں جانتے یا پھر جن کے لئے مختلف عربی ماخذات تک رسائی حاصل کرنا نہایت مشکل ہے۔ عرب مصنفین کے یہ تاثرات یا تو ذاتی مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہیں یا پھر وہ ایسے افراد کے سفر ناموں اور یادداشتوں پر مبنی ہیں جنہوں نے آٹھویں، نویں اور دسویں صدی میں تو ہندوستان کا دورہ کیا تھا یا پھر وہ یہاں آکر بس گئے تھے۔ ان تاثرات اور مشاہدات میں عہد غزنوی سے قبل کے ہندوستان کے لوگوں کے رہن سہن، مذہب، رسوم و رواج، ریاستوں اور تجارت و سائنس غرض ہند و زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور یہ وہ دور ہے جس کے بارے میں اہل رائے حضرات کا کہنا ہے کہ مقامی ذرائع اور ماخذات سے زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ ان عربی تحریروں میں ملک ہندوستان کو ملایا اور انڈونیشیا سمیت ویتنام تک وسیع قرار دیا گیا ہے۔ ان تحریروں میں جہاں بہت سی قیمتی معلومات جمع کر دی گئی ہیں وہیں کمبوڈیا کے مختلف بودھ اور برہمن راجاؤں اور فرمانرواؤں کے علاوہ ملایا، سماٹرا، جاوا اور ہمسایہ جزائر پر مشتمل سری واجیہ مملکت سے تعلق رکھنے والے راجوں اور مہاراجوں کی رواداری اور عفو و درگزر کی بڑی واضح جھلکیاں پیش کی گئی ہیں۔ ہندوستان سے متعلق عربی تحریروں کو صحیح طور پر سمجھنے میں سب سے بڑی دشواری افراد، مقامات فرقوں اور کتابوں کے ناموں کو سمجھنے کے سلسلے میں پیش آتی ہے۔ ان ناموں کی بہت بڑی تعداد میں تعریب کی گئی ہے جس سے ان کی شکل اس قدر مسخ ہو گئی ہے یا بدل گئی ہے کہ ان کی شناخت انتہائی مشکل ہو جاتی ہے اس مشکل پر قابو پانے کے لئے ہندو مذہب، تاریخ، جغرافیہ اور ادب پر مستند کتابوں سے مدد لی گئی ہے علاوہ ازیں عربی تحریریں غلط اطلاعات، مشاہداتی خرابیوں اور حقائق کی چھان بین کی کمی کے نقائص سے بھی مبرا نہیں ان نقائص اور خرابیوں کو حتی الامکان حد تک دور کر دیا گیا ہے۔ (کے۔ اے۔ فریق، پروفیسر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اردو زبان میں پرانے ہندوستان کے تمدن، مذہب اور علوم کے بارے میں عربی تحریروں کا اب تک کوئی تفصیلی تحقیقی اور تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے، اردو کی دو تین کتابیں جو پچھلے تیس چالیس سال میں اس موضوع پر سپردِ قلم کی گئی ہیں، ان میں عربی تحریروں کے معدودے چند ادھورے اور غلط ترجمے یا خلاصے ہی پیش کئے گئے ہیں، ان میں نہ تو مماثل موضوعات سے متعلق ساری اہم تحریروں کو یکجا کیا گیا ہے، نہ ان میں ترجمہ کی صحت کا اہتمام ہے، نہ تحریروں کی معلومات کو پرکھا گیا ہے کہ وہ کس حد تک درست ہیں اور تحقیق کی میزان میں ان کا کیا مقام ہے، اُن بہت سے ہندی اسمائے اَمکنہ اور اَعلام کی اصل شکل دریافت کرنے کی بھی کوئی علمی کھوج نہیں کی گئی ہے جو عربی تحریروں میں موجود ہیں، جو عربی زبان کے قالب میں ڈھل کر اور پھر بے احتیاط اور بے خبر کاتبوں کے تصرفات سے اتنے مسخ ہوگئے ہیں کہ ان کی اصل کا پتہ چلانا دشوار ہوگیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں مذکورہ بالا خامیوں کی اصلاح اور نارسائیوں کی تلافی کرنے کی

کوشش کی ہے۔ کتاب محمود غزنوی سے پہلے کے ہندوستان (نویں دسویں صدی عیسوی) کے مذہب، تمدن، علوم، تاریخ اور تجارت وغیرہ سے متعلق عرب مؤلفوں کے بیانات پر مشتمل ہے، ہم نے ان بیانات کا حتی الوسع اصل کے مطابق بامحاورہ ترجمہ پیش کیا ہے۔ ان میں فراہم کردہ معلومات کی تثمین و تنقید کی ہے اور عبارتوں میں جو ہندی نام مسخ و محرف ہو گئے ہیں ان کی صحیح شکل ہندوستانی تاریخی شہادت، ارباب تحقیق کی کھوج اور قرائن کی روشنی میں کی ہے، اُمید ہے کہ اس کتاب سے قارئین عربی تحریروں کے حسن و قبح اور ان کی واقعی قدر و قیمت سے آگاہ ہو جائیں گے اور اگر ہو سکیگا تو اس اندھیرے کو دور کرنے میں ہماری مدد بھی کریں گے جو بعض اعلام کے سلسلہ میں ہنوز باقی رہ گیا ہے۔

عربوں نے قدیم ہندوستان کے بارے میں کیا اور کتنا لکھا یہ بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ ان کی بہت سی اور بالخصوص معرکتہ الآرا کتابیں تنگ نظر علمار کے تعصب، بے اعتنائی، باہمی مسلکی اور مذہبی نزاع اور دوسرے آسمانی حوادث کی نذر ہو گئی ہیں۔ ہندوستان کے متعلق ان کی جو تحریری دستاویزیں ہم تک پہنچی ہیں ان میں بیرونی کی کتاب الہند کے علاوہ ہم کسی ایسی کتاب سے واقف نہیں جس کا موضوع کلیتہً ہندوستان ہو، جس میں اس ملک کے تمدن، تہذیب اور مذہب سے سیر حاصل بحث کی گئی ہو۔ بیرونی کی کتاب کا دائرہ بھی اگرچہ اس کا موضوع ہندوستان ہے کل ہندوستان تک وسیع نہیں ہے، بلکہ صرف شمالی ہند تک محدود ہے، دکن کے مذاہب اور تمدن سے اسمیں بحث نہیں کی گئی ہے، اس کے علاوہ کتاب الہند میں صرف ہندو یا برہمن مذہب، عقائد اور تمدن کی تحلیل و تنقیح ہے جو کشمیر، پنجاب، یوپی، راجستھان اور مالوہ میں رائج تھا، اسمیں بدھ اور جین جیسے اہم اور وسیع مذاہب کا کوئی ذکر نہیں ہے جن کا سرزمینِ ہند کے کافی بڑے حصہ پر غلبہ تھا اور نہ ان بہت سے ہندو، بدھ اور جینی فرقوں کا جو ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ دائرہ بحث کی تنگی کے باوجود کتاب الہند ایک اعلیٰ پایہ تحقیقی تالیف ہے جس میں ہندی فلکیات اور خصوصیت کے ساتھ مذہب، عقائد، اور تمدن کے بنیادی عناصر کا

ہندوؤں کی کتابوں کے مطالعہ نیز ہندو علماء سے مراجعت کے بعد جائزہ لیا گیا ہے۔

دوسری عربی تحریریں کتاب الہند کی اس صفت سے عاری ہیں، ان میں نہ تو اس کی سی علمی تحقیق ہے نہ تفصیل، تحلیل اور گہرائی، وہ بالعموم مختصر، بے نظام اور بے سیاق و سباق بیانات پر مشتمل ہیں۔ تاریخی کتابوں میں قلات و کوئٹہ کی طرف سے سندھ پر ابتدائی ترکتازیوں، پھر محمد بن قاسم کے حملہ اور اس کے جانشینوں کی راجستھان، مالوہ اور گجرات پر فوج کشی کی سطحی اور مجمل روئداد ہے، ادبی کتابوں میں ہندی علوم، مثلاً ریاضی، ہیئت، نجوم، فلسفہ اور ہندی عقل و دانش کی تحسین ہے، جغرافیہ کی کتابوں میں ہندوستان کے ساحلی شہروں، ان کی مسافتوں، بعض مصنوعات، بصرہ، سیراف اور عمان سے ملایا، انڈونیشیا، کمبوڈیا اور چین تک اس سمندر اور اس کے متعدد جزیروں کی جھلکیاں ہیں، جہاں سے خلیج فارس کے جہاز ہو کر گذرتے تھے، عجائب و غرائب کے موضوع پر متعدد کتابچے ہیں جن میں ہندوستانی ساحل، عرب، بنگال، انڈمان، سیام اور چین کے سمندروں کے انسانوں، حیوانوں، ہواؤں اور طوفانوں کے بارے میں مسافروں اور ملاحوں کے حیرت انگیز بیانات ہیں، کچھ ایسے عربی رسالے ہیں جن کو سفرناموں کی حیثیت حاصل ہے، ان میں ان بحری تاجروں کے مشاہدات ہیں جو ہندوستان کے مغربی، جنوبی اور مشرقی ساحلی شہروں سے ہو کر گذرے تھے یا بسلسلہ تجارت وہاں قیام پذیر ہو گئے تھے، اور آخر میں ملتوں اور ادیان سے متعلق عربی کتابیں ہیں جن میں ہندو مذہب اور فرقوں کا ناقص اور پُر تحقیر ذکر ہے۔

تفصیل، تحقیق اور گہرائی کی کمی کے ساتھ عربی تحریریں سو فیصد درست بھی نہیں ہیں، ان میں وہ کمزوریاں موجود ہیں جو سنی سنائی باتوں، ناقص مشاہدات، خام تحقیق اور مبالغہ سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ان خامیوں کے باوجود عربی تحریروں کو خاص اہمیت حاصل ہے، محمود غزنوی سے پہلے کے ہندوستان (نویں دسویں صدی عیسوی) سے متعلق مقامی زبانوں میں ایسی تحریروں کا فقدان ہے جن سے اس عہد کے عقائد، طور طریق، ثقافت اور تجارت وغیرہ کی تفصیل

معلوم ہوسکے، اس عہد کے صرف سکے اور کتبات ہی محفوظ رہ گئے ہیں جن میں یا تو حکمرانوں کے اسماء، معرکوں اور سنین حکومت کی فہرستیں ہیں یا ان کی عطا کردہ جاگیروں کے پاٹ حوالے، بنا بریں نویں اور دسویں صدی کے ہندوستانی افق پر لاعلمی کا گہرا دھند چھایا ہوا ہے، عربی تحریریں ان کی قیمتی جھلکیاں اور اچھوتے خاکے اس دھند کے بہت سے گوشوں کو معلومات کی کرنوں سے اجاگر کر دیتے ہیں۔

ہمارے مراجع

ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن سے بالواسطہ اور دوسرے وہ جن سے بلاواسطہ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

بالواسطہ مراجع

(۱) کتاب مِلَلِ الھند و ادیانہا۔ آٹھویں صدی کے نصف آخر میں قلمبند ہوئی اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہندو مذہب اور فرقوں پر عربی زبان کی قدیم ترین تالیف تھی۔ ابن الندیم[1] نے تصریح کی ہے کہ اسلامی حکومت میں جن لوگوں نے سب سے پہلے ہندوستانی علوم، معاملات اور مذاہب سے دلچسپی لی وہ یحیی بن خالد برمکی[2] (م ۸۰۵ء) اور اس کے کچھ دوسرے خاندانی اکابر تھے،

---

[1] فہرست ص ۴۸۴۔ [2] یحیی کے اجداد بلخ کے مشہور بدھ نوبہار کے پرمکھ (ناظم اعلیٰ) تھے، برمک پرمکھ کی تعریب ہے۔ نوبہار سے بڑے وسیع اوقاف وابستہ تھے جن کی نگرانی یحیی کے اجداد کرتے تھے، ان پر ہندو تہذیب و تمدنی اقدار کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی یحیی اور اس کے خاندان کے لوگ اگرچہ مسلمان تھے اور عباسی خلفاء کے وزیر، مشیر اور معاون، تاہم بہت سی ہندوستانی تہذیبی اور اخلاقی قدریں اب بھی ان لوگوں کو عزیز تھیں، اس تعلق خاطر کے زیر اثر انہوں نے عباسی خلفاء اور اکابر کی توجہ ہندو مذہب اور نجوم کی طرف مبذول کرکے ویدوں اور نجومیوں کی ایک جماعت بغداد بلوائی تھی اور اپنی نگرانی میں ہندو طب اور نجوم کی اہم ترین کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا۔

یحییٰ بن خالد نے ہندوستان سے طبی جڑی بوٹیاں لانے اور ہندوؤں کے مذاہب قلمبند کرنے کے لیے ایک وفد بھی بھیجا تھا۔ مذکورہ بالا کتاب اسی وفد کے لیڈر نے مرتب کی تھی۔

(۲) کتاب الآراء والدیانات نوبختی (نویں صدی) اس کے کچھ اقتباسات ہندو مذہب کی تقبیح و تردید کے لیے ابن جوزی (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) نے اپنی تلبیس ابلیس میں نقل کیے ہیں۔

(۳) کتاب المسالک والممالک جیہانی۔ غالباً نویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی۔ جیہانی سامانی گورنر خراسان (نصر بن احمد ثانی) کا وزیر تھا۔ فلسفہ، نجوم اور ہیئت نیز ان قوموں کے حالات سے اسے خاص دلچسپی تھی جنہوں نے ان تینوں علوم میں امتیاز حاصل کیا تھا، ان قوموں میں چونکہ ہندو بھی داخل تھے اس لیے جیہانی نے ان کے حالات، علمی مناقب، مذہب اور معابد کے بارے میں بہت سی معلومات سفیروں، سیاحوں اور دوسرے باخبر اشخاص سے لیکر اپنی کتاب میں جمع کر لی تھیں۔

(۴) تالیف ایران شہری[1]۔ عربی تحریروں میں غیر اسلامی مذہب و عقائد کی بگڑی ہوئی تعبیر و تشریح پر نقد کرتے ہوئے بیرونی نے لکھا ہے: مذہبی عقائد و نظریات (مقالات) پر لکھنے والے کسی (مسلمان) کو میں نے نہیں دیکھا کہ اس نے دوسرے مذاہب کے عقائد بے رو رعایت ایمانداری کے ساتھ بیان کیے ہوں سوائے ابو العباس ایران شہری کے۔ اس نے عیسائی اور یہودی عقائد نیز انجیل و تورات کے مضامین کی صحیح اور حقیقت پر مبنی ترجمانی کی ہے...... اس نے مانوی فرقہ اور مذہب نیز ان مٹی ہوئی پرانی ملتوں کا جن کے حالات مانوی کتابوں میں مذکور ہیں تفصیلی ذکر کیا ہے، لیکن جب وہ ہندوستان کے برہمن اور بدھ مذاہب کی طرف متوجہ ہوا تو اس کا تیر

---

[1] عبداللہ محمد بن شر شر ملقب بہ ناشی ایران شہری سے عراقی مراد ہے، انبار (عراق) میں پیدا ہوا اور بغداد میں اقامت اختیار کی متکلم اور شاعر تھا۔ ایک طرف منطق و غیر اسلامی مذاہب اور دوسری طرف مروجہ شاعری اور علم عروض پر نقد کیا کرتا تھا، بغداد کے شاعر اور عالم عروض اس کے دشمن ہو گئے اور اس کے خلاف لعن طعن کی ایسی ہوا چلی کہ اسے بغداد چھوڑ کر مصر جانا پڑا جہاں ۲۹۳ھ/۹۰۵ء میں وفات پائی۔ تاریخ بغداد خطیب (مصر) ۱۰/۹۲ و کتاب انساب سمعانی (گب میموریل سیریز لندن) ۵۵۱۔

بھی نشانہ سے بہک گیا اور زرقانی کی کتاب پر جا پڑا، چنانچہ برہمن اور بدھ مذہب کے بارے میں اس کتاب میں جو تصریحات ہیں اس نے (بلا تحقیق و تصویب) اپنی کتاب میں ضم کر لی ہیں اور جو باتیں اس نے زرقان سے نہیں لی ہیں انھیں برہمن اور بدھ عوام سے سن سنا کر کتاب میں داخل کر دیا ہے۔

(۵) عیون المسائل والجوابات ابو قاسم بلخی (م ۳۱۹ھ/۹۲۹ء) یہ کتاب مسعودی نے دیکھی تھی اور اس سے مذاہب کے بارے میں اپنی بعض کتابوں کے لیے مواد لیا تھا۔

(۶) شرائع الادیان ابو زید بلخی (م ۹۳۴ء)

(۷) کتاب المقالات فی اصول الدیانات مسعودی (م ۹۵۶ء)

(۸) مقالات اھل الملل والنحل قاضی صاعد اندلسی (م ۱۰۷۰ء)

جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ ساری کتابیں آج ناپید ہیں، ہندو مذہب کے بارے میں بس ان کے ناقص اقتباسات ہی بعض مطبوعہ کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں اور وہی ہمارا مرجع ہیں۔ ادیان کی ان کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تنگ نظر علماء نے معتزلہ لٹریچر کی طرح ان کے خلاف بھی مہم چلا دی تھی، کچھ تو اس لئے کہ یہ ان کے مذہبی اور درباری حریفوں کی لکھی ہوئی تھیں جنھیں وہ نیچا دکھانا چاہتے تھے، کچھ اس لئے کہ ان میں غیر مسلم اقوام کے مذہبی عقائد کا ذکر تھا جو ان علماء کی نظر میں باطل تھے اور کچھ اس خوف سے کہ ان کے مطالعہ سے مسلمانوں کے عقائد میں فتور یا کمزوری نہ پیدا ہو جائے۔ چونکہ تنگ نظر علماء ہر زمانہ میں عوام اور اکثر حکمراں طبقوں پر چھائے رہے ہیں، یہ اور اسی طرح کی دوسری کتابیں جن کے بارے میں علماء کی رائے خراب تھی مقبول نہ ہو سکیں، ان کی مانگ نہ ہونے سے کاتبوں نے ان کی کتابت کی طرف سے بے توجہی برتی اور تھوڑے سے نسخے جو ان کے بدنام ہونے سے پہلے نکل چکے تھے کچھ عرصہ بعد کاغذ کے گلنے، کیڑا یا آگ لگنے یا کسی دوسرے

---

[1] مشہور معتزلی نظام (م ۸۳۵ء) کا غلام اور جیلا جس نے اسلامی فرق اور غیر اسلامی مذاہب کی رد میں کتاب لکھی تھی۔ التنبیہ والاشراف (لائڈن) ص ۱۲۹ ۔ [2] کتاب الہند ص ۱۲ ۔

حادثہ کی زد میں آکر ضائع ہو گئے :

بلاواسطہ مراجع

رسائل الجاحظ ۔

۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء میں مصر سے شائع ہوئے۔ ان میں ایک مضمون ہے : رسالۃ فی فخر السودان علی البیضان (گوروں کے مقابلہ میں کالوں کی قابل فخر فضیلتیں)، اور یہی ہندوؤں سے متعلق ہمارے اقتباس کا ماخذ ہے۔ جاحظ (م ۲۵۵ھ) ایک وسیع المطالعہ اور رنگین قلم ادیب تھا تصنیف و تالیف اس کا ذریعہ معاش تھا، بڑے لوگوں اور سرکاری افسروں کی فرمائش پر بھی کتابیں اور مضامین لکھا کرتا تھا۔ عباسی معاشرہ میں کالوں کی ناقدری پر جھلا کر کسی ذی اثر اور مالدار کی فرمائش پر اس نے ستائیس اٹھائیس صفحہ کا یہ مضمون لکھا تھا۔ اس میں ہندوؤں کے جو مناقب اس نے بیان کئے ہیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ جاحظ بصرہ کا باشندہ تھا جس کے ہندو سندھ کے وسیع تجارتی و ثقافتی روابط تھے، جہاں کافی تعداد میں ہندو تاجر آتے تھے اور ہندوستانی غلام بیچے جاتے تھے، ان لوگوں کی معرفت ہندوستان کے علم و فن، صنعت و حرفت، رسم و رواج، مذہب اور عقیدے بصرہ پہنچکر جاحظ کے عینی و فکری مشاہدہ میں آگئے تھے اس نے ہندوؤں کے بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام کتاب الاصنام تھا، اس میں ہندوؤں اور بدھوں میں مورتی پوجا کے محرکات، بت سازی، نقاشی اور متعلقہ امور کی تفصیلات تھیں۔[1]

کتاب المسالک والممالک ابن خرداذبہ

نویں صدی کے ربع ثانی میں لکھی گئی اور اسلامی جغرافیہ کی قدیم ترین تالیف ہے جو مطبوعہ شکل میں ہم تک پہنچی ہے، ۱۸۸۹ء میں عربی علوم

---

[1] کتاب الحیوان (مصر ۱۳۲۳ھ) ص ۳ ۔

ے تحقیقی وطباعتی مرکز لائیڈن (ہالینڈ) سے شائع ہوئی۔ ابن خرداذبہ عباسی دور میں فارس کے
صوبہ جبال میں سرکاری خبر رسانی کا نگران اعلیٰ تھا۔ بعد میں معتمد عباسی (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) کا مشیر و
ندیم بھی رہا کسی بڑے عباسی امیر کی فرمائش پر اس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اسلامی دور میں جغرافیہ
زل نالج کے مترادف تھا، اس میں خالص جغرافیائی مضامین کے علاوہ اور بہت سے موضوع داخل
تے، جغرافیائی موضوعات کے ضمن میں خاص طور پر امور ذیل پر روشنی ڈالی جاتی تھی: آسمان
ین کی شکل، زمین کا دور اور قطر، خط استواء، قطب شمالی و جنوبی، طول البلد اور عرض
بلد، جنوب مشرقی اور وسطی ایشیا، خلیج فارس، بحر قلزم اور بحر متوسط کے سمندر، خلیجیں اور
زیرے، ایشیا، اسپین اور شمالی افریقہ کے مشہور دریا، پہاڑ، جزیرے اور صحرا، ان امور
ے متعلق معلومات کی بنیادیں بیشتر بطلیموسی ہیئت اور جغرافیہ پر استوار ہوئی تھیں
ن کے مطابق مسکون دنیا سات اقلیموں میں منقسم تھی، زمین کا گولا ساکت اور آسمان مع نظام
مسی کے متحرک تھا اور زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا جس طرح انڈے کی سفیدی
ردی کو گھیرے ہوتی ہے۔ دوسرے مباحث کی لمبی فہرست میں جن کا اسلامی جغرافیہ
ں ذکر کیا جاتا تھا ذیل کو خاص اہمیت حاصل تھی، اسلامی ممالک نیز ان غیر مسلم ریاستوں
جن سے مسلمانوں کے تسخیری، تجارتی یا سفارتی روابط تھے، فوجی و تجارتی شاہراہوں اور
ن پر واقع منزلوں کے نام اور فاصلے، بری و بحری تجارت کے راستے اور راستوں پر
اقع بندرگاہ، جزیرے اور مقامی باشندوں کے انوکھے خیالات، تجارت اور مصنوعات
سلامی و غیر اسلامی ممالک کی پیداوار اور خاص طور پر وہ مصنوعات جن کی سلاطین و
رار کے محلوں میں مانگ تھی، اسلامی صوبوں کے محصولات، اسلامی و غیر اسلامی ملکوں کے
ی و بحری عجائبات، غیر اسلامی مذاہب، فرقوں، رسوم، مشہور معابد اور حیرت انگیز
رو قدیمہ۔ ابن خرداذبہ کی کتاب کا سب سے قیمتی اور مستند حصہ وہ ہے جس میں ایک طرف
فصیل کے ساتھ عباسی دور کی فوجی و تجارتی شاہراہوں اور ان پر واقع منزلوں کے نام

اور فاصلے نیز صوبوں کے محصولات بیان کیے گئے ہیں اور دوسری طرف آٹھویں نویں صدی کے وسطی، شمالی اور مشرقی ہند کے راجاؤں کے نام، ان کی ریاستوں کے حدود، بعض ہندی رسموں اور ذاتوں نیز بزنطی قیصر کے نظام محصولات، فوج کی تعداد، فوجی مناصب اور منصب داروں کی تنخواہوں کا اجمالی ذکر ہے۔ بعض اہلِ تحقیق کی رائے ہے کہ ابن خرداذبہ نے المسالک والممالک کے نام سے دو کتابیں[1] لکھی تھیں۔ ایک چھوٹی ۲۳۲ھ/۸۴۶ء کے لگ بھگ دوسری جامع اور مبسوط جو ۲۷۲ھ/۸۸۵ء تک مکمل ہوگئی تھی۔ لیکن یہ دونوں ضائع ہوگئیں اور موجودہ کتاب غالباً چھوٹی سے ماخوذ ہے جسے کسی غیر معلوم شخص نے مختصر کیا تھا۔ موجودہ کتاب کی غیر مربوط ترتیب، جگہ جگہ مضامین کا عدم توازن اور بیان کا عدم تسلسل بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس میں تصرفات کیے گئے ہیں۔

ابن خرداذبہ خود ہندوستان نہیں آیا تھا۔ ہندوستان کے بارے میں اس کا ماخذ یا تو باخبر لوگ تھے یا عباسی دفاتر کی سرکاری دستاویزیں، یا وہ تحریری رپورٹ جو عباسی وزیر یحیٰی بن خالد برمکی (م ۱۹۰ھ) کے حکم سے ہندو مذاہب اور حالات دریافت کرنے کے لیے ایک عربی وفد نے ہندوستان کا دورہ کرکے مرتب کی تھی۔ اس کی موجودہ کتاب میں سندھ کے شہروں کی فہرست ہے اور ہندوستان کے ان مغربی و مشرقی ساحلی شہروں کے نام مع اہم پیداوار کے درج ہیں جہاں سے بصرہ اور سیراف سے چین جانے والے جہاز گذرتے تھے۔ جنوبی، وسطی، شمالی اور مشرقی ہندوستان کے ممتاز ہندو راجاؤں نیز ان کی ریاستوں کی جائے وقوع اور ہندو ذاتوں اور مذاہب کا مجمل ذکر ہے۔ بعد کے بیشتر جغرافیہ نویسوں نے ابن خرداذبہ کی ہندوستان سے متعلق یہ ساری معلومات اپنی کتابوں میں ضم کرلی ہیں، کسی نے اعتراف ماخذ کے ساتھ اور کسی نے بلا اعتراف؛ ان میں یہ چند نام قابل

---

[1] کراچکوفسکی، تاریخ الادب الجغرافی العربی، تعریب صلاح الدین عثمان ہاشم، مصر ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۶۔

میں: یعقوبی، اصطخری، مسعودی، ادریسی۔

سلسلۃ التواریخ سلیمان تاجر و ابوزید سیرافی:

۱۸۱۱ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔ کتاب
رہ خلیج فارس سے چین کے بندرگاہ کنٹن تک سمندر اور سمندر میں واقع مشہور تجارتی
رگاہوں اور متعدد آباد جزیروں تک محدود ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں، پہلا ۲۳۷ھ میں
ف کے ایک غیر معروف لیکن باشعور سمندری تاجر سلیمان نے ابن خرداذبہ کی کتاب کے چند
بعد مرتب کیا اور دوسرا حصہ جسے پہلے کا تکملہ کہنا چاہیے، دسویں صدی کے اوائل میں سیراف
ے دوسرے باشعور تاجر ابوزید حسن نے لکھا۔ سلیمان نے سیراف سے ہند و چین کے کئی سفر کیے تھے
ان جن سمندروں، ساحلی شہروں اور جزیروں سے گذرا تھا ان میں سے بیشتر کے حالات
مشاہدہ اور باخبر لوگوں سے رجوع کر کے قلمبند کر لئے تھے۔ اس نے خلیج فارس، مشرقی بحر عرب
بنگال، شمال مشرقی بحر ہند، انڈوچائنا اور چینی سمندروں میں واقع جزیروں کی اہم
وار، برآمد، باشندوں کی غذا، خاص جانوروں اور انوکھے رسم و رواج کا مختصر مگر چنے
فاظ میں ذکر کیا ہے۔ دوسرے علاقوں کی نسبت کتاب میں چینیوں اور ہندوؤں کے حالات
ہیں، ایک قیمتی فصل میں سلیمان نے ان دونوں قدیم ممتاز قوموں کے طور و طریق، عادات و
ق، مذہب و عقائد، رنگ و روپ اور بعض دوسرے تہذیبی شیؤن کا مقارنہ کیا ہے اسکے علاوہ
کی آب و ہوا، پیداوار، نظامِ حکومت، عدل و انصاف، شاہی سیرت و کردار، عوام،
ء اور سلاطین کے لباس، کھانے پینے، اہم پیداوار، رسوم، مالی و معاملاتی دیانتداری،
بزا و سزا کی قیمتی جھلکیاں پیش کی ہیں۔ ایک دوسری فصل میں ہندوستان کے بڑے راجاؤں
ے حدودِ مملکت، باہمی تعلقات، تعدادِ فوج، ان کی قلمرو کے عجیب الخلقت جانوروں اور
، پیداوار سے متعلق اجمالی لیکن اہم تفصیل ہے نیز ہندوؤں کے رسم و رواج ہستی، خودکشی کے
ت طریقوں اور اسی قبیل کی ایسی جھلکیاں ہیں جو ایک مسلمان کے لئے باعث حیرت اور جاذب

توجہ تھیں ۔سلیمان کے ساٹھ ستر سال بعد ابوزید سیرافی نے اسی کتاب کا تکملہ لکھا ۔اس نے خود ہندوستان یا چین کا سفر نہیں کیا تھا ۔اس نے سلیمان کی پیش کردہ معلومات کی توثیق کے لئے بحری تاجروں اور باخبر اشخاص سے بحرہ تا چین سمندروں میں واقع جزیروں ، ساحلی شہروں نیز ہندوچین کے حالات دریافت کیے تو ایک جزیئہ کو چھوڑ کر ان کو ویسا ہی پایا جیسا سلیمان نے قلمبند کیا تھا ۔ابوزید نے اس جزیئہ کی تصحیح کی ، ہند وچین سے متعلق سلیمان کے بعض اجمالات کی تفصیل بیان کی ، ان ملکوں کے بارے میں سیاسی و تہذیبی نوعیت کی مزید معلومات فراہم کیں اور متعدد ایسے موضوعات پر بھی روشنی ڈالی جن کا سلیمان نے ذکر نہیں کیا تھا ۔مثلاً اس نے سماترلو جاوا کے راجہ مہراج ، اس کی دولت و تجارت ، وسیع النظری دیر دیاری ، موتی اور سمندر سے موتی نکالنے کے طریقوں ، مشک ، عنبر اور جواہرات سے متعلق گراں قدر معلومات پیش کی ہیں ۔ سلسلۃ التواریخ ایک قیمتی اور بڑی حد تک تحقیقی تالیف ہے جس سے ہندوستان ، چین اور سماترا و جاوا کی تجارت ، تہذیب اور معاشرہ کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ۔ بعد کے جغرافیہ نویسوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور انہوں نے اس کی بہت سی تصریحات اپنی تالیفوں میں ضم کرلیں ، اکثر و بیشتر نے بلا اعتراف ماخذ ۔

تاریخ ابن واضح یعقوبی ۔

نویں صدی کے اواخر میں قلمبند ہوئی ۔یعقوبی کی جغرافیہ پر بھی کتاب البلدان کے نام کی ایک تالیف ہے جو ۱۸۶۱ء میں لائڈن سے قریب ڈیڑھ سو صفحات میں چھپی تھی ۔ اس میں ہندوستان کے بارے میں کچھ نہیں ہے ۔ ایک اطلاع سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مسودہ کے آخری دس صفحات جن میں متعدد مشرقی ملکوں کے علاوہ ہندوستان کا بھی چند سطری ذکر تھا کسی آسمانی آفت کی زد میں آکر اس قابل نہیں رہے تھے کہ طبع ہو سکے۔[1] یعقوبی کی تاریخ ۱۸۸۳ء میں لائڈن سے دو حصوں میں شائع ہوئی تھی پہلے حصہ میں پرانی اقوام کا روایتی

[1] کراچکوفسکی ص ۱۶۰

اور غیر تحقیقی ذکر ہے۔ اسمیں ایک فصل ملوک الہند کے عنوان سے ہندوؤں کے بارے میں بھی ہے، اس فصل میں قدیم ہندوستان کے چند راجاؤں کے نام ہیں اور ان کے زمانہ میں علم کی ترقی، کلیلہ ودِمنہ، چوسر اور شطرنج کی ایجاد، ایجاد کے محرکات اور ان دونوں کھیلوں کے فلسفہ کا ذکر ہے۔ راجاؤں کے نام اتنے بگڑے ہوئے ہیں کہ ان کا تشخص کرنا سخت دشوار ہے۔ ایک پیراگراف ہندو فلسفہ، نجوم اور ہیئت کی منقبت اور چند مشہور کتابوں کے نام اور موضوعات سے متعلق ہے، ایک دوسرے پیراگراف میں مؤلف نے اپنے ہمعصر ہندو راجاؤں کے نام دیئے ہیں اور ان کا چند لفظی تعارف کیا ہے۔ ان راجاؤں کی قلمرو کی ترتیب قائم کرنے میں یعقوبی نے غلطی کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے خود تحقیق کر کے ان کے دوائر نفوذ متعین نہیں کئے تھے بلکہ غیر مستند مراجع کا سہارا لیا تھا۔

الاَعلاق النَفیسہ ابن رُستہ۔

۲۹۰ھ / ۹۰۲ء کے لگ بھگ لکھی گئی۔ اہلِ تحقیق کی رائے ہے کہ اس کا مکمل متن سات[1] ضخیم جلدوں میں تھا جن میں سے صرف ساتواں اور آخری حصہ باقی رہ گیا.... اور ۱۸۹۲ء میں لائیڈن سے طبع ہو کر دنیا کے سامنے آیا۔ اسلامی جغرافیہ کی کتابوں میں الاعلاق النفیسہ بعض نئے اور کمیاب معلومات کے باعث امتیازی شان رکھتی ہے۔ اسمیں فلکی جغرافیہ پر ایک مفید اور جامع مقدمہ ہے۔ اس میں تاریخی نوعیت کی نادر جھلکیاں بھی موجود ہیں، ہندوستانی سمندر، ہندوستانی راجاؤں اور ملتان کی مشہور مورتی کے بارے میں بھی کچھ نئے انکشافات ہیں۔ بصرہ سے چین تک مختلف سمندروں کی ہیئت اور موسمی حالات بیان کر کے مؤلف نے بتایا ہے کہ کس زمانہ میں ان سمندروں میں تلاطم کی شدت یا کمی کے باعث جہازرانی دشوار یا آسان ہوتی ہے۔ ابن رُستہ جو نہ خود ہندوستان آیا اور نہ اس نے چین کا سفر کیا تھا، ہندوستان اور مشرق

---

[1] ایضاً ص ۱۶۴۔

کے بر و بحر سے متعلق اس کی ساری معلومات ان لوگوں سے ماخوذ ہیں جو سندھ، مغربی ساحل ہند اور لنکا سے گذرے تھے جنہوں نے کچھ زمانہ بعض ہندوستانی ریاستوں، ملایا، تھائی لینڈ، کمبوڈیا اور سماترا جاوا میں گذارا تھا۔ اس کے رپورٹر تھائی لینڈ، کمبوڈیا، ملایا اور سماترا، جاوا اور ان سے متعلقہ جزیروں پر ہندوستان کا اطلاق کرتے ہیں اور وہاں کے راجاؤں کو ہندوستانی راجہ قرار دیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اسلام سے کافی پہلے ان سب علاقوں پر لاؤس اور ویتنام تک ہندوستان کے برہمن اور بدھ مہاجروں نے حکومتیں قائم کرلی تھیں اور وہاں کے عوام و خواص نے ہندو اور بدھ مذہب کے عقائد، رسوم اور طور طریق اختیار کرلیے تھے اور دیکھنے والوں کو ہندوستان اور ان علاقوں کے مذہب، تمدن اور معاشرہ میں کوئی فرق نہیں نظر آتا تھا۔ بعد کے جغرافیہ نویس بھی ابن رستہ کی تقلید کرکے ملایا، کمبوڈیا، لاؤس اور موجودہ جزائز انڈونیشیا اور ملایا کو ہندوستان ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

کتاب البلدان ابن الفقیہ۔

۲۹۰ھ/۹۰۳ء کے لگ بھگ لکھی گئی، اس کا اصل متن پانچ جلدوں پر پھیلا ہوا تھا جسے ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء میں شیراز کے علی نامی ایک شخص نے مختصر کیا تھا[1] اور یہی مختصر اب سے اسی نوے سال پہلے ۱۸۸۵ء میں جلی ٹائپ کے تین سو تیس صفحوں میں لائڈن سے طبع ہوا۔ ابن الفقیہ نے پچھلے جغرافیہ نویسوں، ادیبوں اور مورخوں کی کتابوں کے بہت سے اقتباس اپنی کتاب میں ضم کرلیے ہیں۔ اس کے چند اہم ماخذوں کے نام یہ ہیں: جیہانی، جاحظ، ابن خردادبہ، سلیمان تاجر اور بلاذری۔ موجودہ کتاب میں اشعار اور ادبیات کا تناسب زیادہ ہے۔ جغرافیہ نویس و سیاح مقدسی نے اس طرح کتاب پر نقد کیا ہے: ابن الفقیہ نے اپنی کتاب میں ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے، اس نے بس عظیم ترین شہروں سے دلچسپی لی ہے، اس نے نہ تو صوبوں کے ضلعوں کا ذکر کیا ہے اور نہ ان کے حالات بیان کیے ہیں، بلکہ ایسی باتیں کتاب میں بھر دی ہیں جو ایک جغرافیائی

[1] کراتشکوفسکی ص ۱۲۳

کتاب کے شایانِ شان نہیں ہیں، وہ کبھی ایسا مواد پیش کرتا ہے جو دنیا سے بیزار کردے اور کبھی ایسا جو اس سے دل لگا دے، کبھی رُلانیوالی باتیں بیان کرتا ہے کبھی ہنسانے اور دل بہلانے والی[1] اس کے باوجود کہ یہ تنقید درست ہے ابن الفقیہ کی تالیف میں اسلامی اور اسلام سے پہلے کی غیرمسلم تاریخ، مُعاشرہ اور آثارِ قدیمہ سے متعلق بہت سی نئی اور کار آمد معلومات موجود ہیں۔ کتاب میں ہندوستان کے حالات نہیں ہیں، بصرہ سے چین تک بحری راستہ کا ذکر ہے جو سلسلۃ التواریخ سے ماخوذ ہے اور جس کا متن کتاب میں جگہ جگہ غلط نقل کیا گیا ہے۔ لنکا کے بارے میں بھی ابن الفقیہ کے چند جملے ماخوذ ہیں۔

کتاب مسالک الممالک اصطخری۔

دسویں صدی کے ربع ثانی میں لکھی گئی، اس کا مختصر پہلی بار ۱۸۳۹ء میں جرمنی کے شہر گوتھا اور مکمل متن ۱۸۷۰ء میں یورپ کے طباعتی مرکز لائڈن سے شائع ہوا کتاب میں فلکی جغرافیہ اور زمین کی شکل وصورت کے بارے میں کوئی فصل نہیں ہے نہ بڑے سمندروں جیسے بحر عرب، بحر ہند اور بحر چین یا بحری تجارت کا کوئی ذکر ہے۔ مؤلف نے غیر اسلامی ممالک کے جغرافیائی اور تمدنی و تجارتی حالات اکثر مسلمان جغرافیہ نویسوں کی طرح نظر انداز کر دیئے ہیں اس نے اسلامی دنیا کو بیس اقلیموں (علاقوں) میں بانٹا ہے اور ان کے حدود اربعہ بعض پہاڑوں، بڑے دریاؤں، ریگستانوں، ممتاز بستیوں، بعض پیداوار، صنعت، پھلوں، نادر اشیاء اور معدنیات کا متوازن اسلوب اور تکلف سے پاک عبارت میں ذکر کیا ہے۔ فارس اور ماوراء النہر کے علاقوں کے سیاسی تمدنی، مذہبی اور تہذیبی حالات کی کئی جھلکیاں پیش کی ہیں۔ اصطخری نے جزیرۂ عرب، شام، مصر، فارس اور ماوراء النہر کا سفر کیا تھا اور ان ملکوں کے ذکر میں اپنے مشاہدات بھی قلمبند کر دیئے ہیں جن سے نئی اور کار آمد باتیں معلوم ہوتی ہیں، ساری اقلیموں میں ایران کے دو صوبوں

---

[1] احسن التقاسیم ص ۲۴۔

خراسان اور فارس کا ذکر زیادہ تفصیلی ہے، مؤلف نے ہر اقلیم کی اہم بستیوں کے فاصلے مرحلوں میں بیان کئے ہیں لیکن مرحلوں کی فرسخوں یا میلوں میں مسافت متعین نہیں کی ہے بعض جگہ فرسخوں، دنوں اور مہینوں میں مسافت دی ہے۔ مؤلف کی معلومات کا معتد بہ حصہ ابو زید بلخی، ابن خرداذبہ اور جیہانی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ اس نے ہر اقلیم کا ایک نقشہ بھی دیا ہے لیکن نقشہ میں نہ کسی اسکیل کی پابندی کی ہے نہ پہاڑ، سمندر، دریا اور شہر صحیح ڈھنگ سے پیش کئے ہیں، سندھ اور ہند کا ذکر سطحی ہے لیکن مستند، سندھ کے مشہور شہروں کے نام اور فاصلے دیئے ہیں۔ ملتان کی مورتی کی شکل اس سے ہونیوالی آمدنی، سندھ کے سکون، لباس اور بعض پھلوں کا ذکر کیا ہے۔ مغربی راجستھان، گجرات اور مہاراشٹر کے چند شہروں کے نام دیئے ہیں اور تصریح کی ہے کہ وہاں مسلمانوں کی بستیاں اور مسجدیں موجود ہیں۔

سفرنامہ ابودُلف۔

ابو دُلف سیاحت کا دلدادہ ایک ادیب اور شاعر تھا۔ اس کے ہم عصر اور ملاقاتی ابن الندیم مؤلف فہرست نے اس کے لئے جوّالۃ (کثیر السفر) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابو دُلف نے ۳۳۱ھ/۹۴۲ء میں بخارا سے ایک شاہی سفارت کے ساتھ مغربی ترکستان، منگولیا اور چین کا سفر کیا تھا، وہاں سے ملایا کے مشہور تجارتی بندرگاہ کلہ (کیدھا) آیا پھر قاقلی پہنچا جو شاید برما کے ڈیلٹائے اراودی کا ایک تجارتی شہر تھا، وہاں سے اس نے ہندوستان کا رخ کیا اور کشمیر ہوتا ہوا ہند کے جنوبی سرے پر راميشورم کے قریب واقع بندرگاہ مندوری پٹن (مندورفتن) پہنچا، وہاں سے موجودہ کیرالا کے ساحلی شہر کیولان (کولم) آیا اور وہاں سے سندھ کے منصورہ اور ملتان کا دورہ کرتا ہوا اپنے وطن فارس چلا گیا۔ اس نے اپنا سفرنامہ لکھ کر ایک بڑے بویہی وزیر (صاحب بن عباد) کی خدمت میں پیش کیا، اس کا بارہ صفحی اقتباس یاقوت حموی نے تیرھویں صدی کے ربع اوّل میں اپنی کتاب معجم البلدان میں نقل کیا اور یہی اقتباس

ابوڈلف کے ہندوستانی ذکر سے متعلق ہمارا ماخذ ہے ۔ ابوڈلف نے سفرنامہ میں متعدد غلط بیانیاں کی ہیں جن کی وجہ متعلقہ علاقوں کی تاریخ سے ناواقفیت، تحقیق کی کمی اور اجتہادی لغزش ہے ۔ مثلاً اس نے قاقلی کے بارے میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے سارے شہر سکندر نے فتح کر لئے تھے لیکن اس پر قبضہ کرنے سے قاصر رہا تھا ، مثلاً اس نے ملتان کے مندر کے قبہ اور اس میں واقع مورتی کا سائز بہت بڑھا چڑھا کر لکھا ہے جس کی تائید نہ عربی مراجع سے ہوتی ہے نہ غیر عربی تحریروں سے ۔ تاہم ابوڈلف نے قاقلی، کلہ (کیدھا)، کشمیر، مندوری پٹن اور کیولان کے مذہب، غذا، پیداوار اور مصنوعات سے متعلق جو تصریحات کی ہیں ان کا اکثر حصہ عربی تحریروں کے بیانات سے ہم آہنگ ہے ۔ باقی تصریحات نئی ہیں اور بظاہر قرین صحت ۔

مُروجُ الذہب مسعودی ۔

مروج کا پہلا مسودہ مصنف نے ۳۳۶ھ/۹۴۷ء[1] اور دوسرا نظر ثانی اور اضافوں کے بعد ۳۴۵ھ/۹۵۶ء میں قلمبند کیا تھا ، یہ کتاب تقریباً سو سال پہلے پیرس سے مع فرانسیسی ترجمہ کے طبع ہوئی تھی ۔ مروج الذہب جنرل نالج کی وسیع الدائرہ کتاب ہے ، اس میں تاریخ جغرافیہ اور فلکیات کا تناسب دوسرے اصناف علم سے زیادہ ہے ۔ تاریخ کے دو حصے ہیں : ایک میں اسلام سے پہلے کی قدیم دنیا کی ممتاز و مہذب اقوام ، ان کے انبیاء ، سلاطین اور مذاہب کا روایتی ذکر ہے ، دوسرا حصہ رسول اللہ کے حالات و غزوات سے لے کر مطیع عباسی کی خلافت کے اولین دو سال یعنی ۳۳۶ھ/۹۴۷ء تک کے مختلف النوع حالات پر مشتمل ہے ۔ معدودے چند مباحث کو چھوڑ کر جیسے شاہراہیں ، مسافتیں اور محصولات جغرافیہ کے ضمن میں وہ سب کچھ ہے جیسے یونانی اور مسلمان جغرافیہ نویس پیش کر گئے ہیں ، کتاب میں بہت سے عجیب الخلقت ، کمیاب اور گراں قدر جانوروں ، ان کی کھالوں ، علاقائی مصنوعات ، پودوں ، درختوں ، قیمتی

[1] التنبیہ والاشراف ص ۹۶، ۲۲ متن میں پہلے مسودہ کی تاریخ غلطی سے ۳۳۶ھ کی جگہ ۳۳۲ھ طبع ہوئی ہے

پتھروں، عنبر اور مشک کے ٹھکانوں کا ماخذ نیز ذاتی تحقیق پر مبنی ذکر ہے۔ مسعودی نے بہت سی اسلامی اور بعض غیر اسلامی ریاستوں کی سیاحت کی تھی اور سندھ، گجرات نیز مہاراشٹر کے ان شہروں سے گذرا تھا جہاں مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ اس نے سندھ، کیمبے اور چول (صیمور) کے بارے میں کچھ ایسی معلوماتی جھلکیاں پیش کی ہیں جو پیش نظر دوسری عربی تحریروں میں مفقود ہیں اس لئے اپنے ہمعصر بڑے ہندو راجاؤں کا بھی تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر ان کے نام، لقب ان کی فوج، حدود قلمرو، باہمی تعلقات اور سکوں سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ ان معلومات کا کچھ حصہ ماخوذ ہے، کچھ ذاتی تحقیق کا رہون اور اس لئے دوسرے مراجع کی نسبت زیادہ صحیح اور مفید۔ مسعودی نے اپنی ایک دوسری تالیف التنبیہ والاشراف میں ہندوستان کے دو دریاؤں گنگا اور سندھ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس ذکر کے کچھ عناصر مستعار ہیں اور کچھ ذاتی مشاہدہ اور کھوج پر مبنی۔ اس نے دونوں دریاؤں کا مخرج، رہگذر اور لمبائی بتائی ہے اور ان تینوں امور میں اس کا بیان کافی حد تک درست ہے۔ التنبیہ والاشراف مسعودی کی آخری تالیف ہے جو اس نے وفات سے آٹھ دس ماہ پہلے ۳۴۵ھ؍۹۵۶ء[1] میں مکمل کی تھی۔ اس میں اس نے اپنی سابقہ متعدد اور وسیع الدائرہ کتابوں کا جن میں مروج الذہب بھی داخل ہے، نظر ثانی کے بعد خلاصہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب لگ بھگ اسی سال پہلے لائڈن سے چار سو صفحوں میں طبع ہوئی تھی۔ مسعودی ایک وسیع العلم معتزلی عالم تھا جسے تلاش اور تحقیق سے خاص دلچسپی تھی۔ وہ سیاحت کے دوران خود بھی دھیان سے مشاہدہ کرتا تھا اور نئی معلومات کے لئے مستند مراجع کا بھی سہارا لیتا تھا۔ اس تحقیقی رجحان کی چھاپ ہندوستان اور سندھ سے متعلق اس کی بعض تصریحات پر بھی لگی ہوئی ہے۔

کتاب البدء والتاریخ مُطہر بن طاہر مقدسی۔

شاید ۳۵۵ھ؍۹۶۵ء میں لکھی گئی اور تقریباً بیس سال

---

[1] ایضاً ۳۴۵ و ۱۰۴۔

تک تحقیقِ متن اور طباعت کے مراحل سے گذرتی ہوئی ۱۹۱۹ء میں فرانس سے چھ جلدوں میں چھپ کر دنیا کے سامنے آئی مؤلف کا وطن اقامت سجستان (موجودہ افغانستان) کا شہر بست تھا اور کسی ہمعصر بڑی شخصیت کی فرمائش پر جسے اسلامی عقائد کی سالمیت کی طرف سے تشویش تھی، اس نے یہ کتاب قلمبند کی تھی۔ مؤلف نے اس شخص کا نام نہیں بتایا ہے لیکن اہلِ تحقیق کی رائے میں وہ کوئی سامانی وزیر تھا۔ مؤلف نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ ہم نے کتاب میں ۳۵۵ھ/۹۶۵ء تک کے حالاتِ خلافت سپردِ قلم کیے ہیں لیکن کتاب اس سے بیس سال قبل ۳۳۴ھ/۹۴۵ء پر ہی ختم ہو جاتی ہے کتاب بائیس حصوں میں ہے اور ہر فصل میں متعدد باب ہیں۔ بیشتر فصلوں اور ابواب میں مضمون کی ترتیب اور منطقی ربط کا فقدان ہے۔ شروع کی دو جلدیں منطقی، فلسفی، فقہی، مذہبی، کلامی، فلکی، جوّی اور طبعی جغرافیہ سے متعلق ہیں جیسے علت، واجب، جزءِ لایتجزا، خلا، قیاس، اجتہاد، اثبات باری، توحید، ابطالِ ثنویہ، صفات باری، اثباتِ رسالت، ردِ منکرینِ رسل، وحی اور اسکی مختلف شکلیں، قدامت عالم کا انکار اور عالم کو قدیم بتانیوالوں کا رد، لوح و قلم، عرش ملائکہ، جنت و دوزخ، نظریۂ تناسخ اور اس کا رد، تارے، آسمان، ہوا، بادل، دریا، پہاڑ، زلزلہ، عمرِ عالم، فنائے عالم، رات، آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بارے میں مختلف اقوام کے فلاسفہ اور مفکروں کی آرا نیز اسلامی نقطۂ نظر قرآن و حدیث کی روشنی میں۔ تیسری جلد انبیاء آسمانی کتابوں، اسلام سے قبل کے عربوں اور فارسی بادشاہوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ چوتھی میں عرب قبائل کے حسب نسب، لڑائیوں، دنیا کی بہت سی اقوام کے جن میں ہندو بھی شامل ہیں عقائد و فرق، اقالیم سبعہ، دریا، ہند و چین، مساجد و معابد اور عجائبات، رسول اللہ کی مکی و مدنی زندگی، غزوات اور مرسلہ جہادی مہموں (سرایا) کا ذکر ہے۔ پانچویں میں رسول اللہ کا سراپا، اخلاق، ان کی شریعت، ازواج، عزیز و اقارب، معجزات، نیز بڑے صحابہ، پہلی صدی کے اسلامی فرقوں اور خلافتِ راشدہ کا تذکرہ ہے۔ چھٹی جلد میں اُموی دور کے خلفاء، بعض ممتاز سیاسی شخصیات، مطیع باللہ کی تاجپوشی یعنی ۳۳۴ھ/۹۴۵ء تک عباسی خلفاء اور بعض سیاسی اکابر کے

مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب میں بعض اقوام کے رسم و رواج جیسے چینی، ترکی اور تبتی، اور بعض کے مذہبی و سماجی ضوابط جیسے صابیہ اور بعض فرقوں کے عقائد و کردار جیسے خرمیہ کے اچھے خاکے پیش کئے گئے ہیں۔ جہاز رانی یا جزیروں کا کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہے، نہ پیداوار، مصنوعات، سکّوں یا باٹوں کا۔ مولف نے بالعموم اپنے مراجع مخفی رکھے ہیں، اگر کسی کتاب کا نام لیا بھی ہے تو اس کے مؤلف کی تصریح نہیں کی ہے اور اگر مؤلف کا نام لیا ہے تو اس کی کتاب کا ذکر نہیں کیا ہے اور کہیں کہیں رُوِینا (بصیغہ مجہول) کہہ کر اپنے ماخذ کو چھپایا ہے۔ اس نے ہندوؤں کی خودکشی کے مختلف طریقے کافی تفصیل سے بیان کئے ہیں اور ان کے چند ایسے فرقوں کے نام دیئے ہیں جو ابن الندیم کی فہرست اور شہرستانی کی الملل والنحل میں نہیں ہیں، اس نے نظریہ تناسخ کی سطحی تشریح کر کے اس کا روایتی انداز میں رد کیا ہے۔ بدھ مذہب کے کئی جگہ حوالے دیئے ہیں لیکن اس کے اصول بیان نہیں کئے۔ بس اسقدر تصریح کی ہے کہ یہ مذہب نہ خدا کا قائل ہے نہ رسالت کا۔ اس نے برہمنوں کو تین صنفوں میں بانٹا ہے لیکن ذکر صرف دو صنفوں کا کیا ہے[1]۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ سکندر نے مختلف ملکوں میں جو دس شہر بسائے تھے ان میں سے ایک لنکا (سرندیپ[2]) تھا۔ کتاب میں ہندو سندھ کی سیاست، حکومت، تجارت، پیداوار، مصنوعات یا شہروں اور ان کے فاصلے کے بارے میں کچھ نہیں ہے البتہ کشمیر سے متعلق مولف نے کچھ نئی اور مفید معلومات پیش کی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں میری نظر سے نہیں گذریں۔

احسن التقاسیم مقدسی۔ دسویں صدی کے ربع ثالث میں لکھی گئی اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۷ء اور دوسرا ۱۹۰۶ء میں لائڈن سے شائع ہوا۔ مقدسی بیت المقدس کا ایک پڑھا لکھا دیندار مسلمان تھا۔ اس کی یہ کتاب بلند پایہ تالیف ہے اور عربی کے جغرافیائی لٹریچر میں ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔ کتاب کی ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ اس کی بیشتر معلومات مؤلف کے

---

[1] ۴۰/۴   [2] ۴۰/۴

ذاتی مشاہدہ، تحقیق اور کھوج پر مبنی ہیں اور اس کے ذریعہ دسویں صدی کے اسلامی معاشرہ کے بہت سے اوجھل رخوں سے نقاب اٹھ جاتی ہے۔ مولف نے تقریباً ساری اسلامی دنیا کو جو تاشقند سے مراکو تک پھیلی ہوئی تھی چودہ ریاستوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر ریاست کے شہروں تک پہنچنے کی راہوں، ان میں واقع دریاؤں، صحراؤں، بحیروں، پہاڑوں، راہوں کی منزلوں اور ان کی باہمی مسافتوں، شہروں کی خوبی اور برائی، مذاہب، باشندوں کے فقہی و مسلکی تعصبات، لڑائی جھگڑوں، تخریبی کارروائیوں، شہروں کی چھوٹی بڑی مصنوعات پیداوار، درآمد و برآمد، اشیائے خورد و نوش کے نرخوں، رائج سکوں، تولنے اور ناپنے کے پیمانوں، تجارتی منڈیوں، محصولات ٹیکس، حکمرانوں کی سیرت، باشندوں کی زبانوں، لہجوں، تہواروں، اخلاق، اقتصادی حالت اور رجحانات شکل و صورت اور لباس کا ذکر کیا ہے۔ مقدسی کی مقرر کردہ چودہ ریاستوں میں سندھ بھی داخل ہے لیکن جیسا کہ وہ خود معترف ہے اس نے دوسری ریاستوں کی طرح سندھ کا جامع اور تحقیقی دورہ نہیں کیا تھا، نہ بہت دن تک وہاں ٹھہرا تھا، اس کے باوجود اس نے سندھ اور اس کے مختلف تمدنی اور معاشرتی پہلوؤں پر جو روشنی ڈالی ہے وہ عربی کی پیشِ نظر ہر دوسری تالیف سے زیادہ جامع، مفید اور پُر از معلومات ہے۔ سندھ کے ضمن میں اس نے شمالی پنجاب کے برہمن راجاؤں کے پایۂ تخت وَیہند (اُوہند متصل اٹک) اور شمالی مشرقی ہندوستان کی گرجر اپرتی ہارا سلطنت کی راجدھانی قنوج کے بھی جہاں عرب تجارتی بستیاں تھیں کچھ مجمل حالات بیان کئے ہیں جن سے پیشِ نظر دوسرے عربی ماخذوں کا دامن خالی ہے۔

فہرست ابن الندیم — ۱۸۷۲ء میں جرمنی کے علمی مرکز لیبزک سے شائع ہوئی۔ ابن الندیم کا باپ بغداد کا ایک بڑا کتب فروش تھا۔ ابن الندیم عرصہ تک باپ کے ساتھ کتابی کاروبار کا تجربہ حاصل کر کے جب کتابوں کی دنیا سے اچھی طرح واقف ہوگیا تو اس نے عربی زبان کے

مختلف علوم کی تالیفات کی فہرست اور ان کے مولفوں کے حالات مرتب کرنیکا بیڑا اٹھایا، کتاب کا بیشتر حصہ اس نے ۳۷۷ھ تک قلمبند کر لیا پھر اسمیں اپنی وفات تک جو گیارہویں صدی کے اوائل میں واقع ہوئی مزید اضافے کرتا رہا۔[1] مؤلف نے عربی علوم کو دو بڑی صنفوں میں تقسیم کیا ہے، پہلی صنف میں وہ علوم ہیں جو اہلِ زبان عالموں کے ہاتھوں جو زیادہ تر غیر عرب نسل کے تھے، پروان چڑھے، دوسری صنف میں وہ علوم ہیں جو سریانی، یونانی، فارسی اور سنسکرت وغیرہ سے ترجمہ ہو کر عربی میں منتقل ہوئے۔ مؤلف نے ہر علم کی اُن کتابوں کے نام دیئے ہیں جن سے وہ واقف تھا، ان کے مؤلفوں کی ایک خاصی تعداد کے مجمل حالات بیان کئے ہیں اور جس مؤلف کا سنہ وفات معلوم ہو سکا اس کی بھی تصریح کی ہے۔ کتابوں کے علاوہ مؤلف نے اسلام سے پہلے اور بعد کے متعدد مشہور مذاہب اور ان کے بانیوں جیسے مانی، مزدک، دیصانی اور بابک خرمی کے مجمل حالات بیان کئے ہیں اور ان کے بارہ میں قیمتی معلومات فراہم کی ہیں، اس نے مہاتما بدھ کی مورتی کا خاکہ دیا ہے لیکن بدھ مت کے اصول و عقائد بیان نہیں کئے۔ وہ مذاہبِ ہند کے بارہ میں ایک ایسی کتاب سے واقف تھا جو رشیدِ عباسی کے برمکی وزیر یحیٰ بن خالد (م ۸۰۵ء) نے ایک وفد ہندوستان بھیج کر وہاں کے مذاہب و ادیان پر قلمبند کرائی تھی لیکن اس نے کتاب کے محتویات پر روشنی نہیں ڈالی۔ اس نے ایک قدیم کتاب کی سند پر یہ قیمتی تصریح کی ہے کہ یحیٰ برمکی نے ہندوستان سے آیرویدک طب اور نجوم و ہیئت کے علماء کی ایک ممتاز جماعت بغداد بلوائی تھی جن میں سے ابن دھن نامی ایک وید یحیٰ کے ہسپتال کا انچارج تھا اور دوسرے عالم نجوم و طب کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرنے پر مامور تھے مؤلف نے تقریباً دو درجن طبی کتابوں کی فہرست دی ہے جو سنسکرت سے عربی میں ترجمہ ہوئی تھیں سوا درجن ایسے تراجم کا ذکر کیا ہے جو نجوم منطق، اصلاحی و اخلاقی حکایتوں، سیاسی تدبیر، پامسٹری، اور ریاضتِ فکر سے متعلق یا مہاتما بدھ اور ہند و چین کے حالات پر مشتمل تھے، اسنے ہندوستان

---

[1] کراتشکوفسکی ص ۲۳۳۔

کے بعض تبخانوں کا ذکر کیا ہے جن میں وسطی ہند، مہاراشٹر نیز مغربی دکن کے راشٹرا کوٹا راجاؤں کے پایۂ تخت مالکھید (مانیکھر) اور اس کے عظیم بت خانہ کے بارے میں نئی معلومات ہیں۔ کتاب میں جغرافیہ اور جغرافیہ نویسیوں پر کوئی فصل نہیں ہے، مؤلف نے جغرافیہ کی معدودے چند تصنیفوں کے نام درج کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

عجائب الہند بزرگ بن شہریار۔

اواخر دسویں صدی کی تالیف ہے، ۱۸۸۶ء میں لائڈن سے بڑی تقطیع کے ایک سو بانوے صفحات پر طبع ہوئی۔ کتاب میں تقریباً ایک سو تیس معلوماتی خاکے ہیں جنھیں نویں صدی میں خلیج فارس سے چین تک بحری سفر کرنیوالے جہازی کپتانوں اور سمندری تاجروں نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے بعد بزرگ بن شہریار رامہرمزی سے جو بصرہ کا ایک بڑا تاجر تھا، بیان کئے تھے۔ ان خاکوں میں سے چند کا تعلق عمان، مشرقی یمن اور افریقہ کے مشرقی ساحل سے ہے، تقریباً تین درجن ہندوستان سے وابستہ ہیں، باقی لنکا، خلیج بنگال، مشرقی بحر ہند کے بعض جزیروں بالخصوص ملایا اور سماترا جاوا کے ساحلی شہروں سے متعلق ہیں، چند انڈوچائنا اور سرزمین چین کے کسی رخ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ کتاب کا لگ بھگ چوتھا حصہ ہی ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نام عجائب الہند رکھا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ مغربی بحر عرب سے لیکر خلیج بنگال، مشرقی بحر ہند، خلیج تھائی لینڈ اور بحر چین تک جتنے ساحلی علاقے ہیں ان سب میں برہمن یا بدھ مذہب چھایا ہوا تھا اور وہاں کے سارے باشندے ہندو تہذیب و تمدن میں رنگے ہوئے تھے۔ اس مذہبی و تمدنی وحدت کے باعث عرب سیلون، ملایا انڈونیشیا اور وہاں سے ویتنام تک سارے ملکوں کو ہندوستانی علاقہ تصور کرتے ہیں۔ عجائب الہند کے عجائب سے مراد ایسے جانور ہیں جو عام طور پر اسلامی ملکوں یا سمندروں میں نہیں دیکھے گئے تھے، ایسے رسوم، عادات، طور طریق اور فکری عملی کرتب ہیں جو اسلامی معاشرہ میں نہیں پائے جاتے تھے، ایسا سیاسی تدبر، مذہبی رواداری اور

روشن ضمیری ہے جیسے بت پرستوں میں دیکھ کر مسلمانوں کو حیرت ہوتی تھی۔ کتاب میں ایک ذوعظیم الخلقت پرندوں کے علاوہ جو شاید اب ناپید ہو چکے ہیں، ساری تصریحات مستند اور موثوق ہیں جن کی تائید عربی اور غیر عربی مراجع سے ہو جاتی ہے۔ ہندوستان کے بارے میں جو لگ بھگ تین درجن تصریحات ہیں ان میں سے چند کا تعلق شمالی ہندوستان سے ہے، باقی سب اس ملک کے مغربی و جنوبی ساحلی علاقوں اور وہاں کے رسم و رواج، عادات و اطوار سے متعلق ہیں اور ہندو راجاؤں اور عوام و خواص کی مسلمانوں کے ساتھ مذہبی رواداری اور قدر دانی کی ترجمانی کرتی ہیں۔

کتاب الہند بیرونی۔

۱۰۳۰ء ~~۴۲۱ھ~~ میں لکھی گئی اور ۱۸۸۷ء میں بڑی تقطیع کے تین سو اٹھارہ صفحات پر لندن سے شائع ہوئی۔ عربی زبان میں یہ واحد تالیف ہے جو کلیتًہ ہندوؤں کے بارے میں ہم تک پہنچی ہے۔ اس کی امتیازی شان یہ ہے کہ مؤلف نے ہندو مذہب کا ذاتی رجحانات اور معتقدات سے الگ رہ کر تفصیلی جائزہ لیا ہے اسی از روئے تحقیق لکھا ہے کہ ہندو توحید کے قائل ہیں اور خدا کو عین اُن صفات سے متصف کرتے ہیں جن سے اسلام نے کیا ہے۔ ۲) ہندو ویدوں کو خدا کا کلام اور ان میں بیان کردہ ضوابط کردار کو ابدی سمجھتے ہیں جن کی افادیت بدلتے ہوئے حالات میں ہمیشہ برقرار رہنے والی ہے، اس لئے وہ مؤسسین شرائع یا رسولوں کی ضرورت نہیں تسلیم کرتے بلکہ اہل معرفت رشیوں کے قائل ہیں جو وقتًہ فوقتًہ معاشرہ میں پیدا ہونیوالی خرابیوں کو دور کرنے آتے رہتے ہیں۔ ۳) مسلمانوں کی طرح ہندو خدا کی تسبیح و تحمید، روزہ، خیر خیرات، حج، جنت، دوزخ اور عذاب و ثواب کے قائل ہیں لیکن مسلمانوں کے برعکس جن کا ایمان آخرت کی زندگی پر ہے ہندو تناسخ کے معتقد ہیں۔ عام مسلمان متکلموں اور غیر اسلامی مذاہب کا ابطال کرنے والوں کی طرح جو سطح سے نیچے نہیں اترتے بیرونی نے نظریۂ تناسخ کا گہرا مطالعہ کر کے اس کا صحیح مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۴) اس نے

مورتی پوجا کے اسباب کی کھوج کر کے لکھا ہے کہ مورتیاں غیر مرئی خدا کو مجسم کر کے ان لوگوں کے دل و دماغ کو تھوڑی دیر کے لئے خدا کی طرف متوجہ کرنیکا محض ایک وسیلہ ہیں جو کشمکش حیات میں ہر وقت خدا کا دھیان رکھنے پر قادر نہیں ہیں، وہ ہندو جو علم اور روحانی ریاضت سے خدا کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں مورتی پوجا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ عربی تحریروں میں بالعموم یہ تصریح ملتی ہے کہ ہندو مذہب میں زنا جائز ہے، بیرونی کی تحقیق یہ ہے کہ وہ قطعاً حرام ہے اور اس کا مرتکب گردن زنی۔ اس نے ہندو ماخذوں سے عمدہ کردار کے جو ضوابط اخذ کر کے قلمبند کئے ہیں وہ اکثر مذاہب عالم اسلام سمیت اپنے ماننے والوں پر لازم قرار دیئے ہیں۔

مذہب کے علاوہ بیرونی نے ہندو فلکیات اور متعلقہ امور کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بیشتر ہندو عالم آسمانوں اور ستاروں کی حرکت اور زمین کے ساکن ہونے کے قائل ہیں نیز یہ کہ ہندو علماء کی ایک اقلیت جو زمین کو متحرک قرار دیتی ہے اس کی پیروی نہیں کی جاتی، اس نے ہندو فلکیاتی نظریات کے مطابق آسمان و زمین کی شکل و ہیئت، زمین کے مرکز، سبعہ سیارہ کے برجوں، چاروں جگوں[1]، ان کے خواص اور ہر چار ارب بتیس[2] کروڑ سال کے بعد ستاروں کے برج حمل میں جمع ہونے سے دنیا کے فنا اور ان کے برج حمل سے نکلنے پر دنیا میں دوبارہ زندگی کے قیام کا ذکر کیا ہے اور ستاروں کی مزعومہ حرکت، اس سے متعلقہ ہندو حساب حرکت سے پیدا ہونیوالے نجومی تغیرات، مدوجزر، موسم، خسوف و کسوف، شب و روز، اور نیک و بد ساعتوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس ذکر اور جائزہ میں بیرونی سے سنسکرت الفاظ کو ٹھیک ٹھیک مشخص کرنے، ترکیبی اعلام نیز عبارتوں کا ترجمہ اور تشریح کرنے میں غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن میں سے متعدد کی نشاندہی کتاب الہند کے ایڈیٹر پروفیسر سخاؤ نے مقدمہ میں کی ہے، ہندوستانی

---

[1] ہندو نجوم کے مطابق دنیا کی عمر کا ایک دور چار ارب بتیس کروڑ سال کے مساوی ہوتا ہے۔ اس میں یہ چار عہد (جگ) آتے ہیں: چترجگ (سب سے بڑا) کل خیر کا زمانہ، ترتیا جگ۔ تین چوتھائی خیر کا زمانہ، دواپر جگ۔ نصف خیر کا زمانہ، کلجگ، تہائی خیر اور باقی شر کا زمانہ۔ [2] اس مدت کو ہندو کلپ اور عرب ایام سندھند کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شہروں کے فاصلے متعین کرنے میں بھی جگہ جگہ وسائل اور معلومات ناقص ہونے کے باعث اس سے لغزش ہوئی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں ہندوؤں کی مسلمانوں سے بددلی اور انحراف کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے بیرونی نے لکھا ہے کہ محمد بن قاسم فاتح سندھ ایک طرف (راجستھان میں) ترکتاز کرتا، قنوج تک اور دوسری طرف وہاں سے واپسی پر (اتر پردیش اور پنجاب کو) لگد کوب کرتا حدودِ کشمیر اور سرزمین قندھار تک پہنچ گیا تھا نیز یہ کہ اس نے راجستھان کی سرحد پر واقع سندھی شہر برہمن آباد (بھنوا) فتح کر کے اس کا نام منصورہ رکھا تھا۔ یہ تینوں تصریحات ہمارے لئے نیا انکشاف ہیں۔ عربی کے اخبار و آثار کے قدیم ترین وثائق سے صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں محمد بن قاسم کی عسکری پیشقدمی ملتان تک اور جنوب مشرق میں اس کی ترکتاز راجستھان کے آبو پہاڑ سے تقریباً پچاس میل شمال مشرق کے بڑے شہر بھیلمال (بیلمان) تک محدود تھی، رہا منصورہ تو وہ برہمن آباد سے سات میل دور واقع تھا اور اس کی داغ بیل محمد کے برسوں بعد دوسری ہجری کے اوائل میں سندھ کے اُموی گورنر حکم بن عوانہ نے ڈالی تھی۔ بظاہر بیرونی کی یہ تینوں تصریحات اس کے اس قول کی طرح سہو پر مبنی ہیں کہ محمد بن قاسم کے بعد محمود غزنوی یعنی اگلے تین سو سال تک کسی عرب امیر نے دریائے سندھ پار کر کے ہندوستانی علاقہ میں قدم نہیں رکھا تھا۔

---

۱ دیکھو ایلیٹ جلد اول۔ ۲ فزادھم (الھند) خنزوًا أرضھم استیماشاملا دخل محمد بن القاسم بن المنبہ أرض السند من نواحی سجستان وافتتح بلد بھنوا وسماہ منصورۃ وبلد مولستان وسماہ معمورۃ وأوغل فی بلاد الھند إلی مدینۃ کنوّج ووطئ أرض القندھار وحدود کشمیر راجعا۔

۳ فتوح البلدان بلاذری، تاریخ ابن واضح یعقوبی، تاریخ کامل ابن اثیر۔

۴ فتوح البلدان ص ۴۴۴۔

۵ کتاب الہند ص ۔

طبقات الامم قاضی صاعد اندلسی۔

غالباً گیارہویں صدی کے ربع ثالث میں لکھی گئی۔

۱۹۱۲ء میں لبنان کے شیخو لیسوعی نے اسے رسالہ مشرق میں شائع کیا، اس کے بعد کسی وقت قاہرہ سے چھوٹی تقطیع کے ایک سو بیس صفحات میں طبع ہوئی۔ مؤلف نے اقالیم سبعہ یعنی آباد دنیا کی قوموں کو دو طبقوں میں بانٹا ہے۔ ایک طبقہ ان قوموں پر مشتمل ہے جنہوں نے علم وفن کے میدان میں کوئی قابلِ ذکر حصہ نہیں لیا، دوسرے میں وہ قومیں ہیں جنہوں نے علوم سے دلچسپی لی اور ممتاز علمی خدمات انجام دیں۔ پہلی صنف میں زیادہ گرم ملکوں (بیشتر اقوام افریقہ) اور زیادہ سرد علاقوں میں (روس اور شمالی یورپ) کی قومیں داخل ہیں اور دوسری میں ہندوستان سے اپین تک آباد یہ آٹھ قومیں: ہندو، فارسی، کلدانی، عبرانی، یونانی، رومی، مصری اور عرب۔ اس چھوٹی مگر کارآمد کتاب میں مؤلف نے سلیقہ اور سمجھ بوجھ سے ان آٹھوں قوموں کے فلسفہ، ریاضی، نجوم اور ہیئت کے میدانوں میں ممتاز کارگذاریوں کا ذکر کیا ہے۔ قدیم ہندوؤں کے علوم، عقل ودانش اور ذہانت کو گرمجوشی سے سراہا ہے۔ طبقات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ عام عربی تالیفوں کے برعکس اس کی بیشتر معلومات منقول وماخوذ نہیں ہیں بلکہ متعلقہ مباحث کے سنجیدہ مطالعہ اور باشعور ادراک کے بعد قلمبند کی گئی ہیں، اس خصوصیت کے باعث کتاب کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے بیانات بہت سی عربی کتابوں میں جوں کے توں یا تھوڑے ہیر پھیر کے بعد داخل کر لئے گئے اکثر بغیر نشاندہی ماخذ۔

کتاب الملل والنحل شہرستانی۔

۱۱۲۷ء میں لکھی گئی اور پہلی بار ۱۸۴۶ء میں لندن سے چھپ کر دنیا کے سامنے آئی۔ مؤلف نے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ میں اس کتاب میں آدمؑ سے اپنے وقت تک دنیا کے مذاہب پیش کروں گا لیکن کتاب کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

۱؎ جرجی زیدان (تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ) ۲/۲۱۸

صرف اسلامی فرقوں اور کچھ دوسرے مشہور مذہبوں اور فلسفیانہ افکار کا ہی ذکر کیا ہے۔ اس نے
دنیا کے مذاہب کو چار بڑی صنفوں میں بانٹا ہے۔ ایک وہ جو آسمانی کتابوں پر مبنی تھے جیسے اسلام
اور مذہب یہود و نصاریٰ، دوسرے وہ جن کے بارے میں بالیقین نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کی
بنیاد آسمانی کتابوں پر تھی، جیسے پارسی اور مانوی مذہب، تیسرے وہ جن کی بنیاد مقررہ ضوابط
کردار اور مکتوبہ حدود داخلاق پر قائم تھی جیسے صابیہ (ہیاکل پرست) اور چوتھے وہ جن کی
بنیاد مقررہ ضوابط کردار اور مکتوبہ حدود داخلاق پر قائم نہیں تھی، جیسے فلاسفہ، دہریہ،
ستارہ پرست، مورتیوں کے پجاری اور برہمن۔ مولف اشعری عقائد کا متکلم عالم تھا اشعری
فرقے نے جو مسلک اختیار کیا تھا وہ ایک طرف معتزلہ کے نقد پسندانہ رجحان اور روشن نظری
سے متاثر تھا اور دوسری طرف اہل حدیث کی تنگ نظری اور روایتی مذہبیت سے۔ مؤلف
کے مذاہب و فرق کے جائزہ میں معتزلہ کی روشن فکری بھی ملتی ہے اور اہل حدیث کی تنگ
نظری بھی۔ ایک حدیث پر اعتماد کر کے مؤلف نے اسلام کے تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ
جو یقیناً اس کا اپنا منتخبہ اشعری فرقہ ہے، برحق اور ناجی قرار دیا ہے۔ مؤلف نے ہر اسلامی
فرقہ کی ابتداء، اس کے اہم عقائد اور اس کے ممتاز علم برداروں کے مخصوص نظریات کا تفصیل
سے بیان کئے ہیں لیکن اس کا اسلوب بیان کلامی و منطقی اصطلاحوں کی بہتات کے باعث بالعموم
الجھا ہوا ہے اور اس وجہ سے ان فرقوں کے بہت سے نظریات اور اخلاقی اصولوں کو سمجھنا
دشوار ہو گیا ہے۔ اسلوبی الجھاؤ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مؤلف نے مذاہب و فرق سے متعلق
معلومات مقالات کی کتابوں سے لیکر اپنے دماغ میں بحث و پز کئے بغیر نقل کر دی ہیں۔ اس نے
اپنے ماخذوں کے نام بھی مخفی رکھے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ ان میں سے بیشتر مسلمانوں کی ملکی جنگوں
کی نذر ہو چکے ہیں یا مذہبی تنگ نظری کے باعث بے اعتنائی کا شکار ہو کر طبعی موت مر چکے ہیں
اس خسارہ کی شہرستانی کی تالیف نے کافی حد تک تلافی کر دی ہے، اس کی بڑی فضیلت ہے
اور اس کی بدولت اسلامی مذاہب و فرق کے لٹریچر میں اسے ایک امتیازی مرتبہ حاصل

ہے۔ کتاب چار سو پچیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک سو ساٹھ صفحوں یا تقریباً ایک تہائی کتاب میں تہتر اسلامی فرقوں کا ذکر ہے بہتر میں یہود و نصاریٰ کا، سترہ اٹھارہ میں پارسی، مزدکی، مانوی اور ان جیسے دوسرے مذاہب کا جو دو ازلی اور باہم متحارب قوتوں (خیر و شر) کے قائل ہیں، تقریباً پچاس صفحوں میں صابیہ یا ہیاکل پرست اقوام کا قریب سو صفحات میں یونانی فلاسفہ کا، لگ بھگ اسی میں بعض مشہور مسلمان فلسفیوں کا۔ آخر کے پندرہ صفحے ہندو مذاہب، فرق اور فلاسفہ کے لئے مخصوص ہیں۔

جس طرح اسلامی فرقوں کے عقائد و نظریات مولف نے عربی اور شاید کچھ فارسی مراجع سے اخذ کئے ہیں اسی طرح غیر اسلامی مذاہب کے عقائد و آراء اس نے ان ہی دو ماخذوں سے لئے ہیں، وہ نہ سنسکرت سے واقف تھا، نہ پالی سے، نہ یونانی، سریانی اور آرامی زبانوں سے جنمیں ہندو، بدھ، چینی، یونانی اور صابی مذاہب اور فلسفہ پر مستند تالیفیں قلمبند ہوئی تھیں۔ مولف نے کتاب کے صفحہ چار سو چالیس پر تصریح کی ہے کہ ہم نے ہندو مذاہب کے حالات اُن کی مشہور کتابوں سے نقل کئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اس نے یہ حالات عربی کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں اور جو سطحیت، نارسائی، اضطراب اور غلط بیانی اس کے ماخذوں میں پائی جاتی ہو وہی اسکے بیان میں بھی موجود ہے۔ مثلاً اس نے ہندوؤں کو ایسی اقوام میں داخل کیا ہے جن کے پاس نہ مقررہ ضوابط کردار ہیں نہ مکتوبہ حدود و اخلاق۔ اگر اس نے ہندو مذہبی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے اپنی رائے بدلنی پڑتی صفحہ چار سو چھیالیس پر اس نے تصریح کی ہے کہ برہمنوں کے بہت سے فرقے ہو گئے جنیں سے ایک بدھ فرقہ ہے، دوسرا وہم و فکر کی ریاضت کرنیوالا اور تیسرا آواگون کا قائل۔ مولف نے تحقیق کی ہوتی تو اسے معلوم ہوتا کہ بدھ مذہب، برہمن مذہب سے بالکل الگ چیز ہے نیز یہ کہ وہم و فکر کی ریاضت اور عقیدۂ آواگون صرف برہمنوں کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ بیرونی: مذہبی عقائد و نظریات (مقالات) پر لکھنے والے کسی (مسلمان) مؤلف کو میں نے نہیں پایا کہ اس نے دوسرے مذاہب کے عقائد و نظریات بے رو رعایت ایمانداری سے بیان

کئے ہوں سوائے ابو العباس ایرانشہری کے۔ اس نے عیسائی اور یہودی عقائد اور انجیل و تورات کے مضامین کی حقیقت پر مبنی ترجمانی کی ہے، اس نے مانوی فرقہ اور مذہب نیزان میں ملی ہوئی ملتوں کا جن کے حالات مانوی کتابوں میں مذکور ہیں تفصیلی ذکر کیا ہے لیکن جب وہ ہندوستان کے برہمن اور بدھ مذاہب کیطرف متوجہ ہوا تو اس کا تیر بھی نشانہ سے بہک گیا اور زُرقان کی کتاب پر جا پڑا۔ برہمن اور بدھ مذہب کے بارے میں اس کتاب میں جو تصریحات درج تھیں اس نے (بلا تحقیق و تصویب) اپنی کتاب میں ضم کرلی ہیں اور جو باتیں اس نے زُرقان کی کتاب سے اخذ نہیں کی ہیں انہیں برہمن اور بدھ عوام سے سن سنا کر اپنی تالیف میں جگہ دیدی ہے[1]۔

نزہتہ المشتاق ادریسی۔

وسیع الدائرہ کتاب ہے، ۱۱۵۴ء ۵۴۸ھ میں لکھی گئی اور اس کا پہلا ایڈیشن تقریباً پونے چار سو برس پہلے ۱۵۹۲ء میں روم سے شائع ہوا تھا[2]، بعد میں وہ نایاب ہوگیا۔ کتاب کے متعدد حصے جو یورپ، بحر متوسط، شمالی افریقہ اور ہندوستان سے متعلق ہیں، مختلف اوقات میں الگ الگ چھپ چکے ہیں لیکن پوری کتاب کے تحقیقی متن کا ہنوز انتظار ہے۔ نزہتہ المشتاق کے نسخے کافی تعداد میں ایشیا، یورپ اور انگلستان کے مکاتب میں پائے جاتے ہیں اور ایک فوٹو نسخہ مصر کے قومی لائبریری قاہرہ میں بھی محفوظ ہے اور اسی نسخہ سے ہم نے ہندوستان سے متعلقہ فصلیں نقل کرکے ان کے اہم ترین اجزاء کا ترجمہ اس کتاب میں پیش کیا ہے۔ ادریسی نے بطلیموس کا اتباع کرکے مسکون دنیا کو سات اقلیموں میں بانٹا ہے اور پھر ہر اقلیم کو دس حصوں میں تقسیم کرکے اس کی جغرافیائی شکل و ہیئت بیان کی ہے اور وہاں کی بری و بحری راہوں، تجارت، تمدن، مصنوعات اور مذہب وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ نزہتہ المشتاق کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دوسری عربی جغرافیائی کتابوں کے برخلاف اس میں شمالی روس، یورپ اور بحر متوسط میں واقع جزائر کے بھی حالات بیان کئے گئے ہیں جیسے فرانس، جرمنی

---

[1] کتاب الہند ص۴۔ [2] کراچکوفسکی ص۲۸۴۔

پولینڈ، شمالی روس، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، رومانیا، شبہ جزیرۂ بلقان اور اٹلی۔ کتاب کا سب سے اہم حصہ وہ ہے جو ادریسی نے خود دورہ کر کے قلمبند کیا تھا، یہ حصہ شمال مغربی افریقہ اسپین سسلی اور جنوبی اٹلی سے متعلق ہے۔ یورپ کے باقی ملکوں کے حالات ادریسی نے ان تاجروں سیاحوں اور مندوبوں سے اخذ کئے ہیں جنھیں سسلی کے حاکم روجر ثانی نے جس کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی گئی تھی جغرافیائی، تمدنی اور تجارتی معلومات جمع کرنے پر مامور کیا تھا۔ روجر نے نقشہ سازی کے ماہرین سے ہر اقلیم کے جغرافیائی خاکے بھی بنوائے اور ان سب کو ادریسی نے مرتب کر کے ایک بڑا نقشہ بنایا تھا جس کی نقل چھپ گئی ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔ ادریسی نے مشرق کا سفر نہیں کیا تھا اس لئے سندھ، وسطی و شمالی ہندوستان اور ہندوستان کے مغربی و مشرقی ساحل، جزائر دیبجات، لنکا، ملایا، سماترا، جاوا اور چین کے بارے میں اس کی ساری معلومات ماخوذ ہیں۔ ان کا بیشتر حصہ اُن کتابوں اور سفرناموں سے لیا گیا ہے جن سے ماخوذ اقتباسات کا ہم نے اس کتاب میں ترجمہ پیش کیا ہے جیسے ابن خُرداذبہ، مسعودی، اِصطخری اور سلیمان تاجر۔ معلومات کا کچھ حصہ نیا اور دوسرے مراجع سے مستعار ہے جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا اور جو شاید موجود بھی نہیں ہیں جیسے سامانی وزیر جَیہانی کی کتاب المسالک والممالک جس میں ہندوستان سے متعلق بہت سے مختلف النوع حالات بیان کئے گئے تھے یا مسعودی کی اخبار الزماں اور کتاب الاوسط جنہیں ہندوستانی تاریخ، سیاست، مذہب اور تمدن کے بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ قلیل حصہ ہی ہندوستان سے متعلق کتاب کی فصلوں کا جوہر ہے۔ اس حصہ کی لنکا کے ہندو راجہ کے بارے میں یہ تصریح خاص طور پر اہم ہے کہ اس کے سولہ وزیر تھے، چار ہندو، چار مسلمان، چار عیسائی اور چار یہودی جو اس کے ملک کے چاروں مذہبوں کی نمائندگی کرتے تھے اور وہ ان چاروں مذاہب کے پیرووں کی اپنے اپنے مذہب کی اشاعت اور تعلیم و تلقین کے لیے حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ ادریسی نے ہندوستان کے ذکر میں کافی غلطیاں کی ہیں جن میں کچھ بڑی

سنگین ہیں مثلاً اس نے گجرات کے گندھار کو افغانستان کے قندھار سے اور دریائے گوداوری کو جس کا پرانا نام مسلی تھا اور جو مغربی گھاٹ کے پہاڑوں سے نکلتا ہے برہمپترا سے خلط ملط کر دیا ہے جو تبت کے پہاڑوں سے نکل کر آسام (قامروپ) اور مشرقی پاکستان سے بہتا ہوا خلیج بنگال میں گرتا ہے۔ اسی طرح بعض شہروں کی جائے وقوع مقرر کرنے میں بھی اس سے سہو ہوا ہے مثلاً اس نے جمنا پر واقع شہر گنگا پر واقع بتائے ہیں۔

مُعجم البُلدان یاقوت۔

یہ بلند پایہ کتاب جس کا سنہ تالیف ۶۲۱ھ ہے اعلام امکنہ اور بقاع کی مبسوط ترین تحقیقی ڈکشنری ہے جو ۱۸۶۶ء میں جرمنی کے علمی مرکز لیبزک سے تقریباً پونے چار ہزار صفحات میں طبع ہوئی تھی۔ یاقوت یونانی نسل کا غلام تھا جسے بچپن میں اس کے کم سواد مسلمان مالک نے خرید کر اچھی تعلیم دلوائی تھی تاکہ اس کی تجارت کا حساب کتاب سنبھال سکے۔ بیس سال کی عمر میں آقا کی موت پر آزاد ہو گیا تھا۔ یاقوت نے دسیوں برس کے مطالعہ، کھوج اور نئی معلومات کی خاطر مصر، شام، عراق اور فارس کی مشہور لائبریریوں کے علمی ذخیروں سے استفادہ کے بعد یہ کتاب لکھی تھی۔ کتاب کے حدود میں وہ سارے ملک، صوبے، علاقے، صدر مقام، شہر، قصبے، دیہات، مشہور عبادت خانے، دریا، پہاڑ، صحرا، بحیرے، سمندر، آبنائیں، جزیرۂ عرب کے نخلستان، مشہور گھاٹ، بازار اور چشمے داخل ہیں جن کے نام عربی اخبار، آثار، ادب اور جغرافیہ میں آتے ہیں۔ کتاب کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں: (۱) عہدِ حاضر کی طرح اسمیں سارے اعلام تہجی ترتیب کیساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ (۲) ہر علم کا صحیح تلفظ پوری احتیاط اور تحقیق سے متعین کیا گیا ہے۔ (۳) اکثر عربی مؤلفوں کے برخلاف جو دوسروں کی معلومات تحقیق اور عرق ریزی کے ثمرات بلا اعتراف ماخذ اپنی کتابوں میں ضم کر لیتے ہیں، مؤلف نے اپنے درجنوں ماخذوں اور ان کے مؤلفوں کے ناموں کی تصریح کی ہے۔ (۴) ضلعوں اور بڑے شہروں کے عرض البلد اور طول البلد مختلف مراجع سے دینے کا التزام کیا ہے اور اس بات کا بھی

کہ وہ کس بطلیموسی اقلیم میں داخل ہیں۔ (۵) مستند اور قدیم ترین عربی مراجع کے حوالہ سے یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی دنیا کے ملک، صوبے، شہر اور قصبے کب اور کس کے ہاتھوں فتح ہوئے اور انھیں عربوں نے بزورِ شمشیر لڑکر فتح کیا تھا یا جزیہ گذار بنا کر یا معاہداتِ زر کے بالمقابل۔ (۶) کتاب میں بڑے شہروں کے سابق اور ہمعصر نامور عالموں اور ان کی کتابوں کے نام درج کر دیئے گئے ہیں اور جگہ جگہ کتابوں پر اجمالی تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان خصوصیات کے باوجود معجم البلدان میں اس طرح کی معلومات بہت کم ہیں جن سے اسلامی معاشرہ کی داخلی تہوں اور اوجھل پہلوؤں کے رخ سے نقاب اٹھتی ہو۔ یاقوت نے سندھ یا ہندوستان کا سفر نہیں کیا تھا۔ شاید اسے یہاں کے حالات سے خاص دلچسپی بھی نہیں تھی، اس لیئے اس نے ہند و سندھ کے امکنہ و بقاع کا اس حد تک بھی ذکر نہیں کیا ہے جس حد تک اس کے پیشرو جغرافیہ نویس کر گئے ہیں۔ جن شہروں یا علاقوں پر اس نے قلم اٹھایا ہے وہ سب ابن خرداذبہ، اصطخری اور مقدسی وغیرہ سے ماخوذ ہیں اور ان کے ذکر میں وہ ساری غلطیاں موجود ہیں جو ان مؤلفوں سے سرزد ہوئی ہیں۔

عجائب المخلوقات قزوینی۔

۱۲۸۰ء/۶۷۸ھ میں لکھی گئی اور ۱۸۴۹ء میں جرمنی کے علمی مرکز گوٹنجن سے شائع ہوئی۔ کتاب کے دو حصے ہیں، پہلا آسمانوں، آسمانی برجوں، اجرام سماوی، آسمانی باشندوں (فرشتوں)، آسمانوں کے اٹھانیوالوں، ممتاز ملائکہ، شب و روز، مہینوں اور چاروں موسموں سے متعلق ہے۔ دوسرے حصہ میں عناصر اربعہ، بادل، ہوا، بجلی، قوس قزح، دنیا کے مشہور سمندروں، سمندری جانوروں، زمین کے گولے، اقالیم سبعہ، پہاڑوں، دریاؤں، معدنیات، قیمتی پتھروں، پودوں اور درختوں، ان کے طبی فوائد، انسانی اعضاء اور جسمانی اجزاء کے مختلف امراض میں استعمال کے نسخوں، جانوروں، ان کے اعضاء اور جسمانی اجزاء کے مختلف طبی فوائد، شیاطین اور جنوں کا ذکر ہے۔ کتاب کی ساری معلومات سطحی، مجمل اور روایتی ہیں، سابقہ تالیفوں سے مستعار۔ قزوینی نے اپنی دوسری کتاب آثار البلاد و اخبار العباد ۱۲۷۵ء/۶۷۴ھ میں لکھی اور یہ بھی

گوتھین سے ۱۸۵۰ء میں طبع ہوئی۔ بطلیموسی جغرافیہ کے مطابق مؤلف نے دنیا کو سات اقلیموں میں بانٹا ہے اور اسلامی جغرافیہ کے مطابق ہر اقلیم میں بہت سی غیر جغرافیائی معلومات جمع کر دی ہیں جن کا بیشتر حصہ پچھلی تالیفوں سے ماخوذ ہے، کچھ بنا بنایا اور کچھ ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے ہندوستان اور سندھ کے بارے میں اس کی ساری تصریحات ماخوذ ہیں۔ کہیں صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں یا کہیں معلوماتی جزئیات زیادہ ہیں۔ یہ کتاب اب سے پندرہ سال پہلے ہم نے قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری میں دیکھی تھی اور اسی موقع پر اس سے ہندوستان کے متعلق اقتباس نقل کر لیے تھے۔ بعد میں تفصیلی مطالعہ کے لئے یہ کتاب ہمیں نہیں مل سکی، اس لیے اس کی تثمین و تقدیر پر ہم قادر نہیں ہیں۔

نخبۃ الدہر دمشقی۔

غالباً چودھویں صدی کے ربع اول میں لکھی گئی اور ۱۸۶۵ء میں پیٹرسبرگ سے دو سو پچاسی صفحات میں طبع ہوئی۔ کتاب میں نو باب ہیں اور ہر باب میں متعدد فصلیں جن میں زمین کی شکل، خط استوا، طول البلد و عرض البلد۔ اقالیم سبعہ، موسموں، قدیم اقوام کے مشہور معابد اور آثارِ قدیمہ، معادن، قیمتی پتھروں اور انکے اصناف، چھوٹے پہاڑوں اور ٹیلوں کے ظہور کے طبعی اسباب، بڑے دریا، چشمے اور بحیرے، سمندر، ان کے عرض و طول، عجائبات اور جانور، سواحلِ چین و ہند، اسلامی ریاستوں کے مشہور شہر، بعض قدیم اقوام کی مجمل تاریخ اور خصائص، فارسیوں، قبطیوں اور عیسائیوں کے تہوار، مہینوں اور سالوں کا ذکر ہے۔ کتاب کا سارا مواد ماخوذ اور روایتی ہے اور بیشتر حصہ بلا تقابلی مطالعہ، تحقیق اور ہضم کئے ہوئے پیش کر دیا گیا ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ لسانی غلطیوں کے علاوہ امکنہ و بقاع کے نام بہت بگڑے ہوئے ہیں، ہندوستان کے ساحلی شہروں، آس پاس کے جزیروں، خلیج بنگال، بحر سماترا، انڈوچائنا کے جزیروں اور ساحلی شہروں کا بیان خاص طور پر بے ترتیب اور الجھا ہوا ہے، مؤلف نے مشرقی سمندروں، جزیروں اور

اور ساحلی بستیوں کو ایک دوسرے سے گڈمڈ کر دیا ہے، امکنۂ بقاع اور سمندروں کی جائے وقوع اور حدود متعین کرنے میں بھی اس سے لغزش ہوئی ہے اور اس کا سبب غالباً ادریسی وغیرہ کے وہ پُرخطا نقشے ہیں جو اس کے پیش نظر تھے۔

مسالک الابصار عُمَری۔ (م ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء)

جغرافیہ تاریخ اور ادب پر نہایت وسیع الدائرہ کتاب ہے۔ اس کا فوٹو نسخہ قریب دس ہزار صفحات پر مشتمل مصر کی قومی لائبریری میں محفوظ ہے اور اسی سے ہم نے ہندوستان کے بارے میں اقتباس لئے ہیں۔ مسالک کا صرف پہلا حصہ ۱۹۲۴ء میں اور کچھ دوسرے اجزاء شمالی افریقہ، مغربی یورپ، ترکی اور چین سے متعلق مختلف اوقات میں چھپ چکے ہیں[۱]۔ ہندوستان والا حصہ محمد بن تغلق کی تاریخ اور پرانے ہندوستان کے رسوم و مذاہب کی جھلکیوں پر مشتمل تاریخ ہند پر نئی روشنی کے نام سے ندوۃ المصنفین دہلی کی طرف سے ۱۹۶۱ء میں طبع ہوا تھا۔ مسالک الابصار میں اقالیم سبعہ، سمندروں، جزائر، شاہراہوں، ہواؤں، خشکی و سمندر کے عجائب، مشہور شہروں (خاص طور پر شام، مصر اور حجاز کے) ہمعصر عربی قبائل کی رہائش گاہوں، سکوں، دنیا کی مشرقی و مغربی اقوام، ان کے مذاہب اور فرقوں، مسلمان اطباء، علماء اور فقہا کے سوانح، معدنیات، چرند پرند، نباتات، اسلام سے پہلے اور بعد کی مختلف اقوام بالخصوص چنگیزی مغلوں، ہندوستان کے محمد بن تغلق، ترکوں اور کُردوں کی ۷۴۴ھ/۱۳۴۳ء تک کی تاریخ کا مسوطہ کرتے تھے[۲]۔ مؤلف کی بیشتر معلومات کا سرچشمہ عہدِ سابق کی عربی کتابیں ہیں جن میں سے متعدد اس وقت نایاب ہیں اور ایک قلیل حصہ ہمعصر مغربی یورپ، شام، مصر اور ہندوستان کے محمد بن تغلق اور شمالی چین سے متعلق سیاحوں، سفیروں، سرکاری دستاویزات اور باخبر لوگوں سے ماخوذ ہے۔

---

[۱] کراتشکوفسکی ص ۴۱۳ - [۲] کراتشکوفسکی ص ۴۱۲ و جرجی زیدان ۲۲۷/۳ -

نہایۃ الاَرَب نُوَیری۔ بیس سال کی تسوید کے بعد ۷۳۰ھ/۱۳۳۰ء میں مکمل ہوئی اس کا نسخہ اکتیس[۳۱] جلدوں میں مصر کی قومی لائبریری میں محفوظ ہے اور ۱۹۶۲ء تک اس کے اٹھارہ[۱۸] حصے قاہرہ سے چھپ کر شائع ہوئے تھے۔ یہ کتاب مختلف الاقسام معلومات کا ذخیرہ ہے، خاص طور پر اسمیں ایسی معلومات ہیں جن سے اسلامی معاشرہ کے ایک وسیع المطالعہ ادیب اور معلم نیز دفتری محرر، سکریٹری اور وزیر کے لئے واقفیت ضروری تھی یا جو ارباب سیاست، امراء، سلاطین، درباریوں اور عیش پسندوں کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں۔ تقریباً نصف کتاب انبیاءؑ عرب، غیر عرب اور اسلامی خلفاء اور سلاطین کی مؤلف کی موت سے ایک سال پہلے یعنی ۷۳۱ھ/۱۳۳۱ء تک کی تاریخ پر مشتمل ہے جس کا مواد (سوائے معاصر تاریخ کے) سابقہ تاریخی مؤلفات سے لیا گیا ہے۔ کتاب میں ایک فصل جغرافیہ پر ہے جسمیں جغرافیائی مُفردات کی مجمل اور اصطلاحی تعریف یا تعبیر کی گئی ہے، اس سے متعلق کوئی آیت، حدیث یا اثر بیان کیا گیا ہے اور بکثرت عربی اشعار اور عربی لٹریچر میں اس کے استعمال کے نمونے پیش کئے ہیں۔ اس میں آسمان، سورج، چاند، دن، رات، موسموں، روشنی، اندھیرے، اقالیم سبعہ، سمندروں، بحرِ ہند اور اس کے جزیروں کا بھی ذکر ہے لیکن تقلیدی اور غیر تحقیقی۔ مؤلف نے بے چھان بین اپنے پیش رو مؤلفوں کی کتابوں سے عبارتیں نقل کر ڈالی ہیں۔ بحرِ ہند کے سمندروں اور جزائر کی جائے وقوع اور حدود متعین کرنے میں غلطیاں کی ہیں اور ایک علاقہ یا ساحل کے شہر دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دیئے ہیں۔ امکنہ اور بقاع کے ناموں کی شکل بالعموم بگڑی ہوئی ہے۔ اس فصل سے ہم نے گنگا سے وابستہ کچھ مذہبی رسوم کا ذکر لیا ہے جو غزنوی مورخ عُتبی سے مستعار ہے۔ کتاب میں ایک فصل خوشبودار پودوں اور درختوں کے بارے میں ہے[۱] اس سے ہم نے عودِ ہندی اور اس کی مختلف اقسام کی تفصیل لی ہے جو دسویں صدی کی ایک کتاب سے ماخوذ ہے۔ کتاب کا وہ حصہ قدر و قیمت کا حامل ہے جس کا تعلق مؤلف

---

[۱] کراچکوفسکی ص۴۱۰۔

کے عہد یا ماضی قریب کی تاریخ سے ہے۔

صبح الاعشیٰ قلقشندی۔

اٹھائیس انتیس سال کی تسوید کے بعد ۸۲۱ھ/۱۴۱۸ء میں مکمل ہوئی اور سات آٹھ سال تک طباعت کے مراحل طے کر کے ۱۹۲۰ء میں قاہرہ سے چودہ جلدوں میں شائع ہوئی۔ مولف کا ملوک سلاطین مصر کے دفتر مراسلت سے تعلق تھا، اس نے یہ کتاب اس دفتر کے عملے کے لئے لکھی اور اس میں وہ ساری معلومات و ہدایات جمع کر دیں جو اس کے خیال میں ایک سکریٹری کے لئے اپنے منصبی فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ کتاب میں قلم، دوات، املا، کاغذ، صرف و نحو، علم بیان و معانی و بدیع، انساب و قبائل، شعر، ادب، تاریخ جغرافیہ اور متفرقات سے لیکر جو بغیر کسی منطقی یا مضمونی ربط کے ابتدائی چار پانچ جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں ایسی فنی و اداری معلومات کا ذکر ہے جو کلی طور پر شاہی دفاتر اور فائلوں، رسمی تحریروں، ان کے لکھنے کے آداب، تقاضوں اور نمونوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ تقریباً نو جلدیں اس طرح کی معلومات سے پُر ہیں۔ مولف نے درجنوں کتابوں سے رجوع کر کے مفید مطلب مواد اپنی تالیف میں ضم کر لیا ہے، ان میں سے متعدد اب موجود نہیں یا ہماری دسترس سے باہر ہیں، اس طرح کی ایک کتاب سے ہندی مشک، عنبر اور صندل کے بارے میں مؤلف نے جو اقتباسات لئے ہیں ان کا ترجمہ ہم نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔

کشف الظنون حاجی خلیفہ۔

سترہویں صدی میں لکھی گئی اور تقریباً تیئس[1] برس تک لاطینی ترجمہ، تحقیق متن اور طباعت کی منزلوں سے گذر کر ۱۸۵۸ء میں لیبزک اور لامذن سے سات بڑی جلدوں میں طبع ہوئی[2] ۱۸۹۲ء میں مصر کبھی دو جلدوں میں اس کا ایک ایڈیشن نکلا اور وہی ہمارے پیش نظر ہے۔ کتاب میں ان تالیفات کے نام ہیں جو مولف کی تلاش یا

---

[1] کرینکو فسکی ص ۲۱۶ [2] جرجی زیدان ۳/۲۱۸ - ۲۱۹

مطالعہ کے دوران فراہم ہوئے تھے، ان کی تعداد ساڑھے چودہ ہزار کے قریب ہے۔ ان میں عربی تالیفات کے علاوہ جن کی اکثریت ہے فارسی اور ترکی کتابیں بھی شامل ہیں۔ مولف نے ہر مندرجہ کتاب کا نام دیکر اس کے مولف کا نام اور اگر معلوم ہو سکا تو اس کا سنہ وفات بھی بتایا ہے۔ جگہ جگہ اس نے کتابوں کے دیباچہ سے اقتباس لے کر ان کا مختصر تعارف کیا ہے۔ کتابوں کے علاوہ مولف نے ان علوم کے نام بھی ابجدی ترتیب سے دیئے ہیں جن سے ان کتابوں کا تعلق ہے، اس دوگانہ ابجدی ترتیب کے زیر اثر کتابوں کے نام عام ابجدی فہرست کے علاوہ علوم کے ضمن میں بھی مکرر قلمبند ہو گئے ہیں۔ مولف نے دیباچہ (۱) میں کشف الظنون لکھنے کا محرک یہ بتایا ہے کہ پہلے کبھی کتابوں کی فہرست مرتب کرنے کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی، معلوم نہیں یہ لکھتے وقت اسے ابن الندیم کی فہرست کیوں یاد نہیں رہی جو اس موضوع پر مشہور کتاب ہے۔ کشف الظنون میں ایسی درجنوں کتابوں کے نام چھوٹ گئے ہیں جن سے عربی لٹریچر کے عالم واقف ہیں یا جو گذشتہ ڈیڑھ سو برس میں یورپ اور شرق اوسط میں چھپ چکی ہیں، انہی میں ابن الندیم کی فہرست بھی داخل ہے۔

خورشید احمد فارق

دسمبر ۱۹۷۱ء

ہندوؤں کا تعارف

جاحظ[1] (متوفی ۲۵۵ھ / ۸۶۸ء):-

نجوم اور حساب میں ہندو پیش پیش ہیں، وہ ہندی خط کے موجد ہیں، فنِ طب میں امتیازی شان رکھتے ہیں، طب کے رموز سے واقف ہیں، بگڑے ہوئے مُزمن امراض کا خوب علاج کرتے ہیں۔ مورتیاں تراشنے اور رنگوں کے ذریعے تصویر کشی میں بھی جس کے نمونے محرابوں میں نظر آتے ہیں، اُن کو مہارت ہے، شطرنج جو سب سے اعلیٰ کھیل ہے اور جس میں ہر کھیل سے زیادہ عقل لڑانا پڑتی ہے ان کی ایجاد ہے، وہ عمدہ اسٹیل کی تلواریں بناتے ہیں جو زنگ آلود نہیں ہوتیں، تلوار کے کھیل اور کرتب دکھانے میں ان کی نظیر نہیں ملتی، جنگ میں تلوار بازی کے خوب جوہر دکھاتے ہیں، زہر اتارنے کے کامیاب منتر ان کو آتے ہیں اور مختلف قسم کے درد جھاڑ پھونک کے ذریعہ دور کر دیتے ہیں، ان کے گانے دل پسند ہیں، اُن کے ہاں کھوکلہ (کنکلہ) نامی یکتار ساز ہے جو کدو پر چڑھا ہوتا ہے، ان کا دوسرا ساز جھانجھ ہے، ان کے یہاں مختلف قسم کے ناچ اور بھر کنے کے فن بھی رائج ہیں، تلوار بازی کے وقت خاص طور پر ان کی مہارت قابلِ دید ہوتی ہے، تیر اندازی[2] کے مقابلہ میں ان کو کمال حاصل ہے۔ وہ جادو کرتے ہیں، دھوتی رکھتے ہیں اور دم سادھ لیتے ہیں، ان کے خط میں بہت سی زبانوں کے حرف موجود ہیں اور بہت سے رسم الخط ان کے ملک میں رائج ہیں۔ ان کے لٹریچر کا کافی بڑا حصہ شعر

[1] رسائل الجاحظ، مصر ص ۸۱۔ [2] اصل میں [illegible] ہے جسے ہم نے [illegible] کی تحریف قرار دیا ہے۔

اور طول طویل خطبوں پر مشتمل ہے ، فلسفہ اور ادب پر وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ کلیلہ[1] و دِمنہ کی تالیف کا سہرا ان ہی کے سر ہے ، اصابتِ رائے اور شجاعت سے متصف ہیں ، چینیوں میں اتنے اچھے عادات و اطوار نہیں پائے جاتے جتنے ان میں موجود ہیں مثلاً دتون کرنا ، چوٹی گوندھنا ، پیٹھ اور پیروں کو سلیقے کے ساتھ باندھ کر اکڑوں بیٹھنا ، مانگ نکالنا ، خضاب لگانا ، ان میں حسن ، ملاحت اور جسمانی تناسب بھی پایا جاتا ہے ۔ ان کا پسینہ خوشبودار ہوتا ہے ، ان کی عورتیں صوری و معنوی محاسن کے لئے بطورِ مثال پیش کی جاتی ہیں ، ہندوؤں کے ملک ہی سے سلاطین کے محلوں میں وہ صندل آتا ہے جس کی نظیر نہیں ہوتی ، وہی دھیان گیان کا سرچشمہ ہیں اور ایسے منتروں کے موجد جن سے زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے ۔ نجومی حساب دوسری قوموں نے انہی سے سیکھا ہے ، آدم علیہ السلام جنت سے انہی کے ملک[2] میں اتارے گئے تھے ۔

کالی اقوام کے خصائص میں خوش خلقی اور عمدہ آواز بھی شامل ہے اور یہ صفات گانوں میں پائی جاتی ہیں بشرطیکہ ان کا تعلق سندھ سے ہو ۔ غلاموں میں ہندی یا سندھی غلاموں سے بہتر باورچی نہیں ہوتے ، ان کو ہر قسم کے کھانے پکانے کا قدرتی سلیقہ ہوتا ہے ۔ ایک اور خصوصیت ان کی یہ ہے کہ ساہوکار اور صراف سندھیوں ہی کو اپنا منیم اور خزانچی بناتے ہیں کیوں کہ ایمانداری کے ساتھ ساتھ ان کو کاروبارِ زر سنبھالنے اور حساب سمجھنے کی بھی مہارت ہوتی ہے ۔ شاید ہی کوئی صراف ایسا ہوگا جس کے منیم اور خزانچی یونانی یا فارسی ہوں ، تجارتی حلقوں میں سندھی بڑے مبارک سمجھے جاتے ہیں ، بصرہ

---

[1] اصل میں "وطب" فی الفلسفہ والادب ہے "جو" "وکتب" کی تحریف معلوم ہوتی ہے ۔ [2] یہ کتاب سنسکرت سے قدیم فارسی میں اور پھر آٹھویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عربی میں منتقل ہوئی ، اس کا مقصد حکمرانوں کی سیرت اور کردار کی اصلاح اور ان میں شاہی منصب کے شایانِ شان صفات پیدا کرنا تھا ، عباسی سکریٹریٹ اور حکمران طبقہ میں بہت مقبول ہوئی ۔ حفظ کی آسانی کے لیے اسے کئی بار نظم بھی کیا گیا ۔

[3] مشہور اور متداول رائے یہ ہے کہ آدم لنکا میں اترے تھے ۔

کے تاجر اور بربہار[1] کے بیوپاریوں نے جب دیکھا کہ فرج ابوروح سندھی[2] نے اپنے مالک کی تجارت کو غیر معمولی فروغ دے کر خوب دولت جمع کر لی ہے اور بہت سی جائدادیں خرید لی ہیں۔ تو ان میں سے ہر ایک نے سندھی غلام خرید لئے۔

یعقوبی[3] (متوفی ۸۹۷ء / ۲۸۴ھ) :-

فلسفہ اور غور و خوض ہندوؤں کا طرۂ امتیاز ہے، ہر حکمت اور دانائی میں وہ دوسری قوموں سے بازی لے گئے ہیں۔ نجوم میں ان کے نظریات سب سے زیادہ صحیح ہیں، اس موضوع پر ان کی ایک مہتم بالشان کتاب سدہانت[4] (سندھ ہند) ہے جس سے ہر وہ علم مستنبط ہوا ہے جس سے یونانیوں، فارسیوں اور دوسری متمدن اقوام کے علماء نے دلچسپی لی ہے، طب میں ان کی آراء نہایت دقیع ہیں ......

مسعودی[5] (متوفی ۹۵۶ء / ۳۴۵ھ) :-

ہندوؤں کا مرتبہ عقل، سیاست، دانش، رنگ و روپ، صفات، صحتِ مزاج، صفائی ذہن اور دقتِ نظر میں سیاہ فام، گندم گوں اور دوسری تمام قوموں سے بلند تر ہے۔

---

[1] بروزن نوبہار، بھار سنسکرت میں اتنے بوجھ کو کہتے ہیں جو ایک بیل اٹھا سکے (کتاب الہند بیرونی ص ۴۷) بربہار سے مراد وہ سامان ہے جو بیلوں پر ڈھویا جاتا تھا اور پھر سمندری یا خشکی کے تجارتی قافلوں کے ذریعہ ہندوستان و سندھ سے عراق اور دوسرے اسلامی ملکوں کو برآمد کیا جاتا تھا۔ اس میں زیادہ تر دوائیں جڑی بوٹیاں قیمتی خوشبودار اشیا اور بڑھیا سامان ہوتا تھا۔ دسویں صدی عیسوی کا سیاح اور جغرافیہ نویس مقدسی لکھتا ہے (احسن التقاسیم لائڈن ص ۴۶۳) کہ کرمان کا ضلع نرماسیر بربہار کا ایک تجارتی مرکز تھا جہاں یہ سامان ہندوستان سے لا کر جمع کیا جاتا تھا اور پھر دوسرے علاقوں کو دساور کیا جاتا تھا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھو تاج العروس مادہ بہر و سمعانی گب میموریل سیریز لندن ۱/۱ و برہان ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء مضمون ڈاکٹر ابو نصر محمد خالدی ص ۱۴۱-۱۴۲۔ [2] محمد بن سگن (بروزن قلم) نامی بصرہ کے ایک مدرس کا زر خرید غلام تھا۔ [3] تاریخ (نجف ایڈیشن) ۱/۴، ۵۔ [4] فلکیات اور نجومی حساب پر ہندوؤں کی مشہور اور مستند تصنیف۔ [5] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر مصر ۱/۱۱۳۔

بیرونی[1] (متوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) :-

ہندوؤں کا خیال ہے کہ ان کے ملک سے بہتر نہ تو کوئی ملک ہے، نہ انکی قوم سے بہتر کوئی اور قوم، نہ ان کے بادشاہوں سے افضل کوئی بادشاہ، دین و مذہب ہے تو ان کا، علوم و آداب ہیں تو ان کے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے ان لوگوں میں تعلّی، رعونت اور خود پسندی پیدا ہو گئی ہے اور ان کی علمی ترقی رک گئی ہے۔ علم کے معاملہ میں یہ لوگ بہت بخیل واقع ہوتے ہیں، غیر ہندو تو درکنار خود اپنی قوم کے ایسے افراد سے جن کو یہ نااہل سمجھتے ہیں علمی باتیں اور حقائق چھپاتے ہیں، علاوہ بریں ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا میں ان کے شہروں کے علاوہ اور شہر اور ان کے باشندوں کے علاوہ اور بھی باشندے ہیں اور ان کے ماسوا دوسری قوموں میں بھی علوم و فنون ہیں، اس معاملہ میں ان کا غلو اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اگر ان سے خراسان و فارس کے علوم یا علما کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ مخبر کو جاہل تصور کرتے ہیں اور مذکورہ بالا کمزوری کی وجہ سے ہرگز اس کو سچا نہیں مانتے، اگر یہ لوگ سفر کریں اور دوسرے ملکوں کے علماء سے ملیں جلیں تو یقیناً ان کو اپنی رائے بدلنا پڑے۔ بایں ہمہ ان کے اسلاف اس درجہ بے خبر نہ تھے، براہمہر[2] ان کا بلند پایہ فاضل جہاں برہمنوں کی تعظیم کا حکم دیتا ہے وہاں یہ بھی کہتا ہے کہ یونانی باوجود ملیچھ (ناپاک) ہونے کے چونکہ علوم میں دوسری قوموں سے بڑھ گئے ہیں اس لئے ان کی بھی تعظیم واجب ہے .... ہندوؤں کے اسلاف یہ بات مانتے تھے کہ یونانیوں کے علوم کا پایہ ان کے علوم سے بلند تر ہے۔

قاضی صاعد اندلسی[3] (متوفی ۴۶۲ھ/۱۰۷۰ء) :-

اُن قدیم اقوام میں جنھوں نے علوم سے دلچسپی لی ہندو سب سے پہلی قوم ہیں، اُن کی بہت بڑی آبادی ہے، ان کے پاس دولت و وسائل کی بہتات ہے اور ان کی شاندار حکومتیں ہیں، ساری پچھلی

---

[1] کتاب الہند، اڈیٹر ایڈورڈ سخاؤ، لندن ۱۸۸۷ء ص ۱۱ [2] وراہمیہرا (Varahamihira) راجہ وکرمادیت کے دربار کا ایک ممتاز ہیئت داں (متوفی ۵۸۷ء) اور مصنف بریہت سنگھتا (Brihat Samhita) [3] طبقات الامم مصر ص ۱۳-۱۵ -

قوموں نے ان کے فلسفہ اور دانش کا اعتراف کیا ہے! اور سارے علوم میں ان کی امتیازی حیثیت تسلیم کی ہے، سلاطینِ چین کہا کرتے تھے کہ دنیا میں پانچ بڑے بادشاہ ہیں جن کے باقی سارے حکمران تابع اور ماتحت ہیں: شاہِ چین، شاہِ ہند، شاہِ ترک، شاہِ فارس اور شاہِ روم، وہ شاہ چین کو عوام کا بادشاہ کہتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ چینی ہر قوم سے زیادہ اپنی حکومت کے فرمانبردار ہوتے ہیں اور ہر قوم سے زیادہ ملک کے قانون اور ضابطوں کا احترام کرتے ہیں، چینی، ہندوؤں کی علوم سے بڑی ہوتی دل چسپی اور سارے فنون میں ان کی فوقیت کی وجہ سے شاہِ ہند کو شاہِ دانش (ملک الحکمۃ) کہتے تھے اور ترکوں کی غیر معمولی شجاعت کے باعث شاہِ ترک کو شاہِ درندگان (ملک السباع) اور شاہِ فارس کو شاہنشاہ کیونکہ اس کی حکومت شاندار، پُرشکوہ اور بلند پایہ تھی اور وسطِ عالم کے کئی بادشاہ اس کے ماتحت اور بستی دنیا کے بہترین علاقے اس کے زیرِ نگیں تھے۔ سلاطینِ چین، قیصرِ روم کو شاہِ مرداں (ملک الرجال) کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے چہرے نہایت حسین اور جسم نہایت دل کش تھے[1]۔

ہندوستان ہر زمانہ میں دنیا کی تمام اقوام کے نزدیک حکمت و دانائی کی کان، انصاف اور حسنِ سیاست کا گہوارہ، غالب عقل اور صائب رائے داناؤں، سمجھ بوجھ سے بھرپور کہانتوں اور عجیب و غریب علمی نتائج اور نُکاتِ[2] کا سرچشمہ رہا ہے۔ ہندو سانولا ہونے کے باعث اگرچہ کالی اقوام میں داخل ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا نے ان کو کالی قوموں کے اخلاقی عیوب، سفلہ پن اور سبک سری سے محفوظ رکھا ہے اور ان کو بہت سے گندمی اور سفید قوموں پر فضیلت عطا کی ہے۔ ستارہ شناس علماء کے ایک اسکول کی رائے ہے کہ سرزمینِ ہند کے طبعی حالات پر زُحل اور عُطارِد کا عمل دخل ہے، زُحل کے زیرِ اثر اگر ایک طرف ہندوؤں کا رنگ کالا ہو گیا ہے تو دوسری طرف عُطارِد کے زیرِ اثر ان کی عقلیں صاف اور ذہن تیز ہو گئے ہیں اور زُحل و عُطارِد کے مشترکہ عمل سے

---

[1] متن میں واشد ھم اشراً بالشین المعجمۃ ہے جبکہ ہم نے أسراً بالسین المهملة قرار دیکر ترجمہ کیا ہے [2] متن کا والاٰئف العجیبۃ، واللطائف کی تحریف ہے۔

ان میں صحت نظر اور فکری گہرائی پیدا ہوگئی ہے، اس روشنی عقل اور کھرے کھوٹے میں تمیز کے باعث وہ تمام کالی اور حبشی قوموں سے ممتاز ہوگئے ہیں اور انہی صفات کی بدولت کوئی قوم حساب اور اقلیدس میں ان کو نہیں پکڑ سکی[1] اور انہی کی بدولت ہیئت کے رموز، نجومی مسائل اور سارے ریاضی علوم میں انہیں غیر معمولی دستگاہ حاصل ہے، اس کے علاوہ فن طب میں وہ جتنے ماہر ہوتے ہیں اور دواؤں کی خاصیت اور موجودات کے مزاج کا ان کو جتنا گہرا اور جامع علم ہے، اس میں کوئی دوسری قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ...... ان کے بادشاہ عمدہ سیرت اور اعلیٰ اطوار کے حامل ہوتے ہیں، اور بڑی سمجھ بوجھ سے حکومت کرتے ہیں۔ خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک اور ہمسر نہیں[2]

خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ

بیرونی[3] :-

خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ یکتا ہے، ازلی ہے، اس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اپنے کاموں میں پوری طرح خود مختار ہے اور ان کے انجام دینے پر ہر طرح قادر، اس کا ہر کام حکمت و دانائی پر مبنی ہے، خود زندہ ہے اور زندگی عطا بھی کرتا ہے۔ مدبر کائنات ہے ہر شئے کی بقاء کا مدار اسی پر ہے، اس کی بادشاہت میں کوئی اس کا حریف نہیں، وہ نہ تو خود کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس بیان کی توثیق کے لئے ہم ہندوؤں کی کتابوں سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں:

---

[1] متن میں فلهذا التحقوا بعلم العدد ہے، ہم نے التحقوا کو لم يلحقوا کی تحریف سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ [2] قفطی نے کتاب الحکار (۲۶۵ - ۲۶۷) اور حاجی خلیفہ نے کشف الظنون (۱/۲۲) میں بھی قدیم ہندوؤں کے بارے میں تعارفی نوٹ دیئے ہیں لیکن وہ لفظ بلفظ قاضی صاعد کی طبقات الامم سے مستعار ہیں اور بلا اعتراف مماخذ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ [3] کتاب الہند ص۱۳-۱۵۔

کتاب پتنجلی[1] میں سائل پوچھتا ہے : وہ معبود کون ہے جس کی عبادت سے کامیابی کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہوتی ہے ؟

مجیب : یہ وہ معبود ہے جو اپنی ازلیت اور وحدانیت کے باعث ایسے افعال کرنے سے بے نیاز ہے جن کے بدلہ میں کسی فائدہ کی امید یا نقصان سے بچنے کی توقع کی جائے ، اس معبود کے ساتھ ایسے خیالات وابستہ نہیں کئے جا سکتے جو مخلوقات کے لئے مخصوص ہیں ۔ کیونکہ اس کا نہ کوئی اچھا ہمسر ہے نہ برا ، وہ ازل سے ابد تک عالم بالذات ہے ، اس کے بارے میں کسی وقت اور کسی حالت میں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کسی بات سے واقف نہیں ۔

سائل : کیا ان صفات کے علاوہ اور صفات بھی پائی جاتی ہیں ؟

مجیب : وہ علوئے تام ہے جو کوئی جگہ نہیں گھیرتا ، وہ خیر محض ہے جس کا شوق ہر دل میں اور جس کی تڑپ ہر روح میں موجود ہے ، اس کا علم سہو کی کثافت وجہالت کی نجاست سے پاک صاف ہے ۔

سائل : وہ متکلم ہے کہ نہیں ؟

مجیب : جب وہ عالم ہے تو متکلم بھی ضرور ہے ۔

سائل : اگر وہ اپنے علم کی وجہ سے متکلم ہے تو اس کے اور ان داناؤں کے درمیان کیا فرق ہے جو اپنے علم کی مدد سے بولتے ہیں اور کلام کے ذریعہ دوسروں تک اپنا علم منتقل کرتے ہیں ؟

مجیب : اس کے اور داناؤں کے علم کے درمیان وقت و زمان کا فرق ہے ، داناؤں پر جاننے اور بولنے سے پہلے ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب وہ عالم اور متکلم نہیں تھے ، اس لئے ان کا علم اور ان کے علم کی افادیت مقید بزمان ہے ، خدا کا علم اور کلام اس طرح مقید نہیں ، اس لئے خدا ازل ہی سے عالم اور متکلم ہوا ، یہ وہ معبود ہے جس نے برہما اور دوسرے پرانے داناؤں سے مختلف طریقوں سے کلام کیا تھا ، ان میں سے کسی کو کتاب دی اور کسی کو دوسرے طریقہ سے علم عطا کیا اور کسی پر وحی

---

[1] پتنجلی دوسری صدی قبل مسیح کا ایک مصنف بتایا جاتا ہے جس نے فلسفہ یوگا پر یوگا سُتر نامی کتاب لکھی تھی ، اور اس فلسفہ کو نجات کا ذریعہ قرار دیا تھا ، بجلی سے یہاں یہی کتاب مراد ہے ۔

نازل کی ۔

سائل : جو محسوس نہیں ہو سکتا اس عبادت کیونکر ہو سکتی ہے ؟

مجیب : اس کا صاحب نام ہونا ہی اس کے وجود کو ثابت کرتا ہے کیونکہ خبر بغیر مبتدا اور اسم بغیر مسمیٰ کے نہیں ہو سکتا، اگرچہ حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے تاہم روح اس کو سمجھتی ہے اور دھیان سے اس کی صفات کا احاطہ ممکن ہے، یہی دھیان صحیح معنی میں اس کی عبادت ہے اور اس دھیان کو ہمیشہ جاری رکھنے سے ہی حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے ۔

ہندوؤں کی کتاب گیتا میں جو مہابھارت کا ایک حصہ ہے واسودیو[1] (باسدیو) ارجن سے کہتا ہے : بلاشبہ میں وہ کل ہوں جس کی نہ تو ولادت کے ذریعہ ابتدا ہوئی ہے اور نہ وفات کے ذریعہ جس کا خاتمہ ہوگا، میں بدلہ یا مکافات کی خاطر کوئی کام نہیں کرتا، میں دوستی یا دشمنی کی بنا پر ایک طبقہ یا گروہ کے مقابلہ میں کسی دوسرے طبقہ یا گروہ سے کوئی خصوصی تعلق نہیں رکھتا، میں نے اپنی ہر مخلوق کو وہ صلاحیتیں دے رکھی ہیں جن کی اس کو ضرورت ہے، جو شخص مجھے ان صفات سے متصف کر کے میرا دھیان کرتا ہے اور میری طرح ذاتی نفسانیت کو اپنے افعال سے دور رکھتا ہے اس کی بندشیں کھل جاتی ہیں اور اس کی نجات اور مکتی آسان ہو جاتی ہے ۔

واسودیو نے گیتا میں دوسری جگہ کہا ہے : اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ کسی مصیبت یا مشکل کے وقت خدا سے لو لگا لیتے ہیں، لیکن اگر تحقیق کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ گیان اور معرفت سے کوسوں دور ہیں، وجہ یہ ہے کہ خدا کو حواس کے ذریعہ محسوس نہیں کیا جا سکتا، اس لئے لوگ اس سے بیخبر رہتے ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو خدا کو محسوسات کے ذریعہ سمجھتے ہیں اور کچھ محسوسات سے بڑھ کر معلومات

---

[1] واسودیو سے کرشن مراد ہے، ہندو ما ئتھالوجی کا سب سے مشہور اور محبوب دیوتا ۔ ڈکشنری آف ہندو مائتھالوجی، ڈاوسن ص۱۶۰ ۔ [2] بریکٹ میں وہ اسماء ہیں جنہیں بیرونی نے سنسکرت سے عربی کا جامہ پہنا کر قلمبند کیا ہے، بریکٹ سے پہلے ان اسماء کی وہ شکل ہے جسے کتاب الہند کے ایڈیٹر ایڈورڈ سخاؤ نے انڈکس میں سنسکرت تلفظ کے مطابق انگریزی حروف میں پیش کیا ہے ۔

پر ٹھہر جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ محسوسات و مطبوعات سے بالاتر ایک ذات ہے جس سے نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ جس کو کسی نے پیدا کیا ہے، جس کی کنہ اور حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی لیکن جو خود ہر چیز کا پورا اور ہمہ گیر علم رکھتا ہے۔

یہ ہے ہندو علماء کی رائے خدا کے بارے میں جس کو وہ اِیشور (ایشفر) کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی بے نیاز اور فیاض، جو دیتا ہے لیتا نہیں۔

رسول کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ

پیغمبروں :-

یونان کے لوگ ضابطے قاعدے اپنے فلاسفہ سے اخذ کرتے تھے جو قانون سازی پر مامور ہوتے تھے اور جن کی نسبت یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ ان کو تائیدِ الٰہی حاصل ہے، جیسے سولن (SOLON) دروقون (DRACO) اور فیثاغورس (PYTHAGORAS) ..... ضوابط و قوانین کے معاملہ میں ہندو یونانیوں سے ملتے جلتے ہیں، وہ شریعت اور ضوابطِ کردار رسول سے نہیں بلکہ رشیوں سے اخذ کرتے ہیں رسول کو وہ نارائن کہتے ہیں جو مبعوث ہوتے وقت انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے، رسول صرف ان خرابیوں کو دور کرنے آتا ہے جو دنیا میں پھیل جاتی ہیں یا اُن نقصانات سے بچانے کے لئے جن کی زد میں معاشرہ ہوتا ہے، ضابطے قاعدے بہر حال جوں کے توں رہتے ہیں، ان میں رسول کوئی تبدیلی نہیں کرتا، بنا بریں جہاں تک دین کے ضوابط اور اصول کا تعلق ہے ہندو رسولوں کے محتاج نہیں ہیں، رہا ہندو مذہب میں شریعت کے نسخ کا سوال تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسخِ شریعت کو خلافِ عقل نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ واسودیو (کرشن) کے آنے سے پہلے بہت سے کام مباح تھے جو بعد میں حرام کر دیئے گئے، ان مباح کاموں میں گائے کا گوشت بھی تھا، شریعت یا اس کے بعض ضوابط کے نسخ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے مزاج بدل جاتے ہیں اور ان میں مروجہ واجبات کا بوجھ اٹھانے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔

---

[۱] کتاب الہند صفحہ ۵۲۔

روح کے بارے میں ۔ ہندوؤں کا عقیدہ آواگون

بیرونی:۔

جس طرح کلمۂ اخلاص مسلمانوں کا، تثلیث عیسائیوں کا اور سبت یہودیوں کا دینی شعار ہے اسی طرح تناسخ (آواگون) کا عقیدہ ہندو مذہب کی امتیازی علامت ہے، جو شخص اس عقیدہ کا قائل نہیں وہ ہندو نہیں ہو سکتا، نہ ہندوؤں میں اس کا شمار ہو سکتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ روح جب تک "عاقل" نہیں ہو لیتی مطلوب کا دفعتہً پورا پورا ادراک نہیں کر سکتی۔ "عاقل" بننے تک وہ جزئیات کو دریافت کرنے اور ممکنات کو تلاش کرنے میں لگی رہتی ہے، یہ جزئیات و ممکنات اگرچہ لا متناہی نہیں ہوتے پھر بھی ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان پر حاوی ہونے کے لئے بہت طویل مدت درکار ہوتی ہے اور عاقل بننے یعنی مطلوبہ علم حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ روح اشخاص و جزئیات اور ان کے احوال و افعال کا مشاہدہ کرے اور ہر تجربہ سے تھوڑا تھوڑا نیا علم حاصل کرتی رہے لیکن چونکہ افعال مختلف الشکل ہوتے ہیں اور یہ عالم ایک بنیادی مقصد کے تحت وجود میں آیا ہے اس لئے اس بنیادی مقصد کے ہمیشہ تابع رہنے والی روحیں اچھا عمل ہو یا برا فانی جسموں میں آتی جاتی رہتی ہیں تاکہ اچھے عمل کے ثواب کے زیرِ اثر جسموں میں آنا جانا ان کو بھلائی کی زیادہ سے زیادہ سعی کی طرف مائل رکھے اور عذاب کے زیرِ اثر جسموں میں آنے جانے کی مصیبت سے نجات پانے کے لئے وہ برائی سے بچنے کی کوشش کرتی رہیں۔ روح کی آمد و رفت ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ہوتی ہے اس کے برعکس نہیں ہوتی کیونکہ اعلیٰ میں ادنیٰ اور اعلیٰ دونوں شامل ہوتے ہیں، دونوں درجوں میں اختلاف مراتب کا تقاضہ ہوتا ہے کہ دونوں کے عمل میں بھی فرق ہو اور یہی تناسخ یا آواگون ہے اور یہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک روح اور مادہ دونوں طرف سے اصل مقصود حاصل نہ ہو جائے مادہ کی طرف سے مقصود اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ مادہ میں جو صورت ہے وہ فنا ہو جائے، اس میں گیان اور علم حاصل ہو جانے سے اضطراب شوق باقی نہیں رہتا، اس کو اپنے قائم بالذات اپنے جوہر

لہ کتاب الہند صفحہ ۲۲-۲۵

کی شرافت نیز مادہ کے گھٹیا پن، اس کی صورتوں کی ناپائیداری اور اس کی لذتوں کے فریب کا یقین ہوجاتا ہے اس لئے وہ مادہ سے انحراف اختیار کرلیتی ہے، بندش کھل جاتی ہے، مادہ سے رابطہ ٹوٹ جاتا ہے اور روح اپنے معدن کی طرف سعادتِ علم سے متمتع ہوکر لوٹ جاتی ہے۔

جنّت وجہنّم

بیرونی :-

عالم ہستی کو لوک کہا جاتا ہے، اس کے تین حصے ہیں: اعلیٰ، اسفل اور اوسط، عالم اعلیٰ کو سفر لوک یا جنت کہتے ہیں، عالم اسفل کا نام ناگ لوک ہے یعنی سانپوں کی دنیا، یہ جہنم ہے۔ اس کا دوسرا نام نرلوک ہے اور کبھی اس کو پاتال کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، عالم اوسط جس میں ہم ہیں مدہ لوک (مادلوک) اور منش لوک یعنی انسانی دنیا کہلاتا ہے، یہ عالم کمانے اور کسب کے لئے ہے، عالم اعلیٰ ثواب کے لئے اور اسفل سزا کے لئے، عالم اعلیٰ اور اسفل میں وہ لوگ جو ثواب و عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ایک مقررہ مدت تک جو دنیا میں ان کی مدت عمل کے بقدر ہوتی ہے، رکھے جاتے ہیں اور پورا پورا ثواب یا عذاب پاتے ہیں، ان دونوں میں صرف روح رہتی ہے.....

ہندوؤں کی کتاب وشنو پران (بشن پران) میں جہنموں کی تعداد اٹھاسی ہزار بیان کی گئی ہے

جھوٹا دعویٰ کرنیوالا، جھوٹی گواہی دینے والا، ان دونوں کی معاونت کرنیوالا، لوگوں کا مذاق اڑانے والا، رَدرَو نامی جہنم میں جاتا ہے۔

ناحق خون کرنیوالا، حقوق غصب کرنیوالا، چھاپہ مارنے والا، گائے کی جان لینے والا، گلا گھونٹنے والا: رُدرَہ نامی جہنم میں جاتا ہے۔

برہمن کے قاتل، سونا چور اور اس کے ساتھی، رعایا کی دیکھ بھال نہ کرنیوالے حاکم، استاد کی بیوی سے زنا کرنیوالے، اپنی ساس سے ہمبستر ہونے والے کا ٹھکانا تَبَتْ کُنبہ (تبت کنب) نامی جہنم ہے۔

---

[1] کتاب الہند ص۲۹-۳۰

لالچ میں آکر اپنی بیوی کی بدچلنی پر چشم پوشی کرنیوالا، اپنی لڑکی یا لڑکے کی بیوی سے زنا کرنے والا، اولاد بیچنے والا، اپنے اوپر خرچ کرنے میں بخل کرنیوالا مہاجوال (مہاچال) میں جائے گا۔

اُستاد سے کٹ حجتی کرنیوالا اور اس سے ناخوش رہنے والا، لوگوں کی توہین کرنیوالا، جانوروں سے مباشرت کرنیوالا، ویداور پرانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے والا یا ان کے ذریعہ بازاروں میں روپیہ کمانیوالا شَبَل شُوَل (شوَل) میں جائے گا۔

چور، فریبی، عوام کے سیدھے راستے سے انحراف کرنیوالا، باپ سے نفرت کرنیوالا، خدا اور مخلوق خدا کو ناپسند کرنیوالا اور قیمتی جواہر کی قدر نہ کرنیوالا "کرمش" میں جائے گا۔

باپ دادا کے حقوق کا احترام اور دیوتاؤں کا ادب نہ کرنیوالا، تیر نیز ہتھیاروں کے پھل بنانے والا لالابھکش (لاربکش) میں جائے گا۔ تلوار اور چھری بنانے والا وِشَسن (دبشسن) میں جائے گا۔

حاکموں سے انعام کی لالچ میں اپنا مال چھپانے والا اور وہ برہمن جو گوشت، تیل، گھی، رنگ یا شراب بیچے، ادھومکھ (اذدمک) میں جائے گا۔

مرغیوں، بلیوں، بکریوں، سوّروں اور پرندوں کو موٹا کرنیوالے کا ٹھکانا رُدھیراند (ردھراند) ہے۔

بازاروں میں کھیل تماشہ کرنیوالا، گانے والا، فضلائے حاجت کے لئے گڑھے کھودنے والا متبرک ایام میں مباشرت کرنیوالا، گھروں میں آگ برسانے والا، ساتھی کو دھوکہ دینے والا اور اس کے مال کی لالچ میں اس کے ساتھ رہنے والے کا ٹھکانا رُودِھر (رُودر) ہے۔

چھتوں سے شہد نکالنے والا وَیترنی (ہیترن) رسید ہوگا۔

مال غصب کرنیوالا اور جوانی کے نشہ میں عورتوں کو اغوا کرنیوالے کا ٹھکانا کرن ہے۔

درخت کاٹنے والا اَسِپترون (اسپترن) میں، شکاری اور شکار کا جال بنانے والا وہنجوال (سہنجال) میں جائے گا۔

مقررہ رسوم سے لاپرواہی کرنیوالا اور مذہبی ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والا سب سے

بڑا مجرم ہے اور وہ سند مسک (سند نشک) کی سزا بھگتے گا۔

ان تفصیلات کو پیش کر کے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہندوؤں کے مذہب میں کیا باتیں ناپسندیدہ اور گناہ کے مترادف ہیں۔

دنیا سے نجات پانے کا طریقہ

بیرونی :-

چونکہ روح اس عالم میں مقید ہے اور چونکہ اس قید کے اسباب ہیں اس لئے قید سے نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ ان اسباب کے برعکس اسباب پیدا ہوں، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہندوؤں کی رائے میں قید کا سبب جہالت ہے، اس لئے اس کی نجات گیان (علم) ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ اس وقت ہو گا جب روح کو اشیاء کا کلی اور کامل علم ہو جائے اور شک وریب کے سارے پردے مرتفع ہو جائیں۔ روح پر جب موجودات کے حدود و امتیازات واضح ہو جاتے ہیں تو اس کو اپنی ذات کا صحیح شعور اور اپنی ابدیت سے متصف شرافت کا ادراک ہو جاتا ہے، اس پر مادہ کا گھٹیا پن جو اس کی صورت میں تغیر اور فنا پذیری کے باعث ہے، واضح ہو جاتا ہے، وہ مادہ سے تعلق توڑ لیتی ہے اور اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ جس چیز کو وہ خیر و لذت سمجھ رہی تھی وہ شر اور مصیبت تھی، اس طرح اس کو حقیقی گیان حاصل ہو جاتا ہے اور وہ مادہ سے منہ موڑ لیتی ہے۔[1]

پتنجلی کا مصنف لکھتا ہے: خدا کی وحدانیت کے دھیان میں کھو جانے سے انسان کو ایک نیا شعور حاصل ہوتا ہے، جو خدا کا طالب ہوتا ہے وہ بلا استثناء کل مخلوق کی بھلائی چاہتا ہے اور جو شخص صرف اپنی ذات میں الجھا رہتا ہے اس کو اپنی زندگی سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہونچتا، جو شخص خدا کے تصور میں کھو کر گیان حاصل کرے اس کی روحانی قوت جسمانی قوت پر غالب آجاتی ہے اور وہ ان آٹھ قوتوں کا مالک ہو جاتا ہے اور ہر حاجت سے بے نیاز۔

---

[1] کتاب الہند ص۳۳-۳۴

(۱) وہ بدن کو اتنا لطیف کر سکتا ہے کہ وہ آنکھوں سے چھپ جائے۔

(۲) بدن کو اتنا ہلکا کر سکتا ہے کہ اس کے لئے کانٹوں، دلدل اور مٹی پر چلنا یکساں طور پر آسان ہو جائے۔

(۳) اپنے جسم کو اتنا بڑھا سکتا ہے کہ دیکھنے والوں کو عجیب اور ہیبتناک نظر آئے۔

(۴) اپنے ہر ارادہ کو پورا کر سکتا ہے۔

(۵) جس بات کو جاننا چاہے جان سکتا ہے۔

(۶) اپنے ماتحتوں اور رعایا کو فرمانبردار رکھ سکتا ہے۔

(۷) دور دراز مسافت چشم زدن میں طے کر سکتا ہے۔

عمدہ کردار

بیرونی[1] :-

عمدہ کردار وہ ہے جس کے اصول دین کی طرف سے مقرر ہوں، ہندوؤں کے یہاں چھوٹے ضوابط دین کے علاوہ جو بہت ہیں، یہ نو بنیادی ضابطے ہیں :-

(۱) قتل نہ کرنا۔

(۲) جھوٹ نہ بولنا۔

(۳) چوری نہ کرنا۔

(۴) زنا نہ کرنا۔

(۵) مال و دولت جمع نہ کرنا۔

(۶) پاکی اور صفائی کا التزام کرنا۔

(۷) روزہ کا التزام رکھنا، نیز سادہ اور روکھی زندگی بسر کرنا۔

(۸) خدا کی عبادت اور اس کی تسبیح و تمجید میں لگا رہنا۔

(۹) ہر وقت دل میں اوم اوم (خدا) کی مالا جپنا۔

---

[1] کتاب الہند صفحہ ۳۶-۳۷

روزہ

بیرونیؒ :-

ہندوؤں کے مذہب میں روزے فرض نہیں بلکہ اختیاری ہیں اور نوافل کی حیثیت رکھتے ہیں روزہ کی حیثیت یہ ہے کہ ایک مقررہ مدت تک کھانے سے باز رہا جائے۔ شکل اور مدت کے اعتبار سے روزہ کی مختلف قسمیں ہیں :۔

متوسط درجے کے روزہ کی شکل یہ ہے کہ روزہ رکھنے والا روزہ کا دن مقرر کرے اور جس کی خاطر روزہ رکھنا چاہتا ہے خواہ وہ خدا ہو، خواہ فرشتہ (دیوتا) یا کوئی دوسری ہستی، اس کا خیال دل میں بسالے، روزہ سے ایک دن پہلے دوپہر کے وقت کھانا کھائے، دتون کرے اور اگلے دن کے روزہ کی نیت کرلے اور کھانے سے باز رہے، اگلے دن یعنی روزہ والی صبح کو دوبارہ دتون کرے، نہائے اور اس دن کی ذمہ داریاں انجام دے، ہاتھوں میں پانی لے کر چاروں طرف چھڑکے اور جس کی خاطر روزہ رکھا ہے اس کا نام زبان سے لیتا رہے اور اگلے دن صبح تک کچھ نہ کھائے، جب سورج طلوع ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے روزہ کھول لے، چاہے دوپہر تک رکا رہے، اتنی مدت تک کھانے سے اجتناب اُپواس (ادپ باس) یعنی روزہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ آج دوپہر سے کل دوپہر تک بھی کھانے سے پرہیز کرے تو اس کو روزہ نہیں ایکنکت (ایک نگد) کہتے ہیں۔

روزہ کی ایک قسم پِراک ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ تین دن مسلسل دوپہر کے وقت کھانا کھائے، پھر مسلسل تین دن تک رات کو کھانا کھائے، اس کے بعد تین دن مسلسل روزہ رکھے اور اس دوران کھانے سے مکمل اجتناب کرے۔

ہندوؤں کے ہاں ہر ماہ کے نصفِ اوّل کا آٹھواں اور گیارھواں دن بالعموم روزہ کا دن ہوتا ہے، لون کا مہینہ جو منحوس خیال کیا جاتا ہے مستثنیٰ ہے۔

روزہ کی ایک قسم چندرائن (چَندرایَن) ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پورے چاند کے دن روزہ

---

[1] کتاب الہند ص ۲۸۴-۲۸۵

رکھے، اگلے دن منہ بھر کر ایک لقمہ کھائے، دوسرے دن منہ بھر کر دو لقمے کھائے، تیسرے دن تین لقمے، اسی طرح بڑھتا جائے حتیٰ کہ اماوس کا دن آجائے، اس دن بھی روزہ رکھے، پھر ایک ایک لقمہ کم کرتا جائے یہاں تک کہ پورن ماشی تک کل لقمے ختم ہو جائیں۔

روزہ کی ایک قسم ماسواس ہے، یہ ایک ماہ کا مسلسل روزہ ہوتا ہے، ماسواس کے روز دل کا اگلے جنم میں ثواب ملتا ہے۔ ہر ماہ کے روزوں کے ثواب کی نوعیت مختلف ہوتی ہے:

اگر جیٹھ (جیتر) کے سارے مہینے روزے رکھے تو دولتمند ہو اور ہونہار اولاد کی خوشیاں دیکھے،
اگر بیساکھ (بیشاک) کے سارے مہینے روزے رکھے تو اپنے قبیلہ کا لیڈر بنے اور لشکر میں اس کی دھاک اور عزت بڑھے۔

اگر سارے چیت (جیرت) کے روزے رکھے تو عورتوں کا چہیتا بنے۔

اگر سارے اساڑھ (آشار) روزے رکھے تو دولتمند ہو۔

اگر سارے بھادوں (بھادرپت) روزے رکھے تو تندرستی، شجاعت، دولت اور مویشیوں سے مالامال ہو۔

اگر سارے کنوار (اشوج) روزے رکھے تو ہمیشہ دشمنوں پر فتحیاب ہو۔

اگر کاتک (کارتک) بھر روزے رکھے تو دھاک بڑھے اور مقاصد میں کامیابی حاصل کرے۔

اگر اگہن (منگھر) بھر روزے رکھے تو نہایت عمدہ اور شاداب ملک میں ولادت ہو۔

اگر پوس (پوش) بھر روزے رکھے تو اونچا خاندان پائے۔

اگر سارے ماگھ (ماگ) روزے رکھے تو شمار سے باہر دولت پائے۔

اگر پھاگن (پھالگن) بھر روزے رکھے تو ہر دلعزیز ہو۔

جو شخص سال بھر روزے رکھے اور اس اثنا میں صرف بارہ بار افطار کرے تو دس ہزار برس جنت میں قیام کرے اور پھر اس کا جنم معزز، اونچے اور اچھے خاندان میں ہو۔

حج (یاترا)

بیرونی :-

ہندوؤں کے مذہب میں حج فرض نہیں بلکہ ایک اختیاری اور فضیلت کا فعل ہے۔ حج کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مقدس مقام، عظمت مآب مورتی، یا پاک دریا کا سفر کرے، وہاں جاکر غسل کرے، مورتی کے سامنے حاضر ہو اور اس کو نذرانہ دے، خدا کی حمد و ثنا کرے اور اس سے دعائیں مشغول ہو، روزہ رکھے، برہمنوں اور مورتیوں کے پجاریوں، نیز دوسرے لوگوں کو خیرات دے، سر اور داڑھی منڈوائے پھر گھر لوٹ آئے۔

مقدس تالاب

ہندو ہر اس جگہ جس میں کوئی خوبی ہوتی ہے تالاب بنا لیتے ہیں اور وہاں اشنان کے لئے جاتے ہیں، تالاب بنانے کے فن میں ہندو بڑے ماہر ہیں، اس فن کو انہوں نے اتنی ترقی دی ہے کہ ہمارے ہم قوم جب ان کے بنائے ہوئے تالاب دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں اور ان جیسے تالاب بنانا تو درکنار، ان کے بناکردہ تالابوں کو بیان تک نہیں کر سکتے ......

ہندوؤں کے پاک مقدس تالاب کوہ میرو[2] کے آس پاس ٹھنڈے پہاڑوں پر واقع ہیں، باج پران اور مچ پران دونوں میں ہے کہ میرو پہاڑ کے دامن میں ارہٹ نامی ایک بہت بڑا حوض ہے جس کا پانی چاندی کی طرح صاف شفاف ہے، اس حوض سے ایک بے حد پاک دریا نکلتا ہے اور خالص سونے پر سے ہوکر گزرتا ہے۔

سوتا (شویت) پہاڑ پر اترانس (اوترانس) نامی تالاب ہے، اس کے گرد بارہ مزید حوض ہیں، ان میں سے ہر ایک ایک چھوٹے سمندر کے برابر ہے، ان حوضوں سے شاندی اور

---

[1] کتاب الہند ص۲۴۳-۲۴۵ [2] کوہ میرو سے مراد ہمالیہ پہاڑ ہے جو ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق دیوتاؤں کا مسکن ہے اور جس کے گرد سورج گردش کرتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس، نیویارک ۱۹۵۵ء، ۴/۱۳۱۔

ندی دریا نکل کر کمپرش (کبنرش) تک جاتے ہیں۔

نیل پہاڑ کے پاس پیوذ نامی تالاب ہے جس میں کنول پائے جاتے ہیں۔

نِشدَہ (نشد) پہاڑ کے پاس وِشنو پدٗ (بشن پد) نامی تالاب ہے، سرستی ندی اسی تالاب سے نکلتی ہے، ایک دوسری ندی گندھرد (گندھرب) کا سرچشمہ بھی یہی تالاب ہے۔

کیلاش پہاڑ پر مَندَ نامی ایک بڑا تالاب ہے، اس سے دریائے مَنداکنیٗ (منداکن) نکلتا ہے۔

کیلاش کے پورب دکھن کے درمیان لُوہت پہاڑ ہے جس کے دامن میں لُوہت نامی تالاب واقع ہے جس سے لوہت ندی نکلتی ہے۔

کیلاش کے دکن میں سرِ یوشند پہاڑ ہے جس کے دامن میں مانس ٗ نامی تالاب ہے، اس سے دریائے سرِیُو (سَرجُ) نکلتا ہے۔

کیلاش کے پچھم میں اَرُن پہاڑ ہے، جہاں ہمیشہ برف جمی رہتی ہے، اس پر چڑھنا ناممکن ہے، اس کی جڑ میں ایک تالاب ہے شیلودَ جس سے شیلو نامی دریا نکلتا ہے۔

کیلاش کے اتر میں گورُ پہاڑ ہے، اس کے دامن میں واقع تالاب کا نام دِندُسرس (بندسر) ہے اس لفظ کے معنی ہیں سونے کی ریت والا، اسی تالاب کے پاس راجہ بھگیرتھ (بھگیرت) نے تارک الدنیا ہو کر درویشی اختیار کی تھی۔

مشہور تیرتھ گاہیں

بارانسی

ہندوؤں کے متعدد مقامات ہیں جن کو مذہبًا مقدس سمجھا جاتا ہے ان میں سے ایک شہر بارانسی ہے، تارک الدنیا اور درویش قسم کے لوگ یہاں آکر بس جاتے ہیں جس طرح کعبہ کے عاشق کرمیں، ان کی تمنا ہوتی ہے کہ بارانسی میں ان کی جان نکلے تاکہ آخرت سنبھل جائے، ان کا خیال ہے کہ

لہ وشنو کا نقش پا۔ ٣ہ دریائے گنگا ٣ہ یہ تالاب تبت میں بتایا جاتا ہے۔

خون کرنیوالا اپنے جرم کی سزا پائے گا لیکن اگر وہ بارانسی چلا جائے تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

گرکشیتر (تانیشر)

دوسرا مقدس مقام تانیشر ہے، اس کو کرکشیستر (گرکیستر) کہتے ہیں یعنی کرُ کا علاقہ، کرُ ایک صالح، تارک الدنیا کسان تھا، وہ اپنی روحانی قوت سے حیرت انگیز کام کیا کرتا تھا، یہ علاقہ اسی کی طرف منسوب ہو کر مقدس ہو گیا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ مہابھارت کی لڑائی میں واسودیو (باسدیو) نے وہاں کارہائے نمایاں انجام دئے اور مفسدوں کا خاتمہ کیا، اس وجہ سے تانیشر کا مرتبہ بلند ہو گیا۔

متھرا (ماھورہ)

مقدس مقامات میں شہر متھرا بھی ہے جہاں بڑی تعداد میں برہمن موجود ہیں، اس کی تعظیم کا سبب یہ ہے کہ واسودیو (باسدیو) یہاں پیدا ہوا تھا اور اس کے قریب نندکول میں اس کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی، آج کل لوگ کشمیر کی یاترا کرتے ہیں، ملتان کا بت جب تک تباہ نہیں ہوا تھا ہندو اس کی زیارت کرنے جاتے تھے۔

واجب التعظیم مبارک اور منحوس دن

بیرونی :-

دنوں کو ایک دوسرے پر ان صفات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے جن سے وہ متصف ہوتے ہیں مثلاً ہندوؤں کے ہاں اتوار کو ہفتہ کا پہلا دن ہونے کے باعث وہی فضیلت حاصل جو جمعہ کو مسلمانوں میں ہے۔

ہندوؤں کے واجب التعظیم دنوں میں اَماوس (اواماس) اور پورنمہ کے دن ہیں، اماوس کو اس

لے کتاب الہند ۲۹۰-۲۹۴

وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ اس دن چاند کی روشنی بالکل ختم ہو جاتی ہے اور پورنمہ کو اس وجہ سے کہ وہ اپنی پوری آب و تاب پر ہوتا ہے، برہمن ثواب کی خاطر ہمیشہ آگ پر قربانیاں کرتے ہیں اور کھانے کی چیزوں میں سے جو حصہ فرشتوں کا آگ میں ڈالا جاتا ہے وہ اماوس سے پورنمہ کے دن تک چاند کے پاس جمع ہوتا رہتا ہے اور پورنمہ سے اماوس تک ان میں بانٹ دیا جاتا ہے۔

(۱) بیساکھ کی تیسری تاریخ جسے گشیر بتیا کہتے ہیں، اس دن کریتا جگ[1] (دورِ خیر و فلاح) کی ابتدا ہوئی تھی۔

(۲) کاتک کی نویں تاریخ، اس دن ترتیا جگ[2] (ترتیا جوگ) کی ابتدا ہوئی۔

(۳) ماگھ کی پندرھویں تاریخ، اس میں دواپر[3] کی ابتدا ہوئی۔

(۴) کنوار کی تیرھویں تاریخ، اس میں کل جگ[4] (دورِ نحوست و ابتلا) کی ابتدا ہوئی۔ سارے واجب التنظیم ایام میں خیر خیرات کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

مبارک اوقات

مبارک اور واجب التعظیم اوقات میں سورج گرہن اور چاند گرہن کے اوقات ہیں۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس وقت ساری دنیا کا پانی گنگا کے پانی کی طرح پاک ہو جاتا ہے، سورج اور چاند گرہن کی عظمت و فضیلت کا یہ حال ہے کہ بہت سے ویش اور شودر ثواب کی امید میں اس وقت خودکشی کر لیتے ہیں، برہمنوں اور چھتریوں کے لئے خودکشی کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے وہ ایسا نہیں کرتے وہ اوقات جن میں عملاً گرہن نہ ہو لیکن اصولاً ہو سکتا ہے، وہ بھی مرتبہ میں اوقات گرہن کے مماثل ہیں۔

---

[1] ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق دنیا کی چار عمروں میں سے پہلی عمر جو سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار برس کے بقدر تھی [2] دنیا کی دوسری عمر جو بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال کے بقدر تھی [3] دنیا کی تیسری عمر جو آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس تک چلی۔ [4] دنیا کی چوتھی یا موجودہ عمر جو چار لاکھ بتیس ہزار سال تک رہے گی، اس کی ابتدا تین ہزار ایک سو دو قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ ڈکشنری آف ہندو مائتھالوجی ڈاؤسن ص ۱۴۴، ۱۱۹، ۱۰۱

منحوس دن

(۱) تری ہسپک: اس کے معنی ہیں چاند کا ایک یوم طلوعی میں تین منزلوں میں داخل ہونا، ہندوؤں کی رائے میں ایسا دن منحوس ہوتا ہے، اس سے برا شگون لیا جاتا ہے اور اس دن خیر خیرات کی جاتی ہے۔

(۲) اُنارا تری (اُذرا تر) جب ایامِ طلوعی، ایامِ شمسی اور ایامِ قمری کے نقصان کی مجموعی مقدار ایک دن کے برابر ہو تو اس کو اُنارا تری (اُذرا تر) کہتے ہیں، یہ دن بھی منحوس خیال کیا جاتا ہے، اس میں بھی دان کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

(۳) چیت اور پوس کے نصف روشن اور نصف تاریک کا دوسرا دن۔

(۴) جیٹھ اور پھاگن کے ہر نصف کا چوتھا دن۔

(۵) ساون اور بیساکھ کے ہر نصف کا چھٹا دن۔

(۶) اساڑھ اور کنوار کے ہر نصف کا آٹھواں دن۔

(۷) ماگھ اور بھادوں کے ہر نصف کا دسواں دن۔

(۸) کاتک کے ہر نصف کا بارھواں دن۔

بعض منحوس اوقات جن میں خیر خیرات سے ثواب نہیں ملتا:۔

(۱) زلزلہ کا وقت، ہندو اس وقت کی نحوست ٹالنے کے لئے اپنے گھروں کے آبخورے زمین پر مار کر توڑ ڈالتے ہیں۔

(۲) زمین دھنسنے یا پہاڑ گرنے کا دھاکہ۔

(۳) ستارے ٹوٹنا۔

(۴) آسمان کا لال ہونا۔

(۵) بجلی گرنا۔

(۶) دُمدار ستاروں کا نکلنا۔

(۷) غیر معمولی حالات پیدا ہونا مثلاً جنگلی جانوروں کا بستیوں میں گھس پڑنا، بے وقت کی

بارش ہونا، درختوں میں بے وقت پتے نکلنا۔

تہوار

بیرونی:-

ہندوؤں کے بیشتر تہوار اور میلے عورتوں اور بچوں کے لئے ہوتے ہیں۔

چیت کی دوسری تاریخ کشمیریوں کا تہوار ہے، جسے اگدوس کہتے ہیں، یہ اس فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے جو شاہ کشمیر متادتی (مُتی) نے ترکوں کو شکست دے کر حاصل کی تھی، ہندوؤں کا خیال ہے کہ متادتی (مُتی) سارے عالم کا بادشاہ تھا، ہندو اپنے اکثر راجاؤں کو ساری دنیا کا بادشاہ قرار دیتے ہیں.....

چیت کی گیارھویں کے تہوار کا نام چیت ہنڈولی ہے، اس دن واسُودیو (باسدیو) کے مندر میں جمع ہو کر اس کی مورتی کو جھولا جھلاتے ہیں اور اسی طرح سادن گھروں میں اس کی مورتی کو جھولا جھلایا جاتا ہے اور خوشی منائی جاتی ہے۔

چیت کے پورے چاند کے دن کا نام بہند ہے، یہ عورتوں کا تہوار ہے، اس دن وہ خوب سنگھار کر کے شوہروں سے تحفوں کی فرمائش کرتی ہیں۔

چیت کی بائیسویں تاریخ کا نام جیتر چشت (جیتر جست) ہے، یہ تہوار بھگوتی (بھگبت) کے نام پر منایا جاتا ہے، اس روز اشنان کر کے ہندو خیرات کرتے ہیں۔

تیسری بیساکھ عورتوں کا تہوار ہے، اس کو گورتر کہتے ہیں۔ گور ہمالہ کی بیٹی کا نام تھا جو مہادیو کی بیوی تھی، اس دن عورتیں اشنان کر کے سنگھار کرتی ہیں اور گور کی مورتی کو سجدہ کرتی ہیں، اس کے سامنے چراغ جلاتی ہیں اور اس کو خوشبو بھینٹ کرتی ہیں، اس دن کھانا نہیں کھاتیں اور جھولا جھولتی ہیں، دوسرے دن صبح کو خیرات کر کے کھانا کھاتی ہیں۔

---

[۱] کتاب الہند ۲۸۷-۲۸۹
[۲] کرشن کا دوسرا نام۔
[۳] مہادیو شیو کا دوسرا نام ہے اور یہ ہندوؤں کا سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا ہے۔

دسویں جیاکھ کو وہ برہمن جن کو راجہ طلب کرتے ہیں کھلے میدانوں میں جاتے ہیں اور پانچ دن پورے چاند تک قربانی کے لیے سو مختلف جگہوں پر آگ جلاتے ہیں، ہر چار آگیں الگ الگ جگہوں پر ایک ایک برہمن کی زیرِ نگرانی جلائی جاتی ہے۔ یہ اس لئے تاکہ ان کی تعداد دیدوں کے برابر ہو جائے سولھویں دن برہمن گھر لوٹ آتے ہیں۔

اسی مہینہ میں استوائے ربیعی ہوتا ہے، جسے بسنت کہتے ہیں، حساب سے اس دن کو دریافت کرکے تہوار مناتے ہیں اور برہمنوں کی ضیافت کرتے ہیں۔

دیوالی

یکم کاتک کو جب چاند اور سورج برج میزان میں یکجا ہوتے ہیں تو دیوالی منائی جاتی ہے، اس دن ہندو اشنان کرکے اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور ایک دوسرے کو پان اور سپاری کے تحفے دیتے ہیں اور سوار ہو کر خیر خیرات کرنے مندروں کو جاتے ہیں اور دوپہر تک کھیلتے کودتے اور خوشیاں مناتے ہیں، رات کو اس کثرت سے ہر جگہ چراغ جلاتے ہیں کہ ساری فضا منور ہو جاتی ہے، اس تہوار کا سبب یہ ہے کہ ہر سال آج کے دن واسو دیو (باسدیو) کی بیوی لکشمی راجہ بیرو جن (Virochana) کے لڑکے بل کو جو ساتویں زمین میں قید ہے، آزاد کرتی ہے اور دنیا میں نکال لاتی ہے، اس لئے اس دن کو بلراج کہتے ہیں یعنی بل کی حکومت، ہندوؤں کا خیال ہے کہ بل کرتیا جگ یعنی خیر و فلاح کے دور میں تھا اور وہ اس لئے خوشیاں مناتے ہیں کہ آج کا دن اس کے آنے سے کرتیا جگ کے مشابہ ہو گیا ہے۔

ہندوؤں کی مشہور مذہبی اور اخلاقی کتابیں

وید خدا کا کلام

بیرونی :-

ے کتاب الہند ص ۹۰-۹۴

وید کے معنی ہیں نامعلوم کو جاننا، ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے جو برہما کی زبان سے نکلا ہے۔ برہمن بغیر معنی اور مطلب سمجھے وید کی تلاوت کرتے ہیں، اور اسی طرح بے سمجھے اس کی تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں، بہت کم لوگ وید کی تفسیر جانتے ہیں اور ایسے اور بھی کم ہیں جو اس کے معنی و مطالب سمجھنے میں بحث و استدلال یا مناظرہ کے اصولوں سے کام لیتے ہوں۔

برہمن چھتری کو وید کی تعلیم دیتے ہیں لیکن چھتری کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کسی کو حتیٰ کہ برہمن تک کو اس کی تعلیم دے، ویش اور شودر کے لئے وید سننا تک جائز نہیں، وید میں اوامر و نواہی نیز ترغیبی اور ترہیبی مضامین پائے جاتے ہیں، اس کا بیشتر حصہ تسبیحی اور آگ پر ہونے والی بے شمار قربانیوں کی تفصیلات پر مشتمل ہے ...... ہندو وید کا لکھنا جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وید کی تلاوت لحن اور ترنم کے ساتھ کی جاتی ہے اور قلم ترنم کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔ نیز اس سے عبارت میں کمی بیشی بھی ہو جاتی ہے۔

سمرتی[2]

اس میں اوامر و نواہی سے متعلق ایسے ضابطے ہیں، جنہیں برہما (Brahma) کے بیٹوں نے وید سے مستنبط کیا تھا۔

پُرانیں

پُران قدیم کے ہم معنی ہے، پرانیں تعداد میں اٹھارہ ہیں، ان میں سے بیشتر جانوروں، اشخاص

---

[1] ہندو مذہب کی بنیاد اسی کتاب پر قائم ہیں، اس کے چار حصے ہیں، تین پرانے اور ایک نیا۔ مستند رائے کے مطابق اس کا زمانہ تصنیف پندرہ سو سے ہزار سال قبل مسیح ہے۔ ڈاؤسن ص ۳۴۴-۳۴۵ [2] سمرتی روایتی قانون یا رسم کو کہتے ہیں، جو ہندوؤں کے رشی اور مقدس اشخاص وضع کرتے تھے۔ ہندوؤں کے ہاں ایک سمرتی نہیں بلکہ متعدد ہیں، جن میں سے بعض پانچویں یا چھٹی صدی قبل مسیح میں لکھی گئی تھیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس ۷/۸۵۲۔

اور فرشتوں کے نام پر رکھی گئی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں یا تو جانوروں، اشخاص اور دیوتاؤں کا ذکر ہے یا ان کا کلام نقل کیا گیا ہے یا مختلف سوالات کے جواب ان کی زبانی بیان کئے گئے ہیں، پر ا ہمین اہلِ معرفت داناؤں اور رشیوں کی بنائی ہوئی ہیں۔

فقہ، کلام، خدا پرستی، زہد اور نجات کے موضوع پر ہندوؤں کی بعض مشہور کتابیں:

(۱) کتاب سانکھیا (سانک): الٰہیات پر حکیم کپل نے تصنیف کی۔

(۲) پتنجلی: دنیا سے نجات کے موضوع پر۔

(۳) نیایبھاشا (نایبھاش): وید کی تفسیر اور اس میں بیان کردہ واجبات دسنن پر کپل حکیم کی تصنیف۔

(۴) مہابھارت: ہندوؤں کی نظر میں اس کتاب کی عظمت اتنی زیادہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ دوسری کتابوں میں ہے وہ سب اس میں موجود ہے نیز یہ کہ جو کچھ اس میں موجود ہے کسی دوسری کتاب میں نہیں، مہابھارت کو دیاس بن پراشر نے پانڈ اور کورو کے لڑکوں کی بڑی جنگ کے زمانہ میں تصنیف کیا تھا، اس کتاب کے اٹھارہ حصوں میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔

ذات پات

بیرونی:-

تدبیر مملکت سے دلچسپی لینے والے پرانے بادشاہ مختلف حیثیت کے لوگوں کو باہم خلط ملط ہونے

---

[۱] اس کتاب کا موضوع الٰہیات قرار دینا ہماری رائے میں صحیح نہیں ہے، سانکھیا ہندو فلسفہ کی قدیم ترین مرلوط و منظم کتاب کا نام ہے جس کے بارے میں ہندوؤں کی رائے یہ ہے کہ عیسیٰ مسیح سے چھ سو برس پہلے کپل حکیم نے ساٹھ فصلوں میں لکھی تھی، اس میں معقولات کی تعداد دوس کی بجائے پچیس تھی، شاید اس کے ایک دو باب الٰہیات سے بھی متعلق ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ مہاتما بدھ نے اپنے فلسفہ کی بنیاد کپل کے نظریات پر رکھی تھی۔ دیکھو ہسٹری آف انڈیا ص ۱۰۴-۱۰۵ ۔ دانسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنس اینڈ ایتھکس ۷/۶۵۹۔ [۲] کپل کی طرف صرف سانکھیا منسوب کی گئی ہے ہمارے کسی مرجع سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ اس نے نیایبھاشا نامی کتاب بھی لکھی ہے [۳] کتاب الہند ص ۷۸-۹۰

سے بچانے اور معاشرہ میں اس سے پیدا ہونے والی بدنظمی کو روکنے کے لئے ان کی طبقہ بندی کی طرف بڑی توجہ دیتے تھے اور ہر طبقہ پر لازم قرار دیتے تھے کہ جس پیشہ یا حرفہ کو اس نے اختیار کیا ہے اُسے چھوڑ کر کوئی دوسرا پیشہ یا حرفہ اختیار نہ کرے اور جو شخص طبقہ بندی کی پابندی نہ کرتا تھا اس کو سزا دیتے تھے دورِ کسروی کے اولین بادشاہوں کی تاریخ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے طبقہ بندی کا ایسا مستحکم نظام بنایا تھا جو نہ تو کسی سرکاری خدمت سے اور نہ کسی رشوت کے ذریعہ ڈھیلا ہو سکتا تھا۔ اس طبقہ بندی کو ان کے نظامِ حکومت میں اتنی زیادہ اہمیت حاصل تھی کہ جب اردشیر بن بابک نے حکومت کی تجدید کی تو اس نے طبقہ بندی کے نظام کو بھی ان خطوط پر از سرِ نو مرتب کیا: پہلا طبقہ اُساوِرہ[1] اور شاہی افراد کا، دوسرا عابدوں، آگ کے خادموں اور اربابِ مذہب کا، تیسرا طبیبوں، منجموں اور علماء کا، چوتھا کاشتکاروں اور دستکاروں کا۔

ہندو اپنے طبقوں کو وَرَن (برن) کے لفظ سے یاد کرتے ہیں جس کے معنی ہیں رنگ اور باعتبارِ نسب طبقوں کو ذات کا نام دیتے ہیں، ان کے ہاں طبقوں کی چار بنیادی قسمیں ہیں:

سب سے اونچا طبقہ برہمنوں کا ہے، ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ برہمن برہما (خالقِ کائنات) کے سر سے پیدا ہوا ہے، سر چونکہ جسم کا سب سے اعلیٰ عضو ہے اس اعتبار سے جنسِ انسانی میں برہمن کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے اور اسی بنا پر ہندو اس کو اشرف ترین انسان سمجھتے ہیں۔ برہمنوں کے بعد چھتریوں (کشتر) کا طبقہ ہے، ہندوؤں کی رائے ہے کہ یہ برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے پیدا ہوئے ہیں چھتری رتبہ میں برہمن سے زیادہ فروتر نہیں ہیں۔ چھتریوں کے بعد ویش (بیش) کا طبقہ ہے (یہ لوگ برہما کی ناف سے پیدا ہوئے تھے[2]) ——— (چوتھا طبقہ شودر کا ہے[3]) یہ برہما کے پیروں سے پیدا ہوئے ہیں۔

---

[1] اُساورہ جمع اُسوار تعریب سوار، یہ طبقہ شاہی خاندان کے گھوڑ اسوار فوج پر مشتمل تھا۔

[2] بریکٹ والی عبارت ہم نے بڑھائی ہے، کتاب الہند میں موجود نہیں ہے۔

[3] بریکٹ والی عبارت کتاب میں نہیں، غالباً اس فروگذاشت کا ذمہ دار کاتب ہے۔

آخری دونوں طبقے (ویش اور شودر) معاشرہ میں کم و بیش ایک سا درجہ رکھتے ہیں۔ اس امتیاز کے باوجود چاروں ذاتوں کے لوگ محلوں اور بستیوں میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے بعد دستکار ہیں جن کا شمار کسی طبقہ میں نہیں ہوتا۔ یہ صرف اپنے پیشوں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان کو انتیج (انتیز) کہتے ہیں۔ پیشوں کے لحاظ سے ان کی آٹھ قسمیں ہیں، یہ لوگ اپنے پیشہ سے ملتے جلتے پیشہ والوں کا پیشہ اختیار کر سکتے ہیں لیکن کوئی پیشہ ور دھوبی، موچی، اور جولاہے کا کام اختیار نہیں کر سکتا۔ پیشہ وروں کی آٹھ قسمیں ہیں :-

(۱) دھوبی (۲) موچی (۳) نٹ (۴) ٹوکری اور ڈھال بنانیوالے (۵) ملاح (۶) مچھیرے (۷) شکاری (۸) جولاہے۔

یہ پیشہ ور مذکورہ چاروں طبقوں کے ساتھ شہروں اور بستیوں میں سکونت پذیر نہیں ہو سکتے؛ وہ اپنے مکان شہر سے متصل لیکن اس کے باہر بناتے ہیں۔ رہے ہاڈی، ڈوم، چنڈال اور کنجڑ (بدھتو) تو ان کا شمار کسی ذات یا طبقہ میں نہیں، وہ چھوٹے اور گھٹیا کام انجام دیتے ہیں، جیسے دیہاتوں کی صفائی اور خدمت۔ ولدالزنا کی طرح ان کا ایک ہی طبقہ میں شمار ہوتا ہے، وہ اپنے کاموں کے ذریعہ ایک دوسرے سے متمائز ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ شودر اور ماں برہمن تھی اور دونوں کے ناجائز تعلق سے یہ لوگ پیدا ہوتے تھے، اس لئے وہ نکال دئے گئے ہیں اور ان پر ذلت کا لیبل لگا ہوا ہے......

کھاتے وقت چاروں ذاتوں کے لوگ الگ الگ بیٹھتے ہیں، یہ ممکن نہیں کہ مختلف ذات والے دو آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں مثلاً برہمنوں کی صف میں دوسری ذات کے دو آدمی قریب میں بیٹھے ہوں تو ایک تختہ کھڑا کر کے یا کپڑا تان کر ان کے اور برہمنوں کے درمیان حد بنادی جاتی ہے۔ دونوں ذاتوں کے درمیان ایک لکیر کھینچنے سے بھی کام چل سکتا ہے۔ چونکہ دوسرے کا جھوٹا کھانا حرام ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کا کھانا الگ ہو۔

سُلیمان تاجرؒ (نویں صدی کا ربع ثالث) :-

ہندوؤں کا ایک طبقہ ہے جس کے دو آدمی نہ تو ایک پلیٹ میں کھانا کھاتے ہیں نہ ایک دسترخوان پر ساتھ کھانا بہت معیوب خیال کیا جاتا ہے چنانچہ جب یہ لوگ سیراف آتے ہیں اور کوئی بڑا مسلمان تاجران کی دعوت کرتا ہے اور یہ تعداد میں سو یا کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوتے ہیں تو اس تاجر کو ہر مہمان کیلئے ایک الگ تھال رکھنا پڑتا ہے جس میں کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہ ہو۔ اس طبقہ کے راجاؤں اور اکابر کے لئے ان کے ملک میں ہر روز کھجور کے پتوں سے پیالوں اور تھالوں سے ملتے جلتے ظروف بنائے جاتے ہیں اور جب کھانے کا وقت ہوتا ہے تو ان ظروف میں یہ لوگ کھانا کھاتے ہیں اور جب کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ تھال اور پیالے مع بچے ہوئے کھانے کے پانی میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔[1]

بیرونیؒ :-

جب ارجن نے واسودیو (باسدیو) سے پوچھا کہ چاروں ذاتوں کے اخلاق و صفات کیسے ہونے چاہئیں تو اس نے جواب دیا :-

برہمن کو خوب دانشمند ہونا چاہیئے، مضبوط دل اور حق گو، اس میں بردباشت کا مادہ خوب ہونا چاہئے حواس پر پوری طرح قابو رکھتا ہو، انصاف پسند ہو، صاف ستھرا رہتا ہو، عبادت گذار اور دیانت دار ہو۔

چھتری (کشتری) کے لئے ضروری ہے کہ رعب دار ہو، بہادر اور بارعونت ہو، چرب زبان اور فیاض ہو، مصائب کو خاطر میں نہ لائے اور مشکلات کو سرکرنے کی کوشش میں لگا رہے۔

ویش (بیش) کو کاشتکاری، مویشیوں کے حصول اور تجارت میں مشغول رہنا چاہئے۔ شودر کا فرض ہے کہ خدمت اور جان نثاری کی پوری کوشش کرکے ہر شخص کے دل میں گھر کرلے۔

ہر ذات والا جب تک مقررہ حدود میں رہ کر اپنے واجبات ادا کرتا رہے گا اور پابندی سے خدا کی عبادت میں مشغول رہے گا اور اپنے اکثر کاموں میں خدا کا دھیان رکھے گا، اس کے سارے ارادوں

---

[1] سلسلۃ التواریخ، پیرس ۱۸۱۱ء ۱/ ۱۴۶ - ۱۴۵ [2] کتاب الہند ص ۴۹ [3] یعنی کرشن

میں خیرو کامیابی اس کی شاملِ حال رہے گی۔ لیکن اگر وہ اپنی ذات اور اس کے واجبات سے تجاوز کر کے دوسری ذاتوں میں خواہ وہ شریف ترین ہی کیوں نہ ہوں داخل ہونا چاہے گا تو گناہ کا مرتکب ہوگا۔۔۔

رہی یہ بات کہ ان چار طبقوں میں سے کونسا طبقہ نجات پائے گا تو اس بارے میں ہندوؤں کے ایک اسکول کی رائے یہ ہے کہ نجات صرف برہمن اور چھتری ہی کو میسر ہو سکتی ہے اور وہ لوگ جن کے لئے وید کا پڑھنا تک جائز نہیں نجات کے مستحق نہیں ہو سکتے لیکن محقق ہندو علمار کہتے ہیں کہ نجات کی سچی لگن پیدا کر کے یہ چاروں طبقے ہی نہیں بلکہ کُل نوعِ انسانی نجات کا امرت پا سکتی ہے۔ اس رائے کی دلیل ویاس (بیاس) کا یہ قول ہے؛

"پچیس اصولوں کو اچھی طرح گرہ میں باندھ لو پھر جو مذہب چاہو اختیار کرو یقیناً نجات پاؤ گے۔"

ابن خردادبہ[1] (متوفی ۳۰۰ھ/۹۱۲ء) :-

ہندوؤں کی سات[2] ذاتیں ہیں :

---

[1] المسالک والممالک، ایڈیٹر دی غوئے، لائڈن ۱۸۸۹ء ص ۷۱۔ [2] ذاتوں کے بارے میں ابن خردادبہ کی رائے غلط ہے، ذاتیں چار ہی ہیں جیسا کہ بیرونی نے تحقیق کر کے لکھا ہے۔ ابن خردادبہ نے شاکریہ کو ایک نئی ذات قرار دیا ہے حالانکہ یہ وہی ہے جسے وہ کستریہ لکھتا ہے۔ اُس نے شودروں کا پیشہ بھی غلط بتایا ہے اور ان کے ساتھ کاشتکاری منسوب کر دی ہے جو ویشوں کے ساتھ مختص ہے۔ ویشوں اور چنڈالوں کا پیشہ بتانے میں بھی ابن خردادبہ سے لغزش ہوئی ہے۔ بعد کے اکثر جغرافیہ نویس جنہوں نے ہندوستان کے حالات قلمبند کئے ہیں ابن خردادبہ کی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خود تحقیق کئے بغیر ابن خُردادبہ کا قول جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ ابن خردادبہ عباسی خلیفہ معتمد (۸۷۰-۸۹۲ء) کا ندیم تھا۔ شراب اور موسیقی سے اسے خاص دلچسپی تھی، اس موضوع پر اس نے کئی کتابیں بھی لکھی تھیں جو بعد میں ضائع ہو گئیں، غالباً اسی دلچسپی کی بنا پر وہ لکھتا ہے کہ ہندو حکمران طبقہ صرف تین پیالے شراب پیتا ہے، شاید یہ رائے اس نے عباسی خلفاء اور امراء کو اعتدال میں رکھنے کے لئے دی ہو، بہرحال اس رائے کی تائید نہ تو بیرونی نے کی ہے اور نہ کسی دوسرے عرب محقق نے۔

سب سے اونچی ذات شاکریہ ہے، انہی کے ہاتھ میں حکومت کی زمام رہتی ہے دوسرے سارے طبقے ان کو سجدہ کرتے ہیں لیکن یہ کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔

دوسری ذات برہمنوں کی ہے وہ نہ تو شراب پیتے ہیں نہ کوئی دوسرا نشی شربت۔

تیسری ذات چھتریوں (کستریہ) کی ہے۔ یہ صرف تین پیالے شراب پیتے ہیں، برہمن چھتری کی لڑکی نہیں لیتے لیکن چھتری برہمنوں میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔

چوتھی ذات شودروں کی ہے، ان کا پیشہ کاشتکاری ہے۔

پانچویں ذات ویشوں کی (بیشیہ) ہے، یہ لوگ پیشہ ور اور دست کار ہوتے ہیں۔

چھٹی ذات چنڈالوں (سندالیہ) کی ہے، یہ کھیل تماشے کرتے اور ناچتے گاتے ہیں، ان کی عورتوں میں حسن و جمال پایا جاتا ہے۔

ساتویں ذات ڈوموں (زنبیہ) کی ہے۔ یہ گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔ لہو و لعب اور مختلف ساز بجانا ان کا پیشہ ہے۔

ادریسی[۱] (متوفی ۵۶۰ھ / ۱۱۶۶ء):-

ہندوؤں کی سات ذاتیں ہیں:

(۱) شاکریہ — یہ ہندوؤں کے اکابر اور اربابِ اقتدار کا طبقہ ہے، صرف انہی کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور رہتی ہے، دوسری ذاتوں کے سب لوگ سامنے آتے وقت ان کو سجدہ کرتے ہیں لیکن یہ کسی کو نہیں کرتے۔

(۲) برہمن — یہ ہندوستان کے مذہبی لوگ ہیں، یہ تیندوے اور دوسرے جانوروں کی کھال پہنتے ہیں، بعض وقت کوئی برہمن عالم ہاتھ میں ڈنڈا لے کر کھڑا ہو جاتا ہے، بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور وہ سارا دن کھڑا تقریر کرتا ہے، لوگوں کو خدا کی یاد دلاتا ہے اور ان کی عبرت کیلئے

---

[۱] نزھۃ المشتاق قلمی، دارالکتب، قاہرہ ۱/۶۵۔

[۲] ذاتوں کے باب میں ادریسی کا ماخذ ابن خرداذبہ ہے۔

ان پچھلی قوموں کے حالات بیان کرتا ہے جو بدکرداری کے سبب ہلاک ہو گئے تھے۔ برہمن شراب یا کوئی دوسرا نشی شربت نہیں پیتے، وہ بتوں کی پوجا کو خدا تک پہونچنے کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

(۳) برہمنوں کے بعد چھتریوں (کستریہ) کا طبقہ ہے، یہ لوگ تین پونڈ (رطل[1]) شراب پیتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں پیتے۔ تاکہ عقلی توازن خراب نہ ہو جائے۔ یہ لوگ برہمنوں میں شادی بیاہ کرتے ہیں لیکن برہمن ان کی لڑکیاں نہیں لیتے۔

(۴) شودر (شودریہ) یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

(۵) ویش (قسیہ)۔ یہ لوگ پیشہ ور اور صنعت کار ہوتے ہیں۔

(۶) چنڈال (سندالیہ)۔ یہ گویئے ہوتے ہیں، ان کی عورتیں ملاحت کے لئے مشہور ہیں۔

(۷) ڈوم (دکیہ)۔ لہو و لعب اور ساز بجانا ان کا پیشہ ہے۔

برہمن کی واجبات زندگی

بیرونی[2]:۔

جب برہمن سات سال کا ہوتا ہے تو اس کی عمر کے چار دوروں کا آغاز ہوتا ہے، پہلا دور آٹھویں سال سے شروع ہوتا ہے، اس وقت اس کے پاس برہمن جمع ہوتے ہیں اور ذمہ داریوں اور واجبات سے اس کو باخبر کرتے ہیں، نیز فہمائش کرتے ہیں کہ ساری عمر پابندی کے ساتھ ان پر عمل کرتا رہے، پھر اس کی کمر پر زنار باندھتے ہیں اور گلے میں دہرا جنیو (جنجوئی) ڈالتے ہیں۔ جو نو دھاگوں سے بنی ہوئی ڈوری ہوتی ہے، دوسرا جنیو کپڑے سے بنایا جاتا ہے اور اُلٹے کندھے سے ہو کر سیدھی طرف کی پسلیوں سے گزرتا ہے، لڑکے کے ہاتھ میں ایک چھڑی دی جاتی ہے اور دربھی (دربھ) گھاس کی انگوٹھی اس کی داہنی چھنگلی میں پہنائی جاتی ہے، اس انگوٹھی کو پوتر (پبتر) کہتے ہیں۔ انگوٹھی کا مقصد یہ ہے

---

[1] ابن خردادبہ نے ثلاثۃ اَقداح لکھا ہے۔ ادریسی کے قلمی نسخہ میں ثلاثۃ ارطال ہے جو کاتب کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔

[2] کتاب الہند ص ۲۶۷-۲۷۱۔

کہ وہ سیدھے ہاتھ سے جو کچھ دے اس میں خیر و برکت ہو۔ اس کا پہننا اتنا ضروری نہیں جتنا جنیو کا پہننا ضروری ہے، جنیو کسی حال میں جسم سے الگ نہیں کیا جا سکتا، اگر اس کو کھانے یا رفع حاجت کے وقت اتار دے تو گنہگار ہوگا اور اس کا کفارہ روزہ یا خیرات کے ذریعہ ادا کرنا پڑے گا۔

عمر کا پہلا دور پچیس سال تک چلتا ہے۔ وشنو (بشن) پران میں ہے کہ پہلے دور کی میعاد اڑتالیس سال تک ہے، اس دور میں ضروری ہے کہ برہمن زہد و تیاگ کی زندگی اختیار کرے، زمین پر سوئے اور گرو سے وید کے معانی، مطالب، علم کلام اور مذہبی ضوابط کی تحصیل کرے، گرو کی دن رات خدمت کرے، ہر دن تین بار غسل کرے، آگ پر قربانیاں چڑھائے اور قربانی کے بعد اپنے گرو کو سجدہ کرے، ایک دن ناغہ کر کے روزہ رکھے اور گوشت سے بالکل محترز رہے، اس کی بود و باش گرو کے گھر ہونی چاہئے۔ دوپہر یا شام کو صرف پانچ گھروں سے کھانا مانگنے کے لئے نکلے، جو خیرات ملے اس کو گرو کے سامنے رکھ دے تاکہ وہ جو چاہے اس میں سے لے لے اور باقی چیلے کو کھانے کیلئے دیدے، آگ کی قربانی کے لئے دَرب اور پلاس کی لکڑی جمع کر کے لائے۔ دوسری ساری قوموں کی طرح ہندو بھی آگ کی تعظیم کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ قربانی اسی وقت قبول ہوتی ہے جب اس پر آگ ڈالی جائے۔

برہمن کی عمر کا دوسرا دور پچیس سے پچاس سال تک چلتا ہے، وشنو (بشن) پران میں اس کی میعاد ستر سال دی گئی ہے۔ اس دور میں گرو اس کو شادی کی اجازت دے گا اور وہ شادی کرے گا، گرہستی کی زندگی بسر کرنے لگے گا اور بچے پیدا کرے گا لیکن بیوی کے پاس ہر ماہ ایک بار سے زیادہ نہیں جائے گا اور یہ بھی اس وقت جب ناہواری سے فارغ ہو کر وہ پاک صاف ہو جائے۔ برہمن کو بارہ سال سے زیادہ کی لڑکی سے شادی نہیں کرنی چاہئے۔

برہمن کیلئے چار طریقوں سے معاش حاصل کرنا جائز ہے

(۱) برہمن اور چھتری کو تعلیم دے کر، اس مد سے جو کچھ کمائے گا اس کو معاوضہ سے نہیں اعزاز و اکرام سے تعبیر کیا جائے گا۔

(۲) نذرانے جو دوسروں کے لئے آگ پر کی گئی قربانی کے مراسم ادا کرنے سے اس کو حاصل ہوں۔

(۳) سلاطین و امراء کے عطیے لیکن عطیہ مانگنے میں برہمن کی طرف سے منت سماجت اور ان کی طرف سے ناخوشی اور کراہت کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔ چونکہ سلاطین و امراء برہمن کی معاش کا ایک بڑا ذریعہ ہیں اس لئے ان کے گھروں میں مذہبی معاملات انجام دینے کے لئے ہمیشہ برہمن جن کو پروہت کہا جاتا ہے موجود رہتے ہیں۔

(۴) ترکاری اور پھل وغیرہ توڑ کر۔ برہمن کے لئے کپڑے اور چھالیہ کی تجارت بھی جائز ہے لیکن بہتر ہے کہ تجارتی دخل فسل سے بچنے کے لئے وہ خود تجارت میں عملاً داخل نہ ہو بلکہ کسی ویش کے سپرد کر دے۔ برہمن سے کوئی سرکاری ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ مویشی گائے اور رنگ[۱] کی تجارت برہمن کے لئے ممنوع ہے، اس کے لئے سود لینا بھی حرام ہے، نیلا رنگ نجس ہے، اگر برہمن کے جسم پر لگ جائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

عمر کا تیسرا دور پچاس سال سے پچھتر سال تک رہتا ہے۔ وشنو دلشن) پران میں پچھتر کی جگہ نوّے سال ہے۔ اس دور میں برہمن کو تارک الدنیا ہو جانا چاہئے اگرہستی کی بندش کاٹ ڈالنا چاہئے، بیوی اگر جنگل جانے کو تیار نہ ہو تو اسے بچوں کے حوالے کر دے اور آبادی سے باہر ویسی ہی زندگی بسر کرے جیسی عمر کے پہلے دور میں کی تھی، اس دور میں برہمن چھت کے نیچے بود و باش چھوڑ دے اور درخت کی چھال صرف ستر پوشی کی حد تک جسم پر لپیٹ لے، بغیر بستر کے زمین پر سوئے اور صرف پھل سبزی اور جڑیں کھائے، بال بڑھالے اور تیل نہ لگائے۔

عمر کا چوتھا دور اور آخری دور موت تک چلتا ہے، اس میں برہمن کو لال کپڑا پہن لینا چاہئے ہاتھ میں ڈنڈا رکھے اور دھیان گیان میں لگ جائے، دل کو دوستی اور دشمنی کے جذبات نیز شہوت حرص اور غضب کی آلودگی سے پاک کرے، سب سے الگ تھلگ رہے، اگر ثواب کی خاطر کسی بافضیلت مقام کی یاترا کرے تو سفر کے دوران کسی گاؤں میں ایک دن سے زیادہ اور شہر میں پانچ دن سے

---

[۱] متن میں والاصباغ بالعین المہملۃ ہے، ہم نے عین کو غین قرار دیکر ترجمہ کیا ہے۔

سوا قیام نہ کرے، اگر اسے کوئی چیز دی جاتے تو اگلے دن تک اس کو بچا کر نہ رکھے۔ اس کی زندگی کا مقصد وحید یہ ہونا چاہیے کہ وہ پوری تن دہی سے اس راستہ پر گامزن رہے جو اسے ابدی نجات کی منزل تک پہونچا دے جہاں پہونچ کر پھر دنیا میں آنے کی زحمت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا ہو جاتا ہے۔

برہمن پر بالعموم ساری عمر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں

اس کو چاہیے کہ نیک کام کرے، خود خیرات دے اور دوسروں سے وصول بھی کرے؛ برہمن کو جو خیرات دی جاتی ہے اس کا ثواب دینے والوں کے متوفی آباء واجداد کو ملتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ ہمیشہ وید کی تلاوت کرتا رہے، آگ کی قربانی کے مراسم انجام دے، آگ جلائے، اس پر قربانیاں چڑھائے، اس کی خدمت کرے اور اس کو بجھنے نہ دے تاکہ مرنے کے بعد اسی آگ میں جلایا جائے۔

ہر دن تین بار غسل کرے، فجر کے وقت، دوپہر کو اور غروب کے بعد، صبح کا غسل نماز کے لیے نیز اس ممکن نجاست کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے جس سے خواب کے دوران اس کا جسم ملوث ہو گیا ہو — نماز خدا کی حمد و ثنا اور سجدہ پر مشتمل ہوتی ہے، سجدہ جڑے ہاتھوں کے انگوٹھوں پر سورج کی طرف منہ کر کے کیا جاتا ہے۔ سورج ہندوؤں کا قبلہ ہے، جنوب کے سوا جس طرف سورج ہو اس کو سجدہ کیا جا سکتا ہے، جنوب کی طرف منہ کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا جاتا، اس سمت میں صرف بُرے ہی کام کیے جاتے ہیں۔ سورج ڈھلنے کا وقت چونکہ حصولِ ثواب کے لیے مخصوص ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس وقت پاک صاف ہو۔ شام کھانے اور نماز کا وقت ہے لیکن اس وقت کا غسل پہلے دونوں غسلوں کی طرح تاکیدی نہیں۔

برہمن کو چاہیے کہ جب تک بچے دن میں دو وقت کھانا کھائے، دوپہر کو اور مغرب کے بعد۔ کھانا کھاتے وقت ایک یا دو آدمیوں کا کھانا الگ کر دے، خاص طور پر آبادی سے بھاگنے والے ان برہمنوں کے لیے جو عصر کے وقت مانگنے آتے ہیں، ان کو کھانا دینے میں غفلت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ کچھ کھانا جانوروں، پرندوں اور آگ کے لیے بھی الگ کر دے، جو بچے وہ خدا کی حمد و ثنا کر کے خود

کھائے، بچا ہوا کھانا گھر سے باہر رکھ دے اور دوبارہ اس کے قریب نہ پھٹکے، وہ ان محتاجوں کا حق ہے جن کا ادھر سے اتفاقی گزر ہو، خواہ وہ انسان ہوں، خواہ پرند، خواہ کتا یا کچھ اور، برہمن کے پانی کا برتن الگ ہونا چاہیے، اگر کوئی دوسرا اس برتن کو استعمال کرے تو اس کو توڑ دیا جائے۔ اسی طرح برہمن کے کھانے کے برتن بھی الگ ہونے چاہئیں۔ میں نے ایسے برہمن بھی دیکھے ہیں جو ایک رکابی میں رشتہ داروں کے ساتھ کھانا جائز سمجھتے ہیں لیکن اکثر برہمن اس کے خلاف ہیں۔ برہمن کو مذہب کی طرف سے یہ پانچ ترکاریاں کھانے کی اجازت نہیں ہے: پیاز، لہسن، گول کدو، گرگن نامی جڑ جو گاجر سے ملتی جلتی ہے اور نالی نام کی سبزی جو تالابوں کے ارد گرد اگتی ہے۔

دوسرے طبقوں کے واجبات

چھتری وید پڑھ سکتا ہے اور اس کی تعلیم حاصل کر سکتا ہے لیکن دوسروں کو وید کی تعلیم نہیں دے سکتا، وہ آگ پر قربانی کرے گا، پرانوں کی تعلیم پر عمل کرے گا، حکومت کرے گا اور رعایا کی حفاظت کے لیے دشمن سے لڑے گا کیونکہ اس کی تخلیق کا یہی مقصد ہے۔ بارہ سال کا ہونے پر اس کو چاہیے کہ تین تاروں کا بٹا ہوا ایک جنیو اور دوسرا موٹے کپڑے کا پہنے۔

ویش کے واجبات میں کاشتکاری، مویشی پالن اور برہمنوں کی ضروریات پورا کرنا ہے۔ وہ دو دھاگوں کا بنا ہوا صرف ایک جنیو پہن سکتا ہے۔

شودر کی حیثیت برہمنوں کے غلام کی سی ہے، اسے برہمن کے کاموں میں لگا رہنا چاہیے اور برہمن کی خدمت کرنی چاہیے اور اگر تقشف[1] کی خاطر جنیو پہننا چاہے تو موٹے کپڑے کا بنا کر پہن سکتا ہے۔ وہ سارے کام جو برہمن کے لیے مخصوص ہیں جیسے خدا کی حمد و ثنا، وید کی تلاوت، اور آگ پر قربانیوں کی تقریبات، وہ سب کے سب اس کے لیے ممنوع ہیں۔ البتہ دھیان گیان،

---

[1] معلوم نہیں بیرونی نے اس لفظ سے کیا معنی مراد لیے ہیں۔ تقشف ان معانی میں استعمال ہوتا ہے: نادار جیسے حال ہونا روکھی پھیکی اور پرمشقت زندگی گزارنا، میلے کچیلے پیوند کی کپڑے پہننا۔ ان میں سے کوئی معنی بھی یہاں ٹھیک ٹھیک چسپاں نہیں ہوتے۔

نیک کام اور خیر خیرات کی شودر کو اجازت ہے۔

خیر خیرات

بیرونی[1]:-

ہندوؤں کے مذہب میں ہر دن اپنے مقدور بھر خیرات (صدقہ) کرنا ضروری ہے۔ ان کے ہاں روپیہ پر ایک سال کا عرصہ گزرنا ضروری نہیں[2]، کیونکہ سال گزرنے کی قید سے خیرات ایک ایسی مدت تک ملتوی ہو جاتی ہے جس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ خیرات کرنیوالا اس وقت تک جئے گا یا نہیں۔

خوشنودی خدا اور ثواب کے کچھ کام

سلیمان تاجر[3]:-

ہندوؤں کے ہاں مختلف طریقوں سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے۔ منجملہ ان کے ایک طریقہ یہ ہے کہ طالبِ خوشنودی مسافروں کے لئے سڑک پر سرائے بنواتا ہے اور وہاں ایک بقال کا انتظام کرتا ہے جس سے مسافر ضرورت کا سامان خریدتے ہیں، اپنے خرچہ سے سرائے میں عورت رکھتا ہے تاکہ مسافروں کی جنسی بھوک دور کرنے کے کام آئے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ ایسا کرنا بھی باعثِ ثواب ہے۔

عمری[4] (متوفی ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء):-

ابوالحسن محمد بن حرب نے مجھ[5] سے بیان کیا کہ شہر تن[6] کے باہر اس سے کوئی پانچ میل دور ایک بڑا

---

[1] کتاب الہند ۲۷۶ [2] جیسا کہ وجوبِ زکات کے لئے اسلام میں ضروری ہے۔ [3] سلسلۃ التواریخ ۱/۱۲۸-۱۲۹۔ [4] مسالک الابصار قلمی دار الکتب، قاہرہ ۲/۲۸۔ ۲۹۔ [5] مجھ سے کا مرجع عمری نہیں بلکہ نویں یا دسویں صدی کا عیسوی کا وہ مؤلف ہے جس کی کتاب سے عمری نے یہ قصہ اقتباس کیا ہے۔ [6] ہندوستان کے جنوبی ساحل نیز کارومنڈل اور ملابار کوسٹ پر کئی بندرگاہ اور شہر تھے جن کے آخر میں تن (پتن) لگا ہوا تھا اس لئے یقین کے ساتھ متن میں ذکر کئے ہوئے شہر کا تعین کرنا مشکل ہے لیکن قرائن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ تن سے یہاں لنکا کے بالمقابل موجودہ راشورم کے قریب* (دسویں صدی کا مشہور بندرگاہ مدراس کی بندرگاہ) مراد ہے۔

مندر ہے جس میں پتھر کی ایک بڑی مورتی رکھی ہے، مندر کے لئے ساٹھ عورتیں وقف ہیں جن کی جسم فروشی کی کمائی مندر کی ضروریات، مورتی کی دیکھ بھال اور مندر کے عملے پر صرف ہوتی ہے۔ اس مندر میں جو پردیسی سفر کو جاتے یا سفر سے لوٹتے وقت آتے ہیں وہ ان عورتوں سے بلامعاوضہ جنسی ضرورت پوری کرتے ہیں، اگر وہ کسی عورت کو کچھ دیں تو وہ نہیں لیتی۔ ابوالحسن نے مجھ سے کہا کہ میں نے بعض ہنیاسیوں کو کہتے ہوئے سنا کہ مندر میں عورتوں کی موجودگی کا سبب یہ ہے کہ اس علاقے کے راجہ کی رانی کا گذر جو ایک دھان کے کھیت (حرامات) سے بتن آرہی تھی ایک ناریل کے درخت کے پاس سے ہوا۔ درخت کے نیچے ایک شخص بیٹھا استمنا بالید کر رہا تھا، یہ دیکھ کر وہ ٹھہر گئی اور اس کے حاشیہ کے لوگ بھی رک گئے، وہ ہاتھی پر سوار تھی، رانی کے حکم سے وہ شخص اس کے پاس لایا گیا، وہ آیا تو رانی نے اس سے کہا: بھلے آدمی تجھے خدا کا خوف نہیں، تو اچھا خاصا تندرست آدمی ہے اور یہ برا کام کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا: مجبوراً میں نے ایسا کیا ہے۔ رانی: تو ایسے شہر میں ہے جہاں کسبیوں کی کمی نہیں، پھر بھی یہ حرکت کرتا شہر سے جا رہا ہے۔ اس نے کہا میں ایک غریب پردیسی ہوں میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ رانی نے اس کا جھاڑا لینے کا حکم دیا، جھاڑا لیا گیا تو واقعی اس کے پاس کچھ نہ نکلا، رانی کو بیچارے کی یہ زبوں حالی دیکھ کر بڑا دکھ ہوا اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے کہا واقعی یہ پردیسی ہے اور مجبور، اس کے پاس پیسہ نہیں کہ کسی کسبی کے پاس جائے، اس کی اور اس جیسے کنگلوں کی تکلیف کا گناہ ہمارے سر ہے۔ اس نے اپنے سکریٹری سے کہا: میں یہاں سے اس وقت تک نہیں ہلوں گی جب تک تم انجینئروں کو نہیں بلاؤ گے اور اس جگہ ایک مندر کا تخمینہ نہیں لگواؤ گے تاکہ میں اس میں ایک مورتی رکھوں اور پردیسیوں اور شہر سے گذرنے والوں کیلئے دیوداسیوں کا بندوبست کروں جو رات کو ان کے ساتھ رہیں، اس طرح رانی نے مندر بنوایا اور اس میں مورتی رکھی اور مسافروں کے لئے ساٹھ کنیزیں وقف کیں، جب کوئی کنیز بوڑھی ہو جاتی تو اس کی جگہ جوان رکھ دی جاتی۔ شہر کا کوئی آدمی یا مندر کا کوئی خدمت گار اگر ان سے جنسی ضرورت پوری کرتا تو اس کو فیس دینا ہوتی لیکن پردیسیوں سے کچھ نہ لیا جاتا۔

ٹ یہاں دو بگڑے ہوئے لفظ ہیں جن کی صحیح شکل معلوم نہ ہو سکی۔

سلیمان تاجرؒ (نویں صدی عیسوی) :-

ہندوؤں میں ایسے خدا پرست لوگ ہیں جو ان جزیروں میں چلے جاتے ہیں جو وقتاً فوقتاً سمندر میں نمودار ہوتے رہتے ہیں اور ثواب کی خاطر ان جزیروں میں ناریل کے درخت لگاتے ہیں اور کنوئیں کھودتے ہیں تاکہ ادھر سے گذرنے والے جہازوں کو ناریل اور پانی مل سکے۔

ادریسیؒ :-

لنکا کے لوگ ان چھوٹے جزیروں میں ناریل کی نگہداشت کرتے ہیں جو لنکا آنیوالے بحری راستوں میں واقع ہیں اور کسب ثواب کے لئے آنے جانے والے بحری مسافروں کو بلا معاوضہ ناریل کھلاتے ہیں۔

بُت پرستی اور اس کے اسباب

بیرونیؒ :-

باخبر لوگ جانتے ہیں کہ عوام کی طبیعت محسوسات کی طرف لپکتی ہے اور معقولات سے گریز کرتی ہے معقولات کو صرف علماء سمجھتے ہیں جن کی تعداد ہر زمانہ اور ہر ملک میں کم رہی ہے۔ عام لوگوں کو چونکہ ظاہری شبیہ سے سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اس لئے اکثر مذاہب نے کتابوں میں تصویریں اور عبادتگاہوں میں مجسمے بنائے ہیں جیسے یہودی، نصرانی اور بالخصوص مَنانی۔ ہمارے قول کی توثیق اس دلیل سے ہوگی کہ رسول اللہؐ، مکہ اور کعبہ کی تصویر کسی عام مرد یا عورت کو دکھائی جائے تو جذبہ مسرت سے اس کے دل میں تصویر چومنے اور اس کے سامنے اپنے رخساروں کو زمین پر رگڑنے کی خواہش پیدا ہوگی گویا وہ خود اس کو دیکھ رہا ہو جس کی تصویر ہے اور حج وعمرہ کے مناسک خود ادا کر رہا ہو۔

عوام کا محسوسات کی طرف یہ میلان ہی بڑی ہستیوں جیسے انبیاء، علماء اور فرشتوں کے مجسمے

۱؎ سلسلۃ التواریخ ۱/۱۲۹ ۔ ۲؎ وصف الہند وما یجاورہا من البلاد (نزہۃ المشتاق کا وہ حصہ جو ہندوستان سے متعلق ہے) ایڈٹ کردہ ڈاکٹر سید مقبول احمد مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۴ء ص ۱۳

۳؎ کتاب الہند ص ۵۳-۵۴ ۔ ۴؎ قدیم فارس کے پیغمبر مانی کے پیرو جس نے پارسی اور عیسائی مذہب کے امتزاج سے ایک نیا مذہب ایجاد کیا تھا۔

بنانے کا محرک ثابت ہوا تاکہ موت کے بعد ان ہستیوں کے یہ مجسمے ان کی یاد تازہ کرتے رہیں اور مرتے دم تک ان کی تعظیم کے نقوش دلوں سے محو نہ ہوں، ان مجسموں کو بنے ہوئے سالہا سال ہوگئے اور قرنیں بیت گئیں حتیٰ کہ ان کے اسباب وعلل تک ذہنوں سے محو ہوگئے اور ان کی تعظیم نے رسم ورواج کی حیثیت اختیار کرلی، پھر مذہبی قانون ساز بتوں کی راہ سے عوام میں داخل ہوئے اور انہوں نے بتوں کی پوجا ان پر فرض کردی۔

بت پرستی سے متعلق ہندوؤں کی خرافات کا ذکر کرنے سے پہلے ہم ایک ضروری تصریح کئے دیتے ہیں اور وہ یہ کہ بت پرستی کیطرف صرف ہندو عوام کا رجحان ہے، وہ لوگ جو نجات کے طالب ہیں یا بحث ومناظرہ نیز تحقیق سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ خدا کے سوا کسی مخلوق یا اس کے مجسمے کی عبادت نہیں کرتے بت پرستی سے متعلق ہندوؤں میں جو قصے مشہور ہیں ان میں سے ہم ایک قصہ نقل کرتے ہیں جو شونک نے راجہ پرکش (پریکش[1]) سے بیان کیا تھا۔

پرانے زمانے میں اَمبرِش (اَنبرِش) نامی ایک راجہ تھا، جب دنیاوی اقتدار کی طرف سے اس کی ساری آرزوئیں پوری ہوگئیں تو وہ تارک الدنیا ہوگیا اور سب سے منہ موڑ کر ہمہ تن خدا کی یاد میں مشغول ہوگیا ایک عرصہ بعد معبود فرشتوں کے سردار اندر[2] کی شکل میں ہاتھی پر سوار ہو کر اس کے پاس آیا اور کہا: مانگو جو من چاہے ہم دیں گے۔ راجہ امبرش: مجھے آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، آپ کی عنایت سے مجھے جو کامیابی اور توفیق عطا ہوئی ہے اسکے لئے میں آپ کا ابھاری ہوں لیکن میں آپ سے نہیں بلکہ اس ذات سے مانگوں گا جس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔ اندر: عبادت کا مقصد یہ ہے کہ عبادت گذار اس کا اچھا صلہ پائے، یہ جس سے ملے لے لو اور یہ نہ کہو کہ تم سے نہیں دوسرے سے لوں گا۔ راجہ امبرش: دنیا کی سب نعمتیں مجھے حاصل ہوچکی ہیں اور میں ان کی طرف سے منہ موڑ چکا ہوں۔ عبادت وریاضت سے میرا واحد مقصد رب کا دیدار ہے اور یہ آپ کے اختیار سے باہر ہے، پھر اپنی حاجت آپکے سامنے

---

[1] ایودھیا میں حکومت کرتا تھا۔

[2] ہمارے مراجع اندر کو فرشتوں کا سردار نہیں بلکہ آسمانوں اور فضا کا بادشاہ بتاتے ہیں۔

رکھنے سے کیا فائدہ! اندر: سارا عالم اور اس کے بسنے والے میرے زیرِ فرمان ہیں۔ پھر تم کیوں میری بات نہیں مانتے؟ راجہ: سب کی طرح میں بھی آپ کا مطیع ہوں لیکن میں اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس سے آپ نے یہ قوت پائی ہے اور وہ سارے عالم کا پالنہار (رب) ہے جس نے بل اور ہرنیاکش (دہرنکش) فرشتوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا، براہِ کرم مجھے اس راہ پر چھوڑ دیجئے جسے میں نے پسند کیا ہے اور یہاں سے تشریف لے جائیے۔ اندر: تم میری مخالفت سے باز نہیں آتے ہو تو میں تم کو برباد کر دوں گا۔
راجہ: مشہور ہے کہ اچھی چیز پر حسد کیا جاتا ہے، بری چیز پر نہیں، جو دنیا کو تج دیتا ہے ملائکہ تک اس پر حسد کرنے لگتے ہیں اور اس کو گمراہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں، میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا ہے اور خود کو مالک کی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے اور جب تک زندہ ہوں اس کی عبادت کرتا رہوں گا، میں نے ایسا کوئی قصور نہیں کیا جس کی پاداش میں آپ مجھے قتل کی سزا دیں، اگر بے قصور آپ مجھے مارنا چاہیں تو آپ کی مرضی، لیکن اتنا عرض کروں گا کہ میں خدا کا سچا پجاری ہوں گا اور اس کی مدد پر مجھے پکا یقین ہوگا تو مجھے آپ کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے، آپ نے مجھے بہت دیر عبادت سے باز رکھا، اب میں ادھر متوجہ ہوتا ہوں۔

جب راجہ عبادت میں مشغول ہوا تو خدا انسانی شکل[1] میں ظاہر ہوا، اس کا رنگ بھورے کنول کی طرح تھا اور وہ زعفرانی بادہ میں ملبوس تھا اور گرُوڑ (گرڑ) نامی پرندہ پر سوار تھا، اس کے چار ہاتھوں میں سے ایک میں سنکھ تھا جس کو ہاتھی کی پیٹھ سے پھونکا جاتا ہے، دوسرے ہاتھ میں چکر جو ایک گول ہتھیار ہے اس قدر تیز کہ جس چیز پر پھینکا جائے اسے کاٹ ڈالتا ہے، تیسرے ہاتھ میں تعویذ اور چوتھے میں لال کنول، راجہ نے خدا کو دیکھا تو مارے خوف کے کانپنے لگا، وہ سجدہ میں گر پڑا اور خدا کی حمد و ثنا کرنے لگا خدا نے اسے تسلی دی اور اس کے مقصد میں اسے کامیابی کی بشارت دی۔ راجہ: مجھے ایسی سلطنت حاصل تھی جس میں کوئی میرا حریف یا دشمن نہیں تھا اور مجھے ایسی عافیت میسر تھی جس میں نہ غم کی آمیزش تھی نہ مرض کی، گویا دنیا تمام ہا میرے قدموں میں پڑی تھی، پھر جب یہ حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی کہ دنیوی عیش و عشرت آخرت میں عذاب بن جائیگا تو میں دنیا سے کنارہ کش ہو گیا اور ترک دنیا کے بعد مجھے صرف

[1] اس سے ہندوؤں کا دوسرا سب سے بڑا دیوتا وِشنو Vishnu مراد ہے۔ ہندو اطوار رسوم اور تقریبات۔ از Dubois۔ ۳۰۸۔ ۳۶۰۔

قیدِ حیات سے نجات کی آرزو ہے۔ خدا: نجات گوشہ نشین ہو کر دھیان کرنے اور حواس پر قابو رکھنے سے ملتی ہے۔ راجہ: فرض کیجئے کہ میں اس عنایت کی وجہ سے جس کا آپ نے مجھے اہل سمجھا ہے ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں لیکن دوسرے اس پر کیسے عمل کر سکتے ہیں، انسان کے لئے کھانا اور کپڑا ضروری ہے اور یہ بغیر دنیا سے تعلق رکھے نہیں حاصل ہو سکتے۔ کیا نجات کا کوئی دوسرا طریقہ بھی ہے؟ خدا: دنیا کو قاعدے اور اعتدال کے ساتھ برتو، دنیا کو بنانے اور سنوارنے، رعایا کی بہبود یا خیر خیرات بلکہ اپنی ساری حرکات و سکنات میں میرا دھیان اور میری رضا جوئی کا جذبہ ہی کارفرما ہو، اگر بشری نسیان تم پر غالب آجائے تو میرا ہم شکل ایک مجسمہ بنا لو اور خوشبو اور روشنی کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرو۔ میرے مجسمے کو میری نشانی بنا لو تاکہ مجھے بھول نہ جاؤ اور جس کام میں بھی مشغول ہو میرے ذکر کے ساتھ ہو، جو بات کرو تو ابتدا میرے نام سے ہو، جو کام کرو اس میں میری خوشنودی پیش نظر ہو........ خدا کا پیکر راجہ کے سامنے سے غائب ہو گیا اور وہ اپنی رہائش گاہ لوٹ آیا اور خدا کے حکم کی تعمیل کرنے لگا، ہندو کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے بت بنائے جانے لگے۔

ہندوستان کے مشہور بت خانے

ابن الندیمؒ (متوفی ۳۸۵ھ ۹۹۵ء):-

ملتان میں ایک بتخانہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے سات مشہور بت خانوں میں سے ایک ہے۔ اس میں لوہے کی ایک مورتی ہے جس کی لمبائی لگ بھگ چودہ فٹ (سات ذراع)

۱؎ فہرست مصر ص ۴۸۴-۴۸۵۔ ۲؎ ملتان کی مورتی کا ذکر متعدد عربی تحریروں میں ہے لیکن کسی نے اس کو لوہے کا نہیں بتایا ہے اور ابودلف مسعر بن مہلہل کے علاوہ جو ابن الندیم کا ہمعصر اور ملاقاتی تھا کسی نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کمرے کے وسط میں معلق تھی اور کمرہ کی مقناطیسی دیواریں مورتی کو گرنے سے روکے ہوئے تھیں، اس لئے ہمارا خیال ہے کہ رپورٹر نے یا تو صحیح مشاہدہ نہیں کیا یا سنی سنائی استعجاب انگیز روایتوں پر اعتماد کر لیا اور یا اس کی مراد ملتان کی عملداری کی کسی دوسری مورتی سے ہے جسے غلطی سے اس نے ملتان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ہے۔ مورتی ایک گبند کے وسط میں معلق ہے، اس کو ہر طرف مقناطیسی پتھر ہموزن کشش کے باعث گرنے سے روکے ہوئے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مورتی ایک طرف کو کسی حادثہ کے سبب جھک گئی ہے، یہ بتخانہ جو گنبد نما ہے ایک پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے، گنبد کی بلندی تقریباً ۲۶۰ فٹ (ایک سو اسی ذراع) ہے۔ ہندو دور دور سے سمندر اور خشکی کے راستے مورتی کی زیارت کو آتے ہیں۔ بلخ سے ادھر سیدھی سڑک آتی ہے کیونکہ ملتان اور بلخ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی اور اس کے دامن میں سنیاسیوں اور پجاریوں کے کمرے ہیں، قربانی اور خونی نذرانوں کے لئے الگ ٹھکانے ہیں، کہا جاتا ہے کہ چوبیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا جب زائرین کے دل کے دل بتخانے میں موجود نہ ہوں۔

ہندوؤں کے دو اور بت ہیں، ان میں سے ایک کا نام جُنبکت اور دوسرے کا زنبکت ہے۔ ان کو ایک بڑی وادی کے دو کناروں پر پہاڑ کی چٹانوں سے کاٹ کر بنایا گیا ہے، ان میں سے ہر ایک کی بلندی تقریباً ایک سو ساٹھ (۸۰ ذراع) فٹ ہے، یہ دونوں بت دور سے نظر آتے ہیں۔ ہندو ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور نذرانے نیز سلگنے والی خوشبودار اشیا ساتھ لاتے ہیں۔

اگر دور سے کسی یاتری کی ان پر نظر پڑ جائے تو ضروری ہے کہ وہ ازراہِ تعظیم سر جھکائے ہوئے ان کے پاس جائے لیکن اگر سر جھکانے کے بعد سہواً یا اتفاقی طور پر وہ انہیں دیکھ لے تو ضروری ہے کہ وہ لوٹ کر اتنی دور چلا جائے جہاں سے بت نظر نہ آئیں اور وہاں سے تعظیماً وہ سر جھکائے ان کی طرف آئے۔ مجھے عینی شاہدوں نے بتایا کہ بتوں کے سامنے کافی تعداد میں قربانیاں کی جاتی ہیں اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقریباً پچاس ہزار یا زیادہ آدمی مورتیوں پر اپنی جان کے نذرانے چڑھا دیتے ہیں[1]۔

ابن رُستہ[2] (متوفی تقریباً ۲۹۰ھ/۹۰۳ء)

ملتان میں ایک مورتی ہے جس کی آمدنی بہت زیادہ ہے، یہاں کے شاہان بنو مُنبّہ کی حکومت اور ان کی دولت کا دار و مدار اسی مورتی پر ہے۔ ایک معتبر راوی نے جو سندھ میں کافی رہ چکا تھا مجھے

---

[1] متن میں یقرب بنفسہ ہے، ہم نے اسے یقرب لنفسہا قرار دیکر ترجمہ کیا ہے۔

[2] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵ و ۱۳۶۔

بتایا کہ مورتی کی آمدنی حد شمار سے باہر ہے، جب کبھی ہندوستانی راجہ بڑی بڑی فوجیں لے کر ملتان پر چڑھائی کرتے ہیں تو بو منبۃ اپنی خوشحالی، قوت اور دولت مندی سے حملہ آوروں کو زیر کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بیان ہے جو ملتان کا دورہ کر چکے تھے اور جنہوں نے مورتی کو جو ایک مرد کی ہم شکل ہے دیکھا تھا کہ اس کی لمبائی تیس فٹ (بیس ذراع) سے کچھ زیادہ ہے۔ وہ ایک بڑے حال میں رکھی ہے، یہ نہیں معلوم کہ اس مورتی کو کس نے بنایا تھا۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ وہ دو ہزار برس پرانی ہے، ہندو کہتے ہیں کہ یہ مورتی آسمان سے اُتری ہے اور ہمیں اس کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ مورتی کے خدمتگار ہیں جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، مندر کا خرچہ مورتی کی آمدنی سے ہوتا ہے، خادموں کو کھانا اور کپڑا دیا جاتا ہے، ہندوستان کے سب ہندو اس کی زیارت کو باعثِ ثواب سمجھتے ہیں، جب کوئی مالدار ہندو مرتا ہے تو وہ مورتی کی خوشنودی کے لئے اپنی نصف یا کل دولت اس کے لئے وقف کر دیتا ہے۔

ہندو ایک سال کی مسافت کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ فاصلہ طے کر کے مورتی کی زیارت کو آتے ہیں اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے سر منڈوا کر بائیں طرف سے عاجزی کے ساتھ سات طواف کرتے ہیں، اس کے سامنے زمین پر لوٹتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

مورتی کے چار چہرے ہیں، اس لئے ہر سمت سے اس کا چہرہ یاتریوں کے سامنے رہتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ معبود ہے جس کی عبادت ضروری ہے، اس کا منہ ہمیشہ دیکھنے والے کی طرف رہتا ہے جب ہندو اس کا طواف کرتے ہیں تو اس کے چار چہروں میں سے ہر ایک کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، کوئی زائر اپنی آنکھ نکال کر بت کے پاس لاتا ہے اور کہتا ہے بھگوان میں یہ آنکھ تیری نذر کرتا ہوں، میری عمر دراز کر دے، مجھے روزی عطا کر، میری یہ یہ خواہش پوری کر دے۔

ایک عینی شاہد نے مجھے یہ بتایا کہ اس نے ایسے ہندو بھی دیکھے جو لال صندل کے دو خوب بھاری کُندے ایک سال کی مسافت سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر ملتان کی اس مورتی کی طرف روانہ ہوتے سوا تین میل (ایک فرسخ) چلنے کے بعد انہوں نے ایک کندا رکھ دیا اور دوسرے کے ساتھ مزید تین میل

کا فاصلہ طے کیا، پھر اس کو بھی رکھ دیا اور پہلے کنڈے کو لینے لوٹے، اس طرح کنڈوں کو اتارتے چڑھاتے سال بھر میں مورتی کے پاس پہونچ گئے۔

کوئی یاتری مورتی سے اپنی جان بھینٹ کرنے کی اجازت مانگتا ہے، پھر ایک لمبی لکڑی لیتا ہے اور اس کا ایک سرا خوب پھیلا کر کے اسے زمین میں گاڑ دیتا ہے، پھر لکڑی پر چڑھ کر اس کے نچلے سرے پر بیٹھ جاتا ہے اور سرا اس کی پیٹھ سے باہر نکل آتا ہے، اس طرح جان دیکر وہ سمجھتا ہے کہ اس نے مورتی کی خوشنودی حاصل کر لی۔ بعض لوگ بہت سا مال ومتاع لے کر آتے ہیں اور مورتی کے سامنے ڈال کر کہتے ہیں: اے میرے بھگوان، اے میرے مالک، میری یہ پیش کش قبول کرے۔

ملتان کی اس مورتی نیز دوسرے بتوں کے پجاری عورتوں کے پاس نہیں جاتے، نہ گوشت کھاتے ہیں، نہ کوئی جانور ذبح کرتے ہیں، نہ میلے کچیلے گندے کپڑے پہنتے ہیں اور مورتیوں کے پاس جاتے وقت اپنے کپڑے خوشبو میں بسا لیتے ہیں۔ مورتی کے پاس پجاریوں کے علاوہ کوئی نہیں جا سکتا اور ان میں بھی صرف وہ لوگ جنہیں اپنے ہاتھ سے اس پر خوشبو لگانے اور اس کو چھونے کا اختیار ہوتا ہے۔ جب وہ مورتی کے پاس آتے ہیں تو زمین پر گھٹنے ٹیک دیتے ہیں اور ہاتھ جوڑ کر التجا کرتے ہیں کہ ان کی طرف نظر اٹھائے، ان پر رحم کرے، وہ روتے ہیں گڑگڑاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔

مورتی کا ایک مطبخ ہے جس میں اعلیٰ قسم کا سفید چاول پکایا جاتا ہے، اس کے علاوہ مچھلی اور سبزیوں کے مختلف عمدہ خوشبودار کھانے بھی بنائے جاتے ہیں، پھر کیلے کا ایک پتہ جو اتنا بڑا ہوتا ہے کہ ایک دو آدمی اس میں لپٹ جائیں، لایا جاتا ہے اور مورتی کے سامنے پھیلا دیا جاتا ہے، اس کے بعد نصف انسانی قد کے بقدر پتہ پر چاول کا ڈھیر لگا دیا جاتا ہے، بت خانہ کا بڑا پروہت مورتی کے سامنے کیلے کے پتہ سے پنکھا جھلتا ہے اور چاول کی بھاپ مورتی کے چہرہ تک پہنچا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بھگوان نے بھوجن کر لیا۔ مورتی کے کھانا کھانے سے پہلے بتخانہ کے پجاری اور خدمتگار جھانجھ، شہنائی اور ڈھول بجاتے ہوئے مورتی کے بال کا چکر لگاتے ہیں اور بسا اوقات سو خاندانی لڑکیاں اس کا طواف کرتی ہیں اور کہتی ہیں ہم بھگوان کا جی خوش کرتے ہیں، اس کے بعد مورتی کو کھانا کھلایا جاتا ہے

ؔ متن میں نقص ہے جو ہماری رائے میں ترجمہ کی تحریف ہے۔

اور یہ چھپانے کے لئے کہ کھانے میں کمی نہیں ہوتی ہے ہال کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جب وہ کھانا کھا لیتا ہے تب دروازے کھولے جاتے ہیں اور کھانا اٹھا لیا جاتا ہے۔ اس وقت پروہت کہتے ہیں کہ مورتی نے کھانا دان کر دیا۔ بت خانہ میں جتنے یاتری ہوتے ہیں ان سب کو کھانا دیا جاتا ہے حتی کہ پرندوں اور کتوں تک کو محروم نہیں رکھا جاتا۔

گاہے گاہے مورتی کو دودھ اور گھی سے نہلایا جاتا ہے اور بیماریوں سے شفا پانے کے لئے مریض اس کے دھوون سے غسل کرتے ہیں۔

اِصطخری (متوفی تقریباً ۳۵۰ھ/۹۶۱ء):-

ملتان میں ایک مورتی ہے جس کی ہندو تعظیم کرتے ہیں اور ہر سال ہندستان کے دور ترین حصوں سے اس کی زیارت کرنے آتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے لئے بیش قیمت نذرانے لاتے ہیں، یہ نذرانے بتخانے اور وہاں کے پجاریوں اور خدمتگاروں پر صرف ہوتے ہیں۔ ملتان کا نام اس مورتی کے نام پر ملتان ہو گیا ہے۔

بتخانہ ایک محل ہے جو بازار ملتان کے سب سے بارونق حصے میں ہاتھی دانت بازار اور پیتل فروشوں کی لائن کے درمیان واقع ہے، محل کے وسط میں ایک گنبد ہے اور اس میں مورتی رکھی ہے، گنبد کے گرد کمرے ہیں جن میں مورتی کے پجاری اور خدمت گار رہتے ہیں، ملتان میں اس مورتی کے پجاریوں کے علاوہ نہ ہندوستان کا کوئی بت پرست ہے نہ سندھ کا۔ مورتی انسانی شکل کی ہے اور پلتھی مارے

لہ المسالک الممالک، ایڈیٹر دی غوئے، لانڈن ۱۸۸۹ء، صفحہ ۱۷۳ ۔ ۲ہ متن کے لینفق کے مقابلے میں فینفق کو زیادہ برمحل سمجھ کر ترجمہ کیا گیا ہے۔ ۳ہ مندر میں سورج کی مورتی تھی، سورج کا ایک نام مول گیا ہے، اِستھان جگہ اور مقام کے ہم معنی ہے، اس لئے مول استھان سے جو مندر کا نام تھا شہر کا نام بھی ملتان ہو گیا۔ دیکھو قدیم ہندوستان کا جغرافیہ کننگھم کلکتہ ۱۹۲۴ء، صفحہ ۲۶۸ ۔

۴ہ یہ تصریح غلط معلوم ہوتی ہے، ہونا چاہئے۔ مورتی کے پجاریوں کو چھوڑ کر نہ کوئی ہندوستانی اس کی پوجا کرتا ہے نہ سندھی جیسا کہ ادریسی میں ہے، دیکھو صفحہ ۹۶ ۔

چونے اینٹ کے ایک چبوترے پر بیٹھی ہے۔ اس کے سارے جسم پر بکری جیسی لال چمڑے کی کھال چڑھی ہوئی ہے، آنکھوں کے علاوہ مورتی کے جسم کا کوئی حصہ اس کھال سے باہر نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا جسم لکڑی کا ہے بعض کی رائے ہے کہ وہ کسی دوسری چیز سے بنا ہے۔ بہرحال اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہیں چھوڑا گیا ہے، اس کی آنکھوں میں دو قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں، سر پر سونے کا تاج ہے وہ چبوترے پر دوزانو بیٹھی ہے اور ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح بند کر کے رکھے ہوتے ہے گویا چار کی گنتی گن رہی ہو۔

مورتی کے پاس جو نذرانے لائے جاتے ہیں ان کا بیشتر حصہ ملتان کا مسلمان امیر لیتا ہے اور پجاریوں کو سال بھر کا خرچہ دے دیتا ہے۔ جب ہندوستان کے راجہ ملتان کے حاکم سے لڑنے اور مورتی کو لے جانے کے ارادے سے چڑھائی کرتے ہیں تو مسلمان مورتی کو دشمن کی فوج کے سامنے نکال لاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ اس کو توڑ کر جلا ڈالیں گے، یہ دیکھ کر حملہ آور لوٹ جاتے ہیں۔ اگر مورتی کے ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو تو وہ ملتان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

ابودُلف[2] مِسعر بن مُہلہل جس نے ۳۳۱ھ / ۹۴۲ء میں ہندوستان کے بعض علاقوں کا دورہ کیا تھا۔ ہندوستان کے ساحلوں سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا، یہ ہندوستان کے ان آخری شہروں میں ہے جو سرزمین چین سے متصل ہیں اور ان اولین شہروں میں ہے جو ہمارے علاقے (خراسان و جبال) اور اراضی سندھ سے متصل ہیں۔ یہ ایک عظیم الشان شہر ہے، ہندوؤں اور چینیوں کی نظر میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے، وجہ یہ ہے کہ ملتان ان کی اہم ترین تیرتھ گاہ ہے اور یہاں ان کا وہ عبادتخانہ ہے جس کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مکہ کو مسلمانوں میں اور بیت المقدس کو عیسائیوں اور یہودیوں میں ہے۔ ملتان میں سب سے بڑا گنبد اور عظیم ترین مورتی پائی جاتی ہے۔ اس گنبد کی بلندی کوئی چار سو پچاس ہاتھ (تین سو ذراع) ہے اور مورتی کی جسامت گنبد کے اندر ڈیڑھ سو فٹ (سو ذراع)

---

[1] معجم البلدان یاقوت مصر پہلا ایڈیشن، ۵/۴۱۸ - ۴۱۹۔ [2] ابودُلف نے مورتی اور اس کے گنبد کے طول و عرض کے بارے میں جو اعداد و شمار دیے ہیں ان کی توثیق کسی عربی تحریر سے نہیں ہوتی، معجم البلدان کے صاحب نظر مصنف نے جو ابودُلف کے اس بیان کا ناقل ہے اس کے اعداد و شمار کو غلط قرار دیا ہے، ابودُلف ایک درباری شاعر اور ادیب

اور اس کے سر سے گنبد کی چھت ڈیڑھ سو فٹ (سو ذراع) بلند ہے، اسی طرح اس کے پیروں سے زمین کا فاصلہ ڈیڑھ سو فٹ (سو ذراع) ہے، مورتی قبہ کے بیچوں بیچ معلق ہے، نہ نیچے سے کسی بنیاد پر قائم ہے نہ اوپر سے کوئی چیز اس کو تھامے ہے۔

بیرونی :-

مشہور بتوں میں سے ملتان کا بت ہے، اس کا نام آدت ہے یعنی سورج۔ یہ بت لکڑی کا تھا اور اس پر بکری کی صاف کی ہوئی کھال چڑھی ہوئی تھی، اس کی آنکھیں لال یاقوت کی تھیں، ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ آخری کرتا جگ (دور خیر و فلاح) میں بنایا گیا تھا، فرض کرو کہ وہ کرتا جگ کے بالکل آخر میں بنا تو اس وقت سے ہمارے زمانہ تک ڈیڑھ لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس سال ہوتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے جب ملتان فتح کیا اور اس کی رونق اور دولت کے اسباب پر غور کیا تو دونوں کا سرچشمہ اسی بت کو پایا کیونکہ ہر سمت سے لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے۔ لہٰذا اس نے مناسب سمجھا کہ بت کو برقرار رکھا جائے تاہم بت کا مذاق اڑانے کے لئے اس نے اس کی گردن میں گائے کا گوشت لٹکا دیا اور اس کے پاس ایک جامع مسجد بنوا دی۔ جب قرامطہ کا ملتان پر تسلط ہوا تو ان کے حاکم جلم بن شیبان نے بت توڑ ڈالا اور اس کے پجاریوں کو قتل کر دیا اور بت خانہ کو جو ایک ٹیلہ پر اینٹ سے بنا ہوا قصر تھا محمد بن قاسم کی مسجد کو نظر انداز کر کے جامع مسجد بنا دیا اور بنو امیہ سے اپنی نفرت کو تسکین دینے کے لئے پہلی جامع مسجد بند کرا دی۔ جب امیر محمود نے اس علاقہ پر قرامطہ کا تسلط ختم کیا تو اس نے پہلی جامع مسجد میں پھر نماز جمعہ جاری کرا دی اور قرامطہ والی مسجد بند کرا دی اور آج اس میں مہدی کے پتوں کا کھلیان ہے۔

لہ کتاب الہند ص۸۵۔ لہ ایڈورڈ سخاؤ ایڈیٹر و مترجم کتاب الہند کی رائے ہے کہ بیرونی کے یہ اعداد صحیح نہیں ہیں۔ اس کے حساب سے کرتا جگ سے بیرونی کے وقت تک ایک لاکھ چونسٹھ ہزار سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ دیکھو انگریزی ترجمہ لندن ۱۹۱۰ء ۱۹۶/۲ تہ پیش نظر کسی دوسرے عربی ماخذ سے بیرونی کے اس قول کی تائید نہیں ہوتی۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ اس نے داستان کو رنگین بنانے اور اپنے درباری سامعین کو حیرت میں ڈالنے کے لئے اس غلو کا سہارا لیا تھا۔ ابودلف کی یہ تصریح بھی نادرست ہے کہ مورتی گنبد کے وسط میں معلق تھی نیز یہ کہ ملتان کی حد چین کی عملداری سے اور سندھ کی سرحد خراسان سے ملتی تھی۔

ادریسی[2]:

...... ملتان میں ایک مورتی ہے جس کی ہندو تعظیم کرتے ہیں اور دور دور سے اس کی یاترا کو آتے ہیں اور بطور تعظیم بہت سا روپیہ پیسہ، زیورات، خوشبودار اشیا اور دوسری بیش قیمت چیزیں جن کے ذکر سے قلم قاصر ہے اس پر چڑھاتے ہیں۔ مورتی کے نوکر چاکر ہیں اور پروہت جو اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں ان کو مورتی کے نذرانوں سے تنخواہ اور پوشاک دی جاتی ہے۔ ملتان کا نام مورتی کے نام پر ہے،[1] مورتی انسان کی ہم شکل ہے اور ایک پکے فرش پر پلتھی مارے بیٹھی ہے، آنکھیں چھوڑ کر اس کا سارا جسم لال کھال سے ڈھکا ہوا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مورتی لکڑی کی ہے اور بعض یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ بہرحال مورتی کا جسم کھلا نہیں رکھا جاتا، اس کی آنکھوں میں دو قیمتی پتھر لگے ہیں، سر پر سونے کا تاج ہے جس میں جواہرات جڑے ہیں، مورتی دوزانو بیٹھی ہے، اس کی باہیں گھٹنوں پر پھیلی ہوئی ہیں اور ہاتھ اس طرح رکھے ہیں گویا چار کی گنتی گن رہی ہو۔ ہندو اس مورتی کو بیحد مقدس سمجھتے ہیں۔

مورتی کا مندر ملتان کے ٹھیک بیچوں بیچ سب سے بارونق بازار میں واقع ہے، یہ ایک بڑا اور سجا ہوا گنبد ہے جو مستحکم بنیادوں اور ستونوں پر قائم ہے اس کی دیواروں پر رنگین کام ہے اور دروازے مضبوط ہیں، اس گنبد میں مورتی رکھی ہے، گنبد کے چاروں طرف کمرے ہیں جن میں مورتی کے نوکر چاکر اور پجاری رہتے ہیں۔

مورتی کے پروہتوں کو چھوڑ کر نہ کوئی ہندوستانی اس کی پوجا کرتا ہے نہ کوئی سندھی، یہ لوگ صرف اس کا حج کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس کی عظمت اور برکت کے معترف ہیں۔ ملتان کے پڑوسی راجہ جب شہر کو تباہ کرنے اور مورتی کو لے جانے کے قصد سے چڑھائی کرتے ہیں تو مورتی کے پروہت اس کو چھپا لیتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ اسے توڑ کر برباد کر دیں گے، حملہ آور راجاؤں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے تو وہ ملتان کو بغیر نقصان پہنچائے لوٹ جاتے ہیں، اگر مورتی نہ ہوتی تو ملتان برباد ہو جاتا، مورتی کے معتقد کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے

---

[1] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۵-۱۱۶ -

[2] مورتی کے بارے میں ادریسی کا بیان اصطخری کی المسالک والممالک سے ماخوذ ہے ... دیکھو فٹ نوٹ ۲ ص ۲۰۵

ملتان پر خدا کی رحمت ہے، یہی اعتقاد اس کی غیر معمولی تعظیم کا باعث ہے۔

مانکیر کی مورتی

ابن الندیم[1] :-

سب سے بڑا بت خانہ مانکیر[2] میں ہے۔ اس کی لمبائی سوا تین میل (ایک فرسخ) سے زائد ہے۔ مانکیر بلھرا[3] کا دار السلطنت ہے اور اس کا طول ایک سو تیس میل (چالیس فرسخ) ہے[4]۔ یہاں کے مکان ساگون بانس اور مختلف قسم کی لکڑی سے بنے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مانکیر میں عام لوگوں کے پاس ایک لاکھ ہاتھی ہیں جو سامان ڈھوتے ہیں۔ شاہی اصطبل کے ہاتھیوں کی تعداد ساٹھ ہزار ہے۔ مانکیر کے دھوبیوں کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار ہاتھی ہیں، یہاں کے مذکورہ مندر میں بیس ہزار مورتیاں ہیں جو مختلف دھاتوں سے بنائی گئی ہیں جیسے سونا، چاندی، لوہا، تانبا، پیتل، مختلف قسم کے پتھروں کے گندھے ہوئے سنگ ریزے اور ہاتھی دانت، مورتیوں پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہیں، راجہ ہر سال اس بت خانہ کی زیارت کو جاتا ہے، وہ اپنے محل سے پا پیادہ چلتا ہے اور صرف واپسی میں سوار ہوتا ہے، بتخانہ میں ایک مورتی ہے جس کی لمبائی اٹھارہ فٹ (بارہ ذراع) ہے، یہ مورتی سونے کے تخت پر رکھی ہے اور تخت ایک قبہ کے وسط میں ہے اور قبہ کی دیواروں پر مختلف قسم کے سفید پتھر اور لال پیلے، نیلے اور فیروزی یاقوت لگے ہوئے ہیں، اس مورتی پر ہر جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور اکثر ہندو سال کے ایک مقررہ دن خود اپنی جانیں بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

---

[1] فہرست ص۴۸۴ ۔ [2] مانکیر الکمید کی تعریب ہے، مالکمید راشٹرکوٹا راجاؤں کا پایۂ تخت تھا، موجودہ گلبرگہ کے قریب نربدا سے ۲۵۰ میل جنوب میں۔ [3] بلھرا، ولبھ رائے کا معرب ہے، بلھرا کو جو سیاستہا کے سبنی اور مہاراشٹر کے راشٹرکوٹا راجہ مراد ہیں جنہوں نے ۷۵۳ء سے ۹۷۵ء تک حکومت کی تھی، یہ راجہ شو اور وشنو کی پوجا کرتے تھے، بدھ مت سے ان کو کوئی عقیدت نہیں تھی۔ [4] یہ تصریح غلط معلوم ہوتی ہے، بڑے شہر عادۃً چند میل سے زیادہ لمبے نہیں ہوتے، اس بیان میں ہاتھیوں، گھوڑوں اور مورتیوں سے متعلق جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ بھی مبالغہ پر مبنی ہیں۔

سومنات

بیرونی:

منازل قمر کے بارے میں ہندوؤں کی رائے ہے کہ وہ پرجاپتی (پرجاپت) کی لڑکیاں ہیں، جن سے چاند نے شادی کر لی تھی۔ ان میں روہنی اسے بہت پسند آئی اور باقی بہنوں پر اسے ترجیح دینے لگا۔ دوسری بہنوں نے اپنے باپ پرجاپتی سے چاند کی شکایت کی، پرجاپتی نے چاند کو سمجھایا بجھایا اور کوشش کی کہ وہ سب بیویوں کو ایک سا چاہے لیکن اسے کامیابی نہیں ہوتی۔ ناراض ہو کر پرجاپتی نے چاند کو بددعا دی جس کے زیر اثر اس کے چہرہ پر کوڑھ کے داغ پڑ گئے۔ اب چاند اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور اپنے قصور سے توبہ کر کے پرجاپتی کے پاس آیا۔ پرجاپتی نے کہا: میری بددعا کا اثر زائل نہیں ہو سکتا، تاہم میں ہر ماہ پندرہ دن تمہارے اس عیب کو چھپا سکتا ہوں۔ چاند نے کہا: میرے سابقہ گناہ کا کفارہ کس طرح ہو؟ پرجاپتی: اس طرح کہ تم مہادیو (شو) کے لنگ (عضو تناسل) کا مجسمہ بنا کر اس کی خدمت کرو۔ چاند نے حکم کی تعمیل کی۔ مہادیو کا یہ لنگ سومنات کا پتھر ہے۔ سوم چاند کو کہتے ہیں اور نات کے معنی ہیں آقا ..... سندھ کے جنوب غربی شہروں کے بت خانوں میں مہادیو کا لنگ بکثرت پایا جاتا ہے لیکن سومنات کے لنگ کی سب سے زیادہ تعظیم کی جاتی ہے۔ اس کے غسل کے لئے ہر دن گنگا کا ایک گھڑا پانی لایا جاتا ہے اور کشمیر سے ٹوکرا بھر پھول۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ لنگ (کے دھوون سے) پرانی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور ہر قسم کے لاعلاج مرض ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ سومنات کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک بندرگاہ ہے، جہاں چین سے مشرقی افریقہ (سفالۃ الزنج) کے درمیان سفر کرنے والے مسافر آ کر قیام کرتے ہیں۔[1]

قزوینی (متوفی ۶۸۲ھ / ۱۲۸۳ء):

سومنات ہندوستان کا ایک مشہور ساحلی شہر ہے، جس میں سمندر کی موجیں گھس پڑتی ہیں۔ سومنات

---

[1] کتاب الہند ص۲۵۲-۲۵۳۔ [2] آثار البلاد ص۹۳۔ سومنات کا ذکر ابن اثیر نے تاریخ کامل میں بھی کیا ہے اور قزوینی کا بیان اُس کی اِس تشریح کو مستثنیٰ کر کے کہ سومنات ایک مورتی تھی جو ایر معلق، ابن الاثیر والے سے تقریباً بلفظہٖ ملتا جلتا ہے۔ ابن الاثیر نے سومنات کی شکل اور دولت کے بارے میں یہ مزید تفصیل دی ہے: سومنات (اگلے صفحہ پر)

کے عجائب میں سے ایک بتخانہ تھا جس کے وسط میں سومنات نامی مورتی کھڑی تھی۔ اسے نہ نیچے سے کوئی چیز تھامے تھی نہ اوپر سے۔ ہندو اس بت کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ جو اسے دیکھتا ہندو ہو یا مسلمان حیران رہ جاتا۔ ہندو چاند گرہن کی رات اس کی زیارت کرنے آتے تھے اور زائرین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو جاتی تھی۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ روحیں جسموں سے الگ ہو کر سومنات کے پاس جمع ہو جاتی تھیں اور وہ جن جسموں میں چاہتا روحوں کو منتقل کر دیتا تھا، جیسا کہ آواگون والوں کا عقیدہ ہے نیز یہ کہ سمندر بشکل مدوجزر مورتی کی عبادت کرتا تھا۔

ہندو عمدہ تحفے لیکر بت کی خدمت میں آتے تھے اور دس ہزار سے زیادہ گاؤں اس کے مصارف کے لئے وقف تھے۔ ہندوؤں کی ایک متبرک ندی (گنگا) ہے جو سومنات سے تقریباً ساڑھے چھ سو میل (دو سو فرسخ) کے فاصلہ پر بہتی ہے، اس کا پانی ہر دن لایا جاتا تھا اور اس سے مورتی کا کمرہ دھویا جاتا تھا۔ ایک ہزار برہمن اس کی عبادت اور زائرین کی خدمت پر مامور تھے (تین سو نائی زائرین کا سر اور داڑھی مونڈتے تھے اور تین سو مردادر) پانچسو لونڈیاں بت کے دروازے پر گاتی اور ناچتی تھیں۔ ان سب کے مصارف مورتی کے اوقاف سے پورے ہوتے تھے۔ مندر ساگون کے چھپن ستونوں پر قائم تھا، جن پر سیسے کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ مورتی والے گنبد نما ہال میں چراغ نہیں جلتا تھا، اس میں روشنی عمدہ جواہرات کی قندیلوں سے ہوتی تھی۔ مورتی کے قریب سونے کی دوسو من جاری ایک زنجیر تھی، جب رات کا ایک پہر گزرتا تو زنجیر کھینچی جاتی جس سے گھنٹے بجنے لگتے اور برہمنوں کی ایک جماعت عبادت کے لئے بیدار ہو جاتی۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ) دس فٹ لمبے پتھر سے بنا تھا، اس کا چھ فٹ حصہ گول تھا اندر کے سامنے باقی چار فٹ زمین کے اندر دبا ہوا تھا، اس کی کوئی شکل وصورت نہیں تھی، اس کے خزانے میں سونے چاندی کے کافی بت تھے جن پر جواہرات کے مرصع پردے آویزاں تھے، ہر بت کسی بڑے ہندو کا عطیہ تھا۔ خزانہ کی مورتیوں اور دیگر سامان کی قیمت دس کروڑ روپے سے زیادہ تھی۔ تاریخ کامل ۹/۱۱۹۔ محمود غزنوی نے ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں چڑھائی کر کے سومنات کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور بت خانہ کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا تھا۔

دِمشقی[1] (متوفی ۷۲۷ھ) :-

گجرات کے ساحل سے ملک لار[2] کا ساحل متصل ہے اور یہ سومنات کی مملکت ہے۔ سومنات سارے لار کا پایۂ تخت اور ایک وسیع ساحلی شہر ہے جہاں ہندو عالم اور عابد موجود رہتے ہیں۔ اسی جگہ وہ بُت[3] ہے جس کی ہندو عبادت[4] کرتے ہیں..... ہندوؤں کی ایک جماعت کے مطابق بت عبارت ہے پتھر کی مورتی سے اور ایک دوسری جماعت کی رائے میں وہ مرد کے عضو تناسل اور عورت کی شرمگاہ پر مشتمل ہے اور یہ دونوں عضو پتھر یا سونے یا لوہے سے بنائے جاتے ہیں۔ ہندو ان دونوں عضووں کو انسانی بقا[5] کی علت قریبہ قرار دیتے ہیں۔ مورتی سونے کی ایک کرسی پر رکھی ہے اور سرے کرسی تک اس پر خوب مشک تھپا ہوا ہے۔ یاقوت اور دوسرے قسم کے قیمتی پتھروں کی ایک مالا اس کی گردن میں پڑی ہے۔ اس کے سامنے سونے کی تھالیں اعلیٰ قسم کے جواہرات سے پُر رکھی ہوتی ہیں۔ کرسی ایک گول چبوترہ پر نصب ہے جس پر بیک وقت دس آدمی بیٹھ سکتے ہیں، چبوترہ سے متصل ایک دوسرا گول چبوترہ ہے چار فٹ لمبا اور دو فٹ[6] چوڑا اور پہلے سے زیادہ کشادہ، اس کے نیچے اسی طرح کے نو اور گول چبوترے ہیں اور ہر چبوترہ انسانی شکل کی مورتیوں سے بھرا ہوا ہے، چبوتروں پر چڑھنے اترنے کے لئے چھوٹی سیڑھیاں ہیں جن سے ہو کر مورتی کے خدمت گار آتے جاتے ہیں..... سومنات کے بت کے لئے ہر روز ہزار دیگ[7] چاول پکتے تھے اور بت کے سامنے گرم گرم ایک دسترخوان پر پھیلا دئے جاتے تھے۔ اس کے بعد مندر

---

[1] نخبۃ الدھر صفحہ ۱۷۱۔ متن میں کئی جملے غلط، ادھورے اور بے تکے ہیں ہم نے ان کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔

[2] متن کا الار، اللار کی تحریف ہے۔ [3] دِمشقی نے بہت پہلے سومنات کا لنگ محمود غزنوی کے ہاتھوں تباہ ہو چکا تھا، اس لئے دِمشقی کا بیان نویں یا دسویں صدی کے کسی مؤلف سے ماخوذ سمجھنا چاہیئے۔ [4] اس کی عبادت نہیں تنظیم کی جاتی تھی، جیسا کہ بیرونی نے لکھا ہے۔

[5] متن کا اتحاد ہماری رائے میں ابقاء کی تحریف ہے۔

[6] متن میں لمبائی دو فٹ اور چوڑائی چار فٹ درج ہے، ہم نے ترجمہ میں اسے الٹ دیا ہے۔

[7] متن میں قدلک جگہ قد ہے جس سے کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔

کی کنواری دیوداسیاں ڈھول، جھانجھ، دوسرے سازاور سنکھ جوسیپی، سینگ اور پیتل کے ہوتے ہیں بجانے لگتی تھیں۔ چاول والے کمرہ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کی بھاپ نکل جاتی ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ بھاپ ان روحوں کی غذا ہے جو جسموں کے فنا ہونے پر اس کے پاس آکر پناہ لیتی ہیں نیز یہ کہ مورتیوں کے تابع ایسے روحانی وجود بھی ہیں جن کی غذا چاول کی بھاپ ہے۔ جب بھاپ نکل چکتی ہے تو کمرہ کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور چاول مندر کے خادموں اور کھانا پانے والے غریبوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔

شادی بیاہ

بیرونی:۔

شادی بیاہ سے متعلق ہر قوم میں کچھ رسمیں ہوتی ہیں، خاص طور سے ان اقوام میں جو الہٰی شریعت اور ضابطے رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں شادی بچپن میں ہوتی ہے، اس لئے خود والدین بچوں کا عقد کرتے ہیں۔ برہمن قربانی کی رسمیں انجام دیتے ہیں، ان کو اور دوسرے مستحق لوگوں کو خیرات دی جاتی ہے اور گا بجا کر خوشیاں منائی جاتی ہیں، لڑکے کی طرف سے لڑکی کا مہر نہیں باندھا جاتا بلکہ لڑکا حسب حیثیت لڑکی کو تحفے تحائف دیتا ہے جن کا واپس لینا جائز نہیں اِلّا یہ کہ لڑکی شوہر کے دیئے ہوتے تحفے خوشی سے اسے ہبہ کر دے۔

ہندوؤں میں طلاق نہیں ہے، اس لئے میاں بیوی موت سے پہلے الگ نہیں ہوسکتے۔ مرد چار تک شادیاں کر سکتا ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں اگر چار میں سے کوئی مر جائے تو اس کی جگہ پُر کی جاسکتی ہے۔ ہندوؤں کے معاشرے میں شادی کے معاملے میں غیروں کو ترجیح دی جاتی ہے اور دور کا رشتہ قریبی رشتہ دار سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اولاد، اولاد کی اولاد کی لڑکیوں، نیز ماں، نانی، دادی اور ان کی ماؤں سے شادی قطعاً حرام ہے۔ اسی طرح بہن، بھانجی، پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیوں سے بھی شادی

---

[1] کتاب الہند ص ۲۷۵۔

نہیں ہو سکتی لیکن پانچ پیڑھیوں کے بعد حرمت زائل ہو جاتی ہے اور صرف کراہت باقی رہ جاتی ہے۔

بعض ہندو فقیہ ہر ذات کے لئے بیویوں کی تعداد الگ الگ مقرر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک برہمن چار شادیاں کر سکتا ہے، چھتری تین، ویش دو اور شودر صرف ایک۔ ہر ذات کے لئے اپنی برادری اور اس سے فروتر ذات کی عورتوں سے شادی جائز ہے لیکن اپنے سے اونچی ذات میں شادی کرنا ممنوع ہے۔ اولاد ماں کی ذات کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ مثلاً برہمن کی عورت اگر برہمن ہے تو اس کی اولاد بھی برہمن ہوگی اور اگر شودر ہے تو اولاد بھی شودر ہوگی۔ ہمارے ہم عصر برہمن اگرچہ ان کے لئے دوسری ذاتوں میں شادی جائز ہے تاہم عملاً اپنی ہی ذاتوں میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔

ستی

جب عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی۔ اس کیلئے دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عمر بھر بیوہ رہے یا آگ میں جل کر مر جائے اور یہی صورت مرجح ہے کیونکہ شوہر کے بعد ساری عمر کی مصیبت سے اس طرح چھٹکارا ہو جاتا ہے۔ ہندو راجاؤں کا دستور ہے کہ ان کے بعد ان کی رانیاں ستی ہو جاتی ہیں خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں۔ ستی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ جنسی لغزش سے محفوظ رہیں جس کی شاذ و نادر ہی نوبت آتی ہے۔ شاہی گھرانے کی صرف بوڑھی بیوائیں اور بال بچے دار عورتیں جن کی اولاد ان کی کفالت کے لئے تیار ہو چھوڑ دی جاتی ہیں۔

حلال و حرام[1]

عیسائیوں اور مانویوں[2] کی طرح ہندوؤں کے مذہب میں بھی جان لینا ممنوع ہے۔ لیکن چونکہ عام لوگوں میں گوشت سے رغبت پائی جاتی ہے، اسلئے انہوں نے تحریمی حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے عملاً گوشت سے اجتناب صرف برہمنوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے جن کو مذہب سے گہرا واسطہ ہے اور جن کو

---

[1] کتاب الہند ص ۲۷۶-۲۷۸

[2] فارسی پیغمبر مانی کی پیرو۔

مذہب اتباع شہوت سے روکتا ہے ... گوشت خود ہندوؤں کے لئے بعض جانوروں کا گلا گھونٹ کر مارنا مباح ہے طبعی موت مرنے والے مباح جانوروں کا گوشت جائز نہیں۔ جن جانوروں کا گوشت جائز ہے وہ یہ ہیں :-

بکری، بھیڑ، ہرن، خرگوش، گینڈا، بھینس، مچھلی، خشکی اور دریا کے پرندے جیسے چڑیا، فاختہ، تیتر، کبوتر، مور اور ایسے جانور جن کی حرمت کی تصریح نہ کی گئی ہو اور جن کا گوشت کھانے سے دل کو کراہت بھی نہ ہوتی ہو۔

وہ جانور جن کا گوشت صراحتہً ممنوع قرار دیا گیا ہے یہ ہیں :-

گائے، گھوڑا، خچر، گدھا، اونٹ، ہاتھی، پالتو مرغی، کوا، طوطا اور مینا۔ ان کا انڈا بھی حرام ہے۔

ہندوؤں کے مذہب میں شراب خوری جائز نہیں البتہ شودر شراب پی سکتا ہے لیکن جس طرح گوشت بیچنا شودر کے لئے ممنوع ہے اسی طرح شراب فروشی کی بھی اس کو اجازت نہیں ہے۔

بعض ہندو علماء کی رائے ہے کہ مہابھارت سے پہلے گائے کا گوشت جائز تھا اور بعض قربانیوں میں گائے ماری بھی جاتی تھی لیکن مہابھارت کے بعد جب فرائض کی انجام دہی میں لوگوں سے کوتاہی واقع ہونے لگی تو گائے حرام کر دی گئی۔ بعض دوسرے باخبر ہندوؤں کو میں نے کہتے سنا کہ حرمت کی وجہ یہ ہے کہ برہمنوں کو گائے کے گوشت سے نقصان ہوا، ہندوستان کی آب و ہوا گرم ہے اور یہاں اندرونی جسم ٹھنڈا رہتا ہے اور حرارت غریزی نیز ہاضمہ کمزور، ان دونوں کو کھانے کے بعد پان اور چھالیہ چبا کر تقویت پہنچاتے ہیں۔ پان اپنی گرمی سے حرارتِ غریزی کو ابھارتا ہے اور چونا رطوبت خشک کرتا ہے، سپاری دانتوں اور مسوڑوں کو مضبوط کرتی ہے اور معدہ کو سدھارتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ گائے کی حرمت کا سبب ان دو باتوں میں سے ایک تھا :-

معاشی مصلحت۔ گائے (مراد بیل) ایک ایسا جانور ہے جو سفر کے وقت سامان اور بھاری چیزیں

لہ متن میں شارک بروزن ناوک ہے جس کے بارے میں مؤلف برہان قاطع لکھتا ہے کہ وہ ایک کالا پرندہ ہے جو طوطی کی طرح باتیں کرتا ہے، ہمارے خیال میں مینا پر یہ تصریح صادق آتی ہے۔

اٹھا کر لے جاتا ہے اور زمین جوتتا ہے۔ گائے دودھ دیتی ہے جس سے مختلف کھانے کی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ اس کے گوبر سے اپلے تھوپے جاتے ہیں اور جاڑوں میں اس کی سانس تک سے گرمی حاصل کی جاتی ہے اتنے جامع فوائد والے جانور ہونے کے باعث اس کا مارنا ممنوع کر دیا گیا ہے جس طرح گورنر عراق حجاج بن یوسف (م ۹۵ھ) نے گاؤکشی اس وقت بند کرا دی تھی جب اس کو معلوم ہوا کہ گائے کی قلت تعداد کی وجہ سے عراق کے دیہاتوں کی زراعت تباہ ہوتی جا رہی ہے[1]۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ ہندوؤں کی بعض کتابوں میں ہے کہ تمام اشیا کی حیثیت یکساں ہے اور حلال و حرام ہونے میں سب چیزیں برابر ہیں۔ ان کی کتابوں میں میں نے خود بھی اسی قسم کا مضمون پڑھا ہے لیکن اس اصول پر عمل وہ بالغ نظر علماء ہی کر سکتے ہیں جن کے نزدیک برہمن اور چنڈال دونوں برابر ہیں۔ جب وہ بالغ نظری کے اس درجے پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کی نظر میں سب اشیاء برابر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حلال چیزوں سے وہ مستغنی ہو جاتے ہیں اور حرام سے ان کو رغبت نہیں رہتی لیکن وہ لوگ جو جہالت کے غلبے کے باعث ہر اچھی بری چیز کی طرف لپکتے ہیں، ان کے لیے بعض چیزیں قانوناً حلال اور بعض قانوناً حرام کر دی جاتی ہیں۔

جُرم و سزا

ہندوؤں کے بنیادی اخلاقی اقدار عیسائیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ اقدار بھلائی کرنے، بُرائی سے بچنے، قتل سے مطلق اجتناب، چادر چھیننے والے کے پیچھے قمیص پھینکنے، ایک گال پر چانٹا مارنے والے کے سامنے دوسرا گال پیش کرنے اور دشمن کو دعاء خیر دینے پر مبنی ہیں۔ میری جان کی قسم یہ نہایت عمدہ سیرت ہے لیکن دنیا والے سب کے سب فلسفی نہیں ہوتے، انہیں سے بیشتر جاہل اور گمراہ ہیں جن کو کوڑا اور تلوار ہی سیدھا رکھ سکتی ہے۔ اسی لئے ہندوؤں کو بھی تشدد اور سزا کا سہارا لینا پڑا۔ وہ بتاتے ہیں کہ پرانے زمانے میں جب حکومت اور جنگ دونوں کی زمام برہمنوں کے ہاتھ میں تھی تو بدنظمی پیدا ہو گئی تھی اور

---

[1] کتاب میں دوسرے سبب کا ذکر نہیں ہے۔ [2] کتاب الہند ص ۲۸۰-۲۸۱۔

جرائم پھیل گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ برہمن (حلم، آشتی اور نرمی کے عقلی اصولوں کے مطابق جیسا کہ مذہبی کتابوں کا تقاضا تھا) حکومت کرتے تھے لیکن یہ طریقے مفسدوں اور بدمعاشوں کو قابو میں رکھنے کے لئے موثر ثابت نہ ہوسکے اور دینی معاملات سے عہدہ برآ ہونا تقریباً ان کے بس سے باہر ہوگیا لہٰذا انہوں نے خدا سے التجا کی تو برہما نے مذہبی معاملات ان کے لئے مخصوص کردیئے اور حکومت اور جنگ کے شعبے چھتریوں کو سونپ دیئے۔ اس تبدیلی سے برہمن کی روزی سوال اور گداگری پر موقوف ہوگئی اور جرائم کی سزا دینے کا اختیار علماء کی بجائے حاکموں کو ہوگیا۔

ہندوؤں کا قانونِ قتل یہ ہے کہ اگر قاتل برہمن ہو اور مقتول غیر برہمن تو اس پر قتل واجب نہیں ہوتا بلکہ کفارہ دینا کافی ہے اور کفارہ روزہ، نماز اور خیرات کے ذریعہ ادا ہوجاتا ہے لیکن اگر مقتول بھی برہمن ہو تو اس کو سزا آخرت میں ملیگی، کفارہ کافی نہیں ہوگا کیونکہ کفارہ سے گناہ دھل جاتے ہیں اور برہمن کا گناہِ کبیرہ کسی کفارہ سے زائل نہیں ہوسکتا۔ برہمن کا قتل جو برہمن ھَت کہلاتا ہے سب سے بڑا گناہ ہے، اس کے بعد گائے کا قتل پھر شراب پینا پھر زنا، خاص طور سے باپ یا گرو کی بیوی کے ساتھ۔ ہندو معاشرے میں برہمن یا چھتری کو قتل کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ حاکمِ وقت ان کی دولت بحقِ سرکار ضبط کرکے اپنی قلمرو سے باہر نکال دیتے ہیں۔ غیر برہمن اور غیر چھتری اگر ایک دوسرے کو قتل کردیں تو کفارہ سے جرم کی تلافی ہوسکتی ہے لیکن حاکم عبرت کے لئے قاتل کو موت ہی کی سزا دیتے ہیں۔

زنا، شراب

ابن رستہ[2] (سالِ وفات غیر معین، سالِ تالیف ۲۹۰ھ/۹۰۳ء):-

ابوعبداللہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ زنا کو جائز قرار دیتے ہیں۔ سوائے راجہ کمبوڈیا (قمار) کے جس کی راجدھانی میں اس کے پاس دو سال تک مقیم رہا میں نے کسی

---

[1] متن کا ذکی العیث والزعارۃ (بالزای)، ہماری رائے میں الدّعارۃ بالدال المہملۃ کی تصحیف ہے۔

[2] الاعلاق النفیسہ طبع ڈی غوئے لائڈن صہ ۱۳۲-۱۳۴۔

بادشاہ کو اس کی طرح شراب کے معاملہ میں غیر تشدد اور سخت گیر نہیں پایا۔ وہ زانی اور شرابی دونوں کو قتل کی سزا دیتا ہے۔ ہندوستان کے جتنے راجاؤں سے میں ملا اور جن جن سے میں نے تجارت کی ان میں سے کوئی بھی زیادہ شراب نہیں پیتا ہے سوائے لنکا کے راجا بھل کے۔ اس کے لئے عرب ممالک سے (بڑھیا) شراب منگائی جاتی ہے۔

میں نے ہندوستان کے تاجروں بلکہ سارے ہندوؤں کو دیکھا کہ وہ تھوڑی شراب پیتے ہیں نہ زیادہ بلکہ وہ تو سرکہ تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کا سرکہ پکے ہوئے چاولوں کی پیچ سے بنتا ہے، اس کو اتنا ترش کر لیتے ہیں کہ وہ عام سرکہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان شراب پیتا ہے تو وہ ہندوؤں کی نظروں میں گر جاتا ہے اور وہ اس کا پاس لحاظ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس شخص کی اپنے دیس میں کوئی عزت و منزل نہیں ہوگی جب ہی وہ ایسا کام کرتا ہے۔ ہندوؤں کا شراب سے اجتناب کسی مذہبی جذبہ کا مرہون نہیں ہے[1]

ابن خُردادبہؒ:-

ہندوستان کے راجہ اور عام لوگ زنا کو مباح اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن راجہ کمبوڈیا (قمار) کی نظر میں زنا اور شراب دونوں حرام ہیں۔ لنکا کا راجہ شراب پیتا ہے، اس کے لئے عراق سے شراب منگائی جاتی ہے۔

بزرگ بن شہریار (م ۳۹۹ھ / ۱۰۰۹ء)[2]:-

ہندو مذہب میں مردوں کیلئے شراب حرام ہے لیکن عورتیں پی سکتی ہیں، بعض ہندو چھپا چوری بھی شراب پی لیتے ہیں۔[3]

مسعودیؒ:

---

[1] یہ خیال صحیح نہیں۔ بیرونی کی تحقیقی رائے جس کا عنقریب ذکر آتا ہے اس خیال کی تردید کرتی ہے۔

[2] المسالک والممالک ص ۶۶-۶۷

[3] عجائب الہند ص ۱۵۸۔

[4] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۱/۱۱۵ - ۱۱۶ -

ہندو شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جو شخص شراب پیتا ہے اس کو ڈانٹتے پھٹکارتے ہیں ایسا کسی مذہبی ممانعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس صورتِ حال سے بچنے کے لئے ہے کہ عقل معطل نہ ہو جائے اور اپنے فرائض انجام دینے سے قاصر رہے۔ اگر تحقیق سے ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کا راجہ شراب پیتا ہے تو وہ معزولی کا مستحق ہو جاتا ہے کیونکہ جب حاکم کا دماغی توازن شراب کے نشے سے خراب ہو جاتے وہ تدبیر و سیاست کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ کبھی ہندو لڑکیوں کو شراب پلا کر ان میں سرخوشی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں اور اس کو دیکھ کر خود بھی مسرور رہتے ہیں۔

بیرونی[۱]۔

لوگوں کا خیال ہے کہ ہندو مذہب میں زنا جائز ہے لیکن یہ صحیح نہیں، البتہ ہندو زنا کی سزا کے معاملہ میں زیادہ سختی نہیں برتتے اور اس کی ساری ذمہ داری ان کے راجاؤں پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ مندروں میں جو عورتیں رکھی جاتی ہیں ان کا مقصد گانا، ناچنا اور دل بہلانا ہوتا ہے، نہ تو برہمن اس کے علاوہ ان کے حق میں اور کچھ پسند کرتا ہے نہ پجاری لیکن راجاؤں نے ان کو شہروں کی آرائش نیز لوگوں کی خوشی اور فراخ روی کا آلہ کار بنا دیا ہے۔ ایسا کرنے میں ان کا مقصد خزانہ کی آمدنی بڑھانا ہے تاکہ وہ روپیہ جو فوج پر خرچ ہوتا ہے اس کی بازیافت مندروں کی دیو داسیوں کے جرمانوں اور ٹیکسوں سے ہو جائے۔ سلطان عضد الدولہ (متوفی ۳۷۲ھ[۲]) نے بھی اسی پالیسی پر عمل کیا تھا (یعنی شیراز میں چکلے کھول دیئے تھے اور رنڈیوں سے ٹیکس وصول کرتا تھا)، اس کے علاوہ سلطان کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ بن بیاہے فوجیوں کی دست درازیوں سے رعایا کی بہنیں اور مائیں محفوظ رہیں۔

ابن فضل اللہ عمری[۳] (م ۷۴۹ھ):-

---

[۱] کتاب الہند ص ۲۸۹۔

[۲] دیکھو احسن التقاسیم مقدسی طبع دی خوئے لائیڈن ص ۴۴۹۔

[۳] مسالک الابصار قلمی، دار الکتب قاہرہ ۲/ ۱۱۔

مجھ سے ابو محمد حسن بن عمرو نے بیان کیا کہ ہندوستان کے ہر شہر میں کسبیاں پائی جاتی ہیں لیکن ان کے مخصوص گھرانے ہوتے ہیں، اُن کے علاوہ باقی لوگ ضبطِ نفس اور عفت پر سختی سے قائم رہتے ہیں اس مرد کو سخت ترین سزا دی جاتی ہے جو غیر کسبی سے زنا کرے اور اس عورت کو بھی سخت سزا ملتی ہے جو ان کسبیوں میں سے نہ ہو جن کے نام علاقہ کے حاکم کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں، غیر کسبی عورت اگر کسبی بننا چاہے تو اس کے گھر والے اس سے سارے رشتے ناتے توڑ لیتے ہیں اور اس سے قطع تعلق کی تحریر لکھ دیتے ہیں اور گھر سے نکال دیتے ہیں اور کبھی اس کو سلام نہیں کرتے، وہ عورت کسبی ہو جاتی ہے لیکن اس کا رتبہ پیشہ ور بوڑھی کسبیوں سے کم ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ہر شہر میں وہ بوڑھی کسبیاں گواہی دیتی ہیں جن کی مائیں اور نانیاں کسبی تھیں، ان کی بات اور گواہی ہر معاملہ میں قبول کی جاتی ہے، جب کوئی مرد کسی کسبی سے اپنے ساتھ رات گزارنے کا وعدہ لے اور اس کو ایڈوانس دے دے تو پھر اگر اس کسبی کو کوئی دوسرا مرد اس رات کے لئے دگنی چوگنی فیس بھی پیش کرے تو وہ اس کے ساتھ رات نہیں گذارتی اور پہلے کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرتی ہے۔

چوری

بزرگ بن شہریار[1]:

ہندوؤں کی نظر میں چوری بڑا جرم ہے، اگر کوئی نیچی ذات کا یا غریب ہندو چوری کرے تو حاکم اسے قتل کر دیتا ہے اور اگر وہ مالدار ہو تو راجہ اس کی ساری دولت ضبط کر لیتا ہے یا اس پر بڑا جرمانہ لگا دیتا ہے، اسی طرح اس شخص سے بھاری جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو جان بوجھ کر چوری کا

---

[1] مراد مُغری نہیں بلکہ عجائب الہند کا مولف بزرگ بن شہریار ہے جس نے دسویں صدی عیسوی کے اوائل میں بصرہ کے اس سیاح سے ہندوستان کے بارے میں کافی معلومات زبانی اخذ کر کے عجائب الہند میں نقل کر دی تھیں لیکن یہ اطلاع عجائب الہند کی پہلی مطبوعہ اڈیشن میں ہماری نظر سے نہیں گزری۔

[2] عجائب الہند ص ۱۶۰، ۱۶۱ و ص ۱۶۲۔

کا مال خرید لے۔ ہندوؤں کے ہاں چوری کی سزا قتل ہے۔

اگر کوئی مسلمان ہندوستان میں چوری کرتا ہے تو اس کا معاملہ ہزمند (ہزمن) کے سپرد کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلامی قانون کے مطابق اس کو سزا دے۔ ہندوستان میں ہزمند کے وہی اختیارات و فرائض ہیں جو اسلامی ممالک میں قاضی کے ہوتے ہیں، ہزمند کے عہدہ پر صرف مسلمان ہی مقرر کیا جاتا ہے۔

محمد عمانی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے (جنوبی) ہندوستان کے شہر جرتن (برتن) میں ایک ہندو لڑکا دیکھا جو چوری یا کسی دوسرے جرم میں ماخوذ تھا اور جس کے خلاف وہاں کے راجہ نے کھال اتارنے کا حکم دیا تھا۔ لڑکے کی کھال اتاری جارہی تھی لیکن وہ باتوں اور گانے میں مصروف تھا، اس کی زبان پر آہ تھی نہ فریاد لیکن جب اس کی ناف کی کھال کٹی تو وہ برداشت نہ کر سکا اور جان دے دی۔

مُطہر بن طاہر مقدسی (سال تالیف ۹۶۶ء):۔

چور، رہزن اور ان لوگوں کی سزا جو ہندوؤں کے بچوں کو پکڑ کر غلام بنالیں اور پھر ان کے ہاتھ آجائیں یہ ہے کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے۔ بعض راجہ ان مجرموں کو پھانسی کی سزا دیتے ہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک لکڑی کا سر نکیلا کر کے مجرم کے سُرین سے اوپر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں لواطت کی سزا بھی قتل ہے۔

جو ہندو مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر وطن آجاتا ہے اس کو ہندو معاشرہ میں اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک اس کو پاک صاف نہیں کر لیتے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سر اور سارے جسم کے بال مونڈ دیئے جاتے ہیں، پھر گائے کا پیشاب، گوبر گھی اور دودھ کئی دن تک اس کو کھلایا پلایا جاتا ہے، اس کے بعد اس کو گائے کے پاس لایا جاتا ہے اور وہ اس کو سجدہ کرتا ہے[3]۔

---

[1] ملابار ساحل کا ایک شہر کالی کٹ کے شمال میں

[2] البدء والتاریخ، پیرس ۱۹۰۷ء، ۴/۱۲۰

[3] متن میں یُقْبلوہ کی جگہ یقتلوہ ہے۔ اس موضوع پر بیرونی کی تحقیقی رائے صفحہ باسٹھ پر ملاحظہ ہو۔

بیرونی:

چوری کی سزا چرائی ہوئی چیز کی قیمت کے مطابق ہوتی ہے، کبھی سخت سزا ضروری ہوتی ہے کبھی اوسط درجے کی، کبھی ڈانٹ پھٹکار اور جرمانہ پر اکتفا کیا جاتا ہے اور کبھی چور کی رسوائی اور تشہیر کافی سمجھی جاتی ہے۔ اگر چوری بڑی ہو اور برہمن نے کی ہو تو حاکم برہمن کی آنکھیں نکلوا دیتا ہے یا اس کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ ڈالتا ہے، چھتری کا صرف ہاتھ پیر کاٹا جاتا ہے، اس کی آنکھیں نہیں نکلوائی جاتیں، دوسری ذات کے چور کو قتل کر دیتے ہیں، بدکاری کی سزا میں عورت کو شوہر کے گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔

میں نے سنا تھا کہ جو ہندو غلام اسلامی قلمرو سے وطن بھاگ آتے ہیں ان پر کفارہ کے لئے روزے عائد کئے جاتے ہیں، ان کو کئی دن تک گائے کے گوبر، پیشاب اور دودھ میں رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ ان چیزوں میں خمیر اٹھنے لگتا ہے، پھر ان کو اس مرکب سے نکالا جاتا ہے اور گوبر، پیشاب اور دودھ جیسی چیزیں ان کو کھلائی جاتی ہیں، اس رپورٹ کی تحقیق کے لئے میں نے برہمنوں سے رجوع کیا تو انہوں نے اس کی تردید کی اور کہا کہ مفرور غلام کے لئے نہ تو کوئی کفارہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ اس کو سابق حالت میں واپس آنے کی مذہب اجازت دیتا ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لئے کہ جب برہمن شودر کے گھر کئی دن کھانا کھائے تو اپنی ذات سے نیچے گر جاتا ہے اور پھر کبھی اس میں واپس نہیں آسکتا۔[1]

ٹھگی

بزرگ بن شہریار:

محمد بن مسلم سیرانی نے جو بیس برس سے زیادہ سفانہ[3] (تانہ) میں مقیم رہا تھا اور ہندوستان کے بیشتر علاقوں کا سفر کر کے وہاں کے باشندوں کے حالات اور معاملات سے اچھی طرح واقف ہو گیا تھا

---

[1] کتاب الہند صـ ۲۸۱ ۔ [2] عجائب الھند صـ ۱۵۲ ۔

[3] بمبئی کے شمال میں ایک اہم تجارتی بندرگاہ۔

مجھ سے بیان کیا کہ بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی چول (مینتور) اور تھانہ (تانہ) آئی اور ایک ہندو تاجر کو جس کا باپ خوب مالدار تھا پکڑ لیا۔ اس سانحہ سے باپ پر سنگین مصیبت آپڑی، کیونکہ اس کا صرف یہی ایک لڑکا تھا ٹھگوں نے گھر میں گھس کر لڑکے کو حراست میں لے لیا تھا اور پچاس ہزار روپے (دس ہزار دینار) یا اس کے لگ بھگ طلب کر رہے تھے۔ یہ رقم باپ کی دولت کے ایک حصے کے بقدر تھی، لڑکے کے باپ کو اس مصیبت کی خبر بھیجی اور درخواست کی کہ مطلوبہ رقم دیکر اس کو چھڑالے باپ ٹھگوں سے ملا اور منت سماجت کی کہ پانچ ہزار روپے (ہزار دینار) یا کم و بیش لے کر لڑکے کو چھوڑ دیں لیکن وہ تیار نہ ہوئے اور پچاس ہزار پر اڑے رہے۔ مجبور ہو کر تاجر علاقہ کے حاکم کے پاس گیا اور اس کو حالات سے مطلع کیا اور کہا کہ اگر ان ٹھگوں کی خبر نہ لی گئی تو کسی تاجر کا اس کی عملداری میں رہنا مشکل ہے۔ حاکم نے کہا، ٹھگوں کو دفع کرنے کی کیا صورت ہے؟ اگر ہم ان سے کچھ کہتے ہیں تو وہ تمہارے لڑکے کو قتل کر دیں گے۔ تاجر: تو پھر کیا کیا جائے! حاکم: میرے لئے ان ٹھگوں کو قتل کرنا آسان ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے لڑکے کو قتل کر دیں گے جس کے سوا تمہارے کوئی اور ولد بھی نہیں ہے۔ تاجر: مجھے اس کی پرواہ نہیں، ان کا مطالبہ بہت زیادہ ہے، میں مناسب نہیں سمجھتا کہ جس طرح بھی ہو لڑکے کی جان بچا کر خود کو قلاش کر ڈالوں۔ میری رائے ہے کہ گھر کے چاروں طرف لکڑیاں جمع کر کے اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا جائے اور ٹھگوں کو جلانے کے لئے آگ لگا دی جائے۔ حاکم: اس طرح تو تمہارا لڑکا اور سارے گھر والے جل جائیں گے۔ تاجر: ان کا جل مرنا مجھے گوارا ہے لیکن اپنی دولت کا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ حاکم نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ جا کر دروازہ گھیر لیا اور اس میں آگ لگا دی، ٹھگ، تاجر کا لڑکا، گھر والے بلکہ اس کی ہر چیز جل گئی۔

ہندوستان میں ٹھگ ہوتے ہیں، وہ ٹولیاں بنا کر شہر شہر پھرتے ہیں اور مالدار تاجروں پر خواہ وہ ملکی ہوں یا پردیسی ہاتھ صاف کرتے ہیں تاجر کو اس کے گھر جا کر یا بازار یا راستہ میں پکڑ لیتے ہیں۔

لے ایک تجارتی بندرگاہ بمبئی سے تیس میل شمال میں۔ ؎ عجائب الهند ص ۱۵۲-۱۵۱۔

؎ متن میں فیعبثون علیه ہے، ہماری رائے میں فیتبثون ہونا چاہیے۔

اور خنجر نکال کر کہتے ہیں: اتنا اتنا دلواؤ ورنہ قتل کر دیں گے۔ اگر بچانے کے لئے کوئی آدمی یا حکومت کا فوجی آتا ہے تو اس کو قتل کر دیتے ہیں بچانے والے کے پاس وہ خود قتل کر دیئے جائیں تو اسکی بھی انہیں پروہ نہیں ہوتی یا اسکے قتل کرنے کے بعد انہیں اپنے ہاتھ سے خود کو قتل کرنا پڑے تو اس کے لئے بھی وہ تیار رہتے ہیں۔ جب وہ کسی سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو جان کے خوف سے کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ ان سے بات کرے یا ان کے آڑے آئے تاجر یا مال دار آدمی ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور وہ جہاں چاہتے ہیں۔ اس کے بازار، گھر، دکان یا اس کے باغ میں بیٹھ جاتے ہیں اور مال دار آدمی مقررہ رقم اور سامان جمع کرتا ہے، اس اثنا میں وہ ننگے خنجر لئے کھاتے پیتے رہتے ہیں، تاجر یا مال دار آدمی جب مال و متاع جمع کر لیتا ہے تو اس کو اٹھانے کے لئے قلی فراہم کرتا ہے اور ٹھگوں کی حراست میں ان کے ساتھ ساتھ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ محفوظ جگہ پہنچ جاتے ہیں، وہاں وہ تاجر کو چھوڑ دیتے ہیں اور مال و متاع پر قبضہ کر لیتے ہیں۔

مقدمات و عدالت

بیرونی:

جج مدعی سے ایسا تحریری دعویٰ طلب کرتا ہے جو دعوی کے رسمی خط و کتابت میں مدعی علیہ کے خلاف لکھا جاتا ہے اور جس میں دعوی کے حق میں دلیلیں بھی مندرج ہوتی ہیں، اگر دعوی تحریری نہ ہو تو گواہی سے کام چل سکتا ہے لیکن گواہ کم از کم چار ہونا ضروری ہیں، البتہ اگر جج کی نظر میں ایک گواہ ہی ثقہ ہو تو اس کی گواہی کافی ہو سکتی ہے اور جج اس کی گواہی پر اعتماد کر کے مقدمہ کا فیصلہ دے سکتا ہے لیکن جج کیلئے ضروری ہے کہ خفیہ طور پر مقدمہ کی تحقیق کرے اور ظاہری علامتوں اور قیاس کی مدد سے مقدمہ کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

اگر مدعی گواہ فراہم نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے حلف لیا جائے اور اگر جج مدعی سے اس کے دعوی کی توثیق کے لئے حلف طلب کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ دعوی کی نوعیت کے اعتبار سے قسموں

؎ کتاب الہند ص۲۷۹۔

کی بابت سی مختلف شکلیں ہیں، اگر دعویٰ کم مالیت کا ہو اور مدعی، مدعا علیہ کا حلف قبول کرنے کو تیار بھی ہو جائے تو مدعی علیہ پانچ برہمن عالموں کے سامنے اقرار کرے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مدعی کو میرے اعمال کے ثواب سے اتنا حصہ مل جائے جو اس کے دعوی سے آٹھ گنا ہو، اس سے بڑا حلف یہ ہے کہ مدعی علیہ سے کہا جائے کہ تم برہمن نامی زہر پی لو، یہ سب سے خراب قسم کا زہر ہوتا ہے، اگر مدعی سچا ہوگا تو زہر اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا اس سے بھی بڑا حلف یہ ہے کہ مدعی علیہ کو ایک تیز و تند نیز گہرے دریا یا پانی سے بھرپور گہرے کنویں پر لایا جائے اور وہ پانی سے کہے کہ تم پاک ترین فرشتوں میں سے ہو، ہر ظاہر اور مخفی بات تم پر عیاں ہے، اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے مار ڈالو اور اگر سچا ہوں تو مجھے بچا لو، اس کے بعد پانچ آدمی اسے پکڑ کر دریا یا کنویں میں ڈال دیتے ہیں، اگر وہ سچا ہوتا ہے تو نہیں ڈوبتا۔

اس سے بڑا حلف یہ ہوتا ہے کہ جج فریقین کو شہر یا مملکت کے سب سے ممتاز بتخانہ میں بھیجا اور مدعی علیہ بت کے حضور روزہ رکھے اور دوسرے دن نئے کپڑے پہنے اور اس کے سامنے مدعی کے ساتھ کھڑا ہو اور پجاری، مورتی پر ڈالا ہوا پانی اس کو پلائیں، اگر وہ جھوٹا ہوگا تو فوراً خون کی قے کرنے لگے گا۔

اس سے بڑا حلف یہ ہے کہ مدعی علیہ کو تکڑ کے ایک پلڑے میں بٹھا کر اس کا وزن لیا جائے پھر اس کو اتار لیا جائے لیکن تکڑ کے باٹ بدستور رہنے دیئے جائیں، اس کے بعد مدعی علیہ اپنی صداقت پر روحانی ہستیوں، فرشتوں اور دیوتاؤں کو ایک ایک کر کے گواہ بنائے اور اس کا سارا بیان ایک کاغذ پر ثبت کر لیا جائے اور اس کے سر پر باندھ دیا جائے اور اسے پھر تکڑ میں بٹھا دیا جائے اگر سچا ہوگا تو اس کا وزن پہلے سے بڑھ جائے گا۔

اس سے بڑے حلف کی شکل یہ ہے کہ گھی اور جُلجُلی[1] کا تیل دونوں ہموزن لے کر ایک ہانڈی میں جوش دیا جاتا ہے اور ایک گلاب کا پھول اس میں ڈالا جاتا ہے اور جب وہ جل جاتا ہے تو اس کو تیل کے اچھی طرح پکنے کی علامت سمجھا جاتا ہے، پھر ہانڈی میں سونے کا ایک کڑا ڈالا جاتا ہے، اس کے بعد مدعی علیہ کو ہاتھ ڈال کر اس کڑے کو نکالنے کا حکم دیا جاتا ہے، اگر وہ سچا ہوتا ہے تو نکال لیتا ہے اور اس کا

---

[1] متن میں دھن جل بالحاء المهملہ ہے جو جل بفتح الجیم المعجمۃ کی تصحیف ہے، جل فارسی میں تیلی کو کہتے ہیں۔

ہاتھ نہیں جلتا۔

سب سے بڑا حلف یہ ہے کہ لوہے کا ایک ٹکڑا اتنا گرم کیا جاتا ہے کہ وہ پگھلنے کے قریب پہنچ جاتا ہے پھر اس کو چمٹے سے اٹھا کر مدعی علیہ کی ہتھیلی پر رکھا جاتا ہے لوہے اور ہتھیلی کے درمیان بس ایک چوڑا پتہ ہوتا ہے جس کے نیچے دھان کے چند دانے بکھرے ہوتے ہیں، اس کے بعد مدعی علیہ سے کہا جاتا ہے کہ لوہے کو ہتھیلی پر رکھ کر سات قدم چلے اور پھر اس کو زمین پر پھینک دے (اگر وہ سچا ہوتا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں جلتا)۔

میراث[1]

ہندوؤں کے قانونِ میراث میں بیٹی کے علاوہ ہر عورت میراث سے محروم رہتی ہے۔ منو (منُو) نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ باپ کے ترکہ سے لڑکی کو لڑکے کے حصہ کا ایک چوتھائی ورثہ میں ملے گا، اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کی شادی کے وقت اس حصہ سے اس کا جہیز تیار کیا جائے گا، اس کے بعد وہ کسی مالی اعانت کی مستحق نہیں رہے گی۔

متوفی کی بیوی اگر ستی نہ ہوئی ہو اور زندگی کو موت پر ترجیح دے تو اس کا نان نفقہ تاحیات متوفی کے وارث کے ذمہ ہوگا، وارث متوفی کا قرضہ بھی ادا کرے گا اور اگر متوفی نے کچھ نہیں چھوڑا ہے تب وہ اپنے پاس سے اس کا قرضہ ادا کرے گا، اسی طرح متوفی کی لڑکی اور بیوی کے سارے اخراجات کا کفیل ہوگا اگر متوفی بغیر کچھ چھوڑے مرا ہے۔

ہندو قانونِ میراث کا ایک اصول یہ ہے کہ میت کے بالائی رشتہ داروں۔ باپ، چچا، دادا وغیرہ کی نسبت اس کے زیریں رشتہ دار۔ لڑکا، پوتا، نواسہ وغیرہ ترکے کے زیادہ حق دار ہیں، پھر ایک ہی جانب کے رشتہ داروں میں خواہ وہ بالائی ہوں یا زیریں، وہ لوگ میراث کے زیادہ حق دار ہیں جو میت سے زیادہ قریب تر ہوں یعنی بیٹا بہ نسبت پوتے کے اور باپ بہ نسبت دادا کے زیادہ حق دار ہیں۔ متوفی کے وہ رشتہ دار جو رشتہ کے خطِ مستقیم سے ہٹ گئے ہوں جیسے بھائی ان کا حق میراث

---

[1] کتاب الہند ص ۲۸۱ ۔

میں مذکور ہے، ان کو صرف اس وقت حصہ ملیگا جب قریب تر وارث موجود نہ ہوں۔

ایک صنف کے متعدد وارثوں میں جیسے متعدد لڑکے یا متعدد بھائی، ترکہ برابر تقسیم ہوگا، خنثیٰ کا شمار مردوں میں ہوتا ہے۔

اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو ترکہ کی حق دار حکومتِ وقت ہوگی لیکن اگر میت برہمن ہو تو اس کا ترکہ خیرات کر دیا جائے گا۔

کریا کرم

پرانے زمانہ میں مُردوں کو جنگلوں میں ننگا ڈال کر آسمان کے حوالہ کر دیا جاتا تھا، بیماروں کو بھی جنگلوں اور پہاڑوں میں نکال کر چھوڑ دیا جاتا تھا، اگر وہ اچھے ہو جاتے تو خود گھر لوٹ آتے تھے۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آیا جب مذہبی اکابر نے نئے ضابطے مقرر کئے اور حکم دیا کہ مُردوں کو ہوا کے حوالہ کیا جائے، چنانچہ لوگ مردوں کے لئے ہوادار کمرے بنانے لگے جن کی دیواریں جالی دار ہوتی تھیں اور ان میں سے ہو کر مردوں کو ہوا لگتی رہتی تھی جیسا کہ پارسیوں کے مقبروں کا حال ہے۔

ایک مدت تک ہندو ہوادار مقبروں میں مُردے دفن کرتے رہے، پھر نارائن[2] نے آگ میں جلانے کا ضابطہ بنایا اور اس وقت سے مُردے جلائے جانے لگے، جلانے کے تھوڑی دیر بعد ہی جلنے والے گوشت کی بو اور چیر اند ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے زمانہ میں روس کے لوگ بھی اپنے مردوں کو نذرِ آتش کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونانیوں کے ہاں جلانے اور دفنانے دونوں کا رواج تھا۔[1]

ہندو مذہب میں میت کا اس کے وارثوں پر یہ حق ہے کہ اس کو غسل دیا جائے، عطر لگایا جائے، کفن پہنایا جائے، پھر صندل کی لکڑی یا عام ایندھن سے اس کی لاش جلا دی جائے، راکھ کا کچھ حصہ گنگا میں لے جا کر ڈال دیا جائے تاکہ دریا کا پانی اس کے اوپر سے ہو کر بہے جس طرح سگر (سکر) کی اولاد

---

[1] کتاب الہند ص ۲۸۲ - ۲۸۳

[2] نارائن کا اطلاق بالعموم وِشنو اور کبھی کرشن اور ارجن پر ہوتا ہے، یہاں غالباً بِشنو مراد ہے۔

کی جلی ہڈیوں پر سے ہوکر بہا تھا جس کے زیر اثر ان کو جہنم سے نجات مل گئی تھی اور وہ جنت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ میت کی باقی راکھ کسی ندی میں ڈال دی جاتی ہے، اور اس جگہ جہاں اس کو جلایا گیا ہے سنگ میل سے مشابہ ایک قبر بنا دی جاتی ہے اور اس پر چونے کا پلاسٹر کر دیا جاتا ہے۔ تین سال سے کم عمر بچے نہیں جلائے جاتے ...... اگر (ناداری کی وجہ سے) وارث مردے کو جلانے سے قاصر ہو تو اس کو جنگل یا بہتے ہوئے دریا میں ڈال سکتا ہے۔

موت کے بعد خیر خیرات[1]

وفات کے پہلے سال میت کی طرف سے وارث پر سولہ کھانے یا ضیافتیں واجب ہوتی ہیں، ان ضیافتوں میں شرکت کرنے والوں کو خیرات بھی دی جاتی ہے، یہ ضیافتیں میت کی موت کے گیارہویں اور پندرہویں دن اور ہر ماہ ایک بار دی جاتی ہیں، چھٹے ماہ والی ضیافت پر تکلف اور بڑے پیمانے پر ہوتی ہے، اس لئے اسے دوسری ضیافتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ایک ضیافت میت کا سال ختم ہونے سے ایک دن پہلے دی جاتی ہے، یہ میت اور اس کے آباء و اجداد کے ایصال ثواب کے لئے ہوتی ہے، پھر برسی کا کھانا ہوتا ہے، اس کھانے کے بعد وارث ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے جو میت کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہیں۔

مذکورہ سولہ ضیافتوں کے علاوہ ضروری ہے کہ میت کے وارث کے گھر کے صدر دروازہ کے اوپر ایک کارنس پر جہاں سے آسمان نظر آتا ہو، موت کے دس دن بعد تک ایک تھال کھانا اور ایک آبخورہ پانی کا رکھیں کیونکہ ممکن ہے کہ میت کی روح کو ابھی تک کوئی ٹھکانہ نہ ملا ہو اور وہ پیاسی بھوکی گھر پر منڈلا رہی ہو۔ تقریباً اسی مضمون کی طرف سقراط نے کتاب فاذن میں اس روح کے بارے میں اشارہ کیا ہے جو قبروں پر اس وجہ سے منڈلاتی ہے کہ اس میں بدن کی کچھ محبت باقی رہ جاتی ہے۔

اگر وارث میت کا جائز اور شریف خاندان کا لڑکا ہو تو ضروری ہے کہ وہ سال بھر تک ماتم کرے

---

[1] کتاب الہند ص ۴۸۲

سوگ منائے اور عورتوں سے الگ رہے، پہلے سال کی ابتداء میں ایک دن وارثوں کو فاقہ کرنا چاہیئے۔

خودکشی

ابوزید شیرانی:

جب کوئی شخص آگ میں جل کر خودکشی کرنا چاہتا ہے تو وہ راجہ کے پاس جاکر پہلے اجازت لیتا ہے، اس کے بعد بازاروں کا گشت لگاتا ہے، بہت سا ایندھن جلاکر اس کے لئے چتا بنائی جاتی ہے اور کچھ لوگ اس میں ایندھن ڈالنے پر مامور رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ عقیق کی طرح لال ہوجاتی ہے اور اس میں شعلے اٹھنے لگتے ہیں، خودکشی کرنیوالا بازاروں میں پھرتا ہے اور اس کے آگے آگے جھانجھ بجانیوالے ہوتے ہیں، اس کے عزیز واقارب اس کو گھیرے ہوتے ہیں، کوئی اس کے سر پر پھولوں کا تاج رکھتا ہے اور اس کے بیچ میں انگارے بھر دیتا ہے اور ان پر سندور ڈالتا ہے جو آگ میں جاکر پٹرول کی طرح بھڑک اٹھتا ہے، اس شان سے خودکشی کرنیوالا چاتا پھرتا رہتا ہے، اس کا سر جلتا ہے اور سر کا گوشت جلنے کی چراند ہوا میں پھیلتی ہے لیکن اس کی چال میں کوئی فرق نہیں آتا، نہ اس کے چہرہ پر خوف وگھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، چتا پر پہنچ کر وہ آگ میں کود پڑتا ہے اور جل بھن کر راکھ ہوجاتا ہے۔

ایک عینی شاہد نے بیان کیا کہ ایک دوسرا خودکشی کرنے والا جب چتا کے کنارے کھڑا ہوا تو اس نے ایک کٹارے کر دل سے عانہ تک اپنا جسم کاٹ ڈالا، پھر اپنے الٹے ہاتھ سے جگر پکڑا اور اس کا جتنا حصہ اس کی گرفت میں آسکا باہر کھینچ لیا، اس اثنا میں وہ برابر باتیں کرتا رہا، پھر خنجر سے جگر کا کچھ حصہ کاٹا اور اپنے بھائی کو دے دیا، یہ سب موت سے انتہائی خوفی نیز صبر وتحمل کو ظاہر کرنے کے لئے، اس کے بعد وہ آگ میں کود پڑا۔

حکومت بلہرا اور دوسرے ہندوستانی علاقوں کے بعض راجہ خود کو جلاڈالتے ہیں اور اس کی

۱؎ سلسلۃ التواریخ ۱/۱۱۷ - ۱۱۸ و ۱۱۵ - ۲؎ حکومت بلہرا سے مراد دکن اور مہاراشٹر ہے جہاں آٹھویں نویں اور دسویں صدی میں راشٹرا کوٹا خاندان کے راجہ جنہیں عرب بلہرا کہتے ہیں حکمراں تھے۔

وجہ تناسخ کا عقیدہ ہے جو ان کے دلوں میں خوب جڑ پکڑے ہوئے ہے۔

بزرگ بن شہریار:

محمد بن بابشاد ہی کا بیان ہے کہ ایک دن جب میں انجابت[1] کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے کنارہ گزر رہا تھا جن کا پانی جزر کے وقت بڑی تیزی سے سمندر میں خارج ہوتا ہے اور مد کے وقت سمندر کا پانی اسی شان سے ان میں داخل ہوتا ہے۔ اس وقت دریا کی گود میں پانی بہت کم تھا اور اس کے کنارہ کھلے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا دوزانو دریا کے کنارہ ریت پر بیٹھی ہے، میں نے اس سے پوچھا تم یہاں کیوں ہو تو اس نے کہا: میں بہت بوڑھی ہوں، دنیا میں بہت جی لی اور دنیا کا بہت سا رزق کھا پی چکی، اب میں نجات کے لئے بھگوان کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے پوچھا: تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ بولی: پانی کا انتظار کر رہی ہوں کہ آکر مجھے اٹھالے جائے، وہ بیٹھی رہی یہاں تک کہ پانی کی لہریں آئیں اور اسے بہالے گئیں اور وہ ڈوب گئی۔

ایک شخص جس نے ہندوستان کا سفر کیا تھا مجھ سے بیان کیا: میں نے دیکھا کہ کھمبے (کنبایت[2]) میں ایک کے بعد ایک ہندو ڈوبنے کے لئے چلا جا رہا ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں پانی میں کودتے وقت اس پر خوف طاری نہ ہو جائے یا اس کی رائے نہ بدل جائے وہ کسی کو اجرت دے کر ڈبونے پر آمادہ کر لیتا ہے، ڈبونے والا اس کی گردن پکڑ کر پانی میں ڈبو دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مر جاتا ہے، ڈوبنے والا گرچیختا ہے یا ڈبونے والے سے چھوڑنے کی التجا کرتا ہے تو وہ کوئی پرواہ نہیں کرتا اور سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بالائی ہند میں بوڑھے مردوں اور عورتوں کو جلانے کی رسم ہنوز باقی ہے۔

---

[1] عجائب الہند ص ۱۲۲، ۱۲۳ و ۱۲۴۔ [1] لنکا کے بالمقابل جنوبی ہندوستان کا ساحل Tuticorin تا Point Calimere جہاں بہت سی چھوٹی بڑی کھاڑیاں ہیں جو دریاؤں اور قدرتی نالوں سے وجود میں آئی ہیں اور جن کے کنارے بہت سے پُر فضا مرغزار ہیں۔

[2] یہ تجارتی شہر خلیج کھمبے کے شمال مشرقی سرے پر واقع تھا، یہاں کے جوتے خاص طور پر مشہور تھے اور عرب ملکوں کو بھیجے جاتے تھے۔

بیرونی؛-

زندہ پر اپنے بدن کا حق یہ ہے کہ اس کو جلانے کی خواہش نہ کرے لیکن وہ بیوہ جو اپنے شوہر کے پیچھے پیچھے دنیا سے جانا چاہتی ہو یا وہ شخص جو کسی لاعلاج مرض یا مزمن بیماری یا بڑھاپے اور کمزوری کے سبب زندگی سے عاجز آگیا ہو خودکشی کرسکتا ہے لیکن معزز لوگ ایسا نہیں کرتے ہیں صرف ویش اور شودر مبارک اور واجب الاجرا اوقات میں موجودہ زندگی سے بہتر جنم کی خواہش میں خودکشی کر لیتے ہیں؛ برہمن اور چھتری کے لئے ایسا کرنا قانوناً منع ہے، خودکشی کرنیوالا چاند یا سورج گرہن کا وقت (جو مبارک اور واجب الاجرا اوقات میں سے ہے) اختیار کرتا ہے یا معاوضہ دے کر ایسے شخص کی خدمت حاصل کر لیتا ہے جو اسے گنگا میں ڈبو دیتا ہے اور اس وقت تک پکڑے رہتا ہے جب تک وہ مر نہ جائے۔ گنگا اور جمنا کے سنگم پر بڑ کی جنس کا ایک درخت ہے، جسے پریاگ کہتے ہیں، اس درخت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دو قسم کی شاخیں نکلتی ہیں، ایک عام درختوں کی طرح اوپر کی طرف اور دوسری بے پتوں کی نیچے کی طرف جڑوں سے ملتی جلتی، یہ شاخیں جب زمین میں داخل ہوتی ہیں تو ان سے درخت جس کا جھاو بڑے رقبہ میں پھیلا ہوتا ہے، سہارا لیتا ہے، اس درخت پر چڑھ کر خودکشی کرنے والے گنگا میں جست لگاتے ہیں۔[1]

قزوینی[2]:-

ابن الفقیہ کا بیان ہے کہ ایک ہندوستان کی مورتی کے پاس آیا اس حال میں کہ اس نے سر پر ایک روئی کا تاج رکھ لیا تھا جو تار کول میں لت پت تھا اور اس کی انگلیاں بھی، اس نے روئی کے تاج میں آگ لگائی اور مورتی کے سامنے کھڑا ہو کر جل گیا۔

ابن فضل اللہ عمری[3]:-

ہندوستان میں ایسے رسم و رواج ہیں جن پر ہندو عادۃً عمل کرتے ہیں، کچھ رسمیں مذہب کی

---

[1] کتاب الہند ص ۲۸۳ [2] آثار البلاد و اخبار العباد، ایڈٹ کردہ وستنفلڈ گوٹنجن ۱۸۴۹ء ص ۸۱۔

[3] مسالک الابصار قلمی ۲/۵۲، ۵۷۔

حیثیت رکھتی ہیں، کچھ ایسی ہیں جن پر سب نے اتفاق کر لیا ہے، کچھ ایسی ہیں جن کو بعض فرقے مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے اور کچھ ایسی ہیں جنہیں بعض اچھا سمجھتے ہیں اور بعض اچھا نہیں سمجھتے، یہ رسمیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو یہاں بالتفصیل بیان نہیں کیا جا سکتا، مثال کے طور پر چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں: ایک رسم یہ ہے کہ لوگ اپنا جسم آگ میں جلاتے ہیں، یہ رسم سارے ہندوستان میں پائی جاتی ہے، جب کوئی آگ میں جلنا چاہتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ بہت بوڑھا ہو گیا ہے یا اس وجہ سے کہ اس نے آگ میں جل کر خودکشی کرنے کی کسی سے شرط باندھی ہے یا اس کو کسی بات پر طیش آگیا ہے یا حاکم نے اسے خودکشی کرنے کا حکم دیا ہے یا کسی اور وجہ سے، تو جلنے سے تین دن پہلے وہ شہر کا گشت لگاتا ہے، اس کے آگے ایک ڈھول بجایا جاتا ہے، اس کے پاس ایک ڈنڈا ہوتا ہے اور ساتھ عزیزوں اور دوستوں کی ایک ٹولی، ان تین دنوں میں وہ تیل اور ابسندمن[1] جمع کرتا ہے، جب تیسرا دن آتا ہے تو جمع کی ہوئی لکڑی کے ڈھیر میں آگ لگائی جاتی ہے اور اس پر تیل چھڑکا جاتا ہے، جلنے والا لوہے کے ایک تھال میں جیسا گاتنوں کا ہوتا ہے بیٹھ جاتا ہے اور خود کو آگ میں جلا ڈالتا ہے، اس کے عزیز و اقارب گرز[2] لیے اس کے اردگرد کھڑے ہوتے ہیں اگر وہ آگ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو گرزوں سے اس کو اندر دھکیل دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ آگ میں بھسم ہو جاتا ہے، اس کے سارے عزیز اور احباب جو اس کے اردگرد جمع ہوتے ہیں اس سے ان لوگوں کا نام لے لے کر جو مر چکے ہوتے ہیں یا پہلے آگ میں جل چکے ہیں، کہتے ہیں: فلاں سے ہمارا سلام کہنا، فلاں کو یہ پیغام پہنچا دینا۔

ہندو تناسخ کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے چالیس دن بعد دنیا میں واپس آجاتا ہے لیکن اس حال میں کہ اس کی روح کتے یا گدھے یا گائے یا ہاتھی یا کسی اور جانور کے جسم میں حلول کر چکی ہوتی ہے۔

ہندو اپنے راجاؤں کے بڑے فرمانبردار ہوتے ہیں، کبھی راجہ کسی شخص سے کہتا ہے: جا اپنا سر مجھے

---

[1] متن میں بج ہے جو ہماری رائے میں انج بالہمزہ کی تصحیف ہے۔

[2] متن میں أرج بالہمزہ کی جگہ زنج بالزای ہے۔

بھیجدے تو وہ (بے چون وچرا) جاتا ہے اور کسی درخت کی ٹہنی یا بانس کا سرا کھینچتا ہے اور اپنے بالوں کی لٹ اس سے باندھ دیتا ہے پھر ایک نہایت تیز سیسے سے جو پانی کی طرح رواں ہوتا ہے، اپنا سر کاٹ ڈالتا ہے، اس کا سر درخت پر لٹک جاتا ہے اور جسم زمین پر آگرتا ہے۔

ہندوستان کے ہر راجہ کے دربار میں اس کے رتبہ اور حیثیت کے مطابق فدائیوں کی ایک جماعت ہوتی ہے، اگر راجہ مر جائے یا قتل کر دیا جائے یا اس کے ساتھ اور کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ فدائی خود کو قتل کر ڈالتے ہیں اور اگر راجہ بیمار ہو جائے تو خود بھی بیمار ہو جاتے ہیں بلکہ جو عارضہ اس کو لاحق ہو وہی اپنے اوپر لاحق کر لیتے ہیں۔

عبدالواحد بن حسن فسوی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے (جنوبی ہند کے شہر) جرفتن (برس) میں ایک خوش رو اور خوش اندام مسلمان لڑکے کو جو ہندی نژاد تھا اور جس کے طور وطریق اور عادات ہندوانہ تھے، دیکھا کہ وہ شہر میں گشت کر رہا ہے اور کچھ لوگ اس کے آگے پیچھے ڈھول، بگل اور ڈنڈے لئے چلے جا رہے ہیں، میں نے لڑکے سے پوچھا کیا بات ہے تو اس نے کہا کہ میں نے ایک ہندو سے خودکشی کرنے کی شرط بدی ہے (اور میں خودکشی کرنے جا رہا ہوں) میں نے بڑی محبت سے اسے سمجھایا کہ وہ اپنے ارادہ سے باز آجائے لیکن وہ نہ مانا اور بولا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں شرط پوری نہ کروں! میں نے کہا: تم مسلمان ہو اور تمہارے اس فعل سے مسلمان بدنام ہوں گے، خدا سے ڈرو اور خود کو جہنم میں مت دھکیلو۔ میرا کہا کچھ کام نہ آیا۔ دوسرے دن راجہ کا خاندان اور اہالی شہر جرفتن (برس) میں جمع ہوئے اور لڑکا اکڑتا پان چباتا آیا، اس کے جسم پر دو کپڑے تھے؛ ایک کرتا اور ایک تہبند، اس نے وہاں کی مسجد کا چکر لگایا اور اس کو باہر سے سجدہ کیا پھر دونوں کپڑے اپنے دو ساتھیوں کو دے دیئے اور لکڑی کی ایک کرسی پر چڑھا جو اس کے لئے بنائی گئی تھی اور اپنے دونوں ہاتھ دو لکڑیوں سے جو تین لکڑیوں کے درمیان تھیں باندھ دیئے، اس نے اپنے سر کے بال بانس کے ایک سرے سے باندھ دیئے اور دونوں پیروں کے انگوٹھے دو بانسوں کے سروں سے باندھے، اسکے بعد ایک شخص کلہاڑی لے کر آیا جس کا پھل لگ بھگ پانچ سیر کا تھا، اُسترے سے زیادہ تیز، اس نے لڑکے کی پنڈلی پر کلہاڑی کی ایسی ضرب لگائی کہ اس کا پیر مع

پنڈلی کے الگ ہو کر بانس میں لٹک گیا، دوسری ضرب سے اس نے دوسرا پیر مع پنڈلی کے کاٹ ڈالا پھر اس نے آری سے (پہلے ایک شانہ اور) پھر دوسرا شانہ کاٹ کر الگ کر دیا.... سر مع گردن، سینہ اور دھڑ بانس میں لٹک گیا، لڑکے کے گھر والے آئے اور اس کے اعضا جمع کر کے انھیں دفنا دیا۔

چینیوں کے عادات، اطوار اور رسوم کا ہندوؤں سے مقابلہ

سلیمان تاجر:

چینی لہو ولعب سے رغبت رکھتے ہیں لیکن ہندو اس کو معیوب سمجھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں، وہ شراب بھی نہیں پیتے اور نہ سرکہ کھاتے ہیں کیونکہ سرکہ بھی ایک طرح کی شراب ہے، شراب سے پرہیز کسی مذہبی ممانعت کا مرہون نہیں بلکہ اس کا محرک حیا اور خودداری ہے، ہندو کہتے ہیں کہ شراب پینے والا راجہ حقیقت میں راجہ نہیں کیوں کہ راجہ کے پڑوس میں متعدد راجے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، بنا بریں ہندو کہتے ہیں کہ مدہوش راجہ کس طرح اپنی حکومت کا نظم ونسق درست رکھ سکتا ہے، کبھی حصولِ حکومت کے لئے ان کی ایک دوسرے سے لڑائی ہوتی ہے۔ میں نے سوائے ایک قوم کے جو کالی مرچ والے علاقہ کے بعد آتی ہے کسی راجہ کو دوسرے کی سلطنت پر بزورِ شمشیر قابض ہوتے نہیں دیکھا اور اگر کوئی راجہ دوسرے راجہ کی قلمرو پر زبردستی قابض ہو بھی جاتے تو وہ مقبوضہ علاقہ کو مغلوب شاہی خاندان کے کسی شخص کے سپرد کر دیتا ہے کیوں کہ مقبوضہ قلمرو کے لوگ کسی غیر کو اپنا حاکم بنانا گوارہ نہیں کرتے، اس کے برخلاف چین میں اگر بادشاہ کا ماتحت کوئی حاکم ظلم وستم کرتا ہے تو اس کو قتل کر ڈالتے ہیں اور اس کا گوشت کھا لیتے ہیں، چین میں ایسے آدمی کا گوشت کھا لیتے ہیں جو تلوار سے قتل کیا گیا ہو۔

چینی اور ہندو جب شادی بیاہ کرتے ہیں تو خوشیاں مناتے ہیں اور لڑکے لڑکی والے ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے ہیں۔ شادی کا چرچا جھانجھ اور ڈھول بجا کر کیا جاتا ہے، ہر فریق تحفے تحائف

---

[1] بریکٹ والی عبارت متن میں نہیں، ضرورۃً ہم نے بڑھائی ہے۔ [2] مسالک الابصار قلمی ۲/ ۴۸

[3] سلسلۃ التواریخ ۱/ ۵۱، ۵۹۔

اپنے مقدور بھر دینے کی کوشش کرتا ہے

اگر کوئی ہندو کسی عورت سے شادی[1] کرے اور عورت کسی دوسرے مرد کے ساتھ زنا کی مرتکب ہو تو ان دونوں کو ہندوستان کے ہر علاقہ میں قتل کی سزا دی جاتی ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت سے زبردستی مباشرت کرے تو صرف اس کو قتل کی سزا ملتی ہے اور اگر اس نے عورت کی رضامندی سے ایسا کیا ہے تو دونوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

چھوٹی چوری ہو یا بڑی اس کی سزا چین اور ہندوستان دونوں میں قتل ہے۔ ہندوستان میں اگر کوئی ایک پیسے یا زیادہ کی چوری کرتا ہے تو ایک نوکدار لمبی لکڑی پر اس کو اس طرح بٹھا دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منہ سے نکل آتی ہے۔

چینی مکانوں کی دیواریں زیادہ تر لکڑی کی ہوتی ہیں، ہندوستان میں پتھر، اینٹ چونے اور مٹی کے مکان بنائے جاتے ہیں، تاہم چین میں بھی کبھی کبھی اس طرح کی عمارتیں بنتی ہیں۔

چین اور ہندوستان دونوں میں فرش فروش بچھانے کا رواج نہیں ہے، چینی اور ہندو جتنی[1] چاہیں شادیاں کر سکتے ہیں۔

ہندوؤں کی غذا چاول ہے، چینی گیہوں اور چاول دونوں کھاتے ہیں۔ ہندو گیہوں[2] نہیں استعمال کرتے۔

ختنہ کی رسم نہ چینیوں میں ہے نہ ہندوؤں میں۔

چینی بتوں کی پوجا اور تعظیم کرتے ہیں اور ان کے سامنے گڑگڑاتے ہیں، ان کے پاس مذہبی کتابیں بھی موجود ہیں۔

---

[1] متن کا إذا أحصوا الرجل أُحصِن کی تصحیف ہے، بیرونی کی تحقیقی رائے کے مطابق جس کا اوپر ذکر آچکا ہے، صرف برہمن کو زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔

[2] اس تصریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان تاجر کے پیشِ نظر صرف ہندوستان کے ساحلی علاقے تھے جہاں کے باشندوں کی خاص غذا چاول ہے۔

ہندو لمبی لمبی داڑھیاں رکھتے ہیں بعض اوقات تین تین ہاتھ لمبی (تین ذراع) لمبی داڑھیاں دیکھی ہیں، وہ مونچھیں نہیں تراشتے، اکثر چینیوں کی پیدائشی طور پر داڑھی نہیں ہوتی۔

جب کسی ہندو کا کوئی رشتہ دار مرجاتا ہے تو وہ داڑھی منڈوا دیتا ہے۔

ہندو اگر کسی کو حراست میں لیتے یا (وصولی قرضہ کے لئے) اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں تو سات دن تک اس کو کھانا پانی نہیں دیتے اور کسی وقت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

چینیوں اور ہندوؤں کے ہاں حاکموں کے علاوہ الگ جج ہوتے ہیں جو مقدمے فیصل کرتے ہیں ان کے حاکم یہ کام نہیں کرتے۔

چین اور ہند دونوں میں تیندوے اور بھیڑیے پائے جاتے ہیں لیکن شیر نہ تو چین میں ہوتے ہیں اور نہ ہند[۱] میں۔

رہزنوں کو دونوں ملکوں میں سزائے موت دی جاتی ہے چینیوں اور ہندوؤں کا خیال ہے کہ مورتیاں ان سے باتیں کرتی ہیں حالانکہ باتیں پجاری کرتے ہیں۔

چینی اور ہند جس جانور کا گوشت کھانا چاہتے ہیں اس کو سر پر ضرب لگا کر مار ڈالتے[۲] ہیں ذبح نہیں کرتے۔

چینی اور ہندو غسلِ جنابت نہیں کرتے، چینی کاغذ سے استنجا کرتے ہیں، ہندو ہر روز صبح کے کھانے سے پہلے غسل کرنے کے عادی ہیں۔

ماہواری کے دوران ہندو عورتوں کے پاس نہیں جاتے بلکہ اتنا گھنیاتے ہیں کہ حائضہ عورت کو گھر تک سے نکال دیتے ہیں[۳]۔ اس کے برخلاف چینی ایام حیض میں عورتوں سے ہم بستر ہوتے ہیں اور انہیں گھر سے نہیں نکالتے۔

---

[۱] سلیمان تاجر کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ [۲] ہندوؤں کے بارے میں یہ رائے صحیح نہیں ہے۔

[۳] بیرونی نے لکھا ہے کہ ماہواری کے دوران ہندو عورتوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں، گھر سے نکالنے کی نوبت اس کے بیان سے نہیں ہوتی۔ دیکھو کتاب الہند ص ۲۰۸۔

ہندو دتون کرتے ہیں اور دتون نیز غسل کے بغیر کھانا نہیں کھاتے چینیوں کا یہ معمول نہیں ہے۔

ہندوستان چین سے کئی گنا زیادہ بڑا اور وسیع ملک ہے اور ہندو حکمران تعداد میں بھی چینیوں سے زائد ہیں لیکن زراعت، آبادی اور رونق چین میں زیادہ ہے۔

چین اور ہند دونوں میں کھجور کا درخت نہیں ہوتا، دوسرے ہر قسم کے درخت پائے جاتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں ایسے پھل بھی ہوتے ہیں جو ہمارے ہاں (فارس) میں نہیں پائے جاتے۔

ہندوستان میں انگور نہیں ہوتا، چین میں کسی قدر پایا جاتا ہے لیکن دوسرے سارے پھل بکثرت ہوتے ہیں، انار چین کی نسبت ہندوستان میں زیادہ ہوتا ہے۔

چینیوں کے ہاں علوم نہیں ہیں ... ان کے مذہب کی بنیاد ہندو (بدھ) مت پر ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مورتی پوجا کا راستہ ہندوؤں نے دکھایا ہے اور وہی ہمارے مذہب کا سرچشمہ[1] ہیں۔ دونوں قوموں کا اعتقاد آواگون پر ہے لیکن مذہب کے فروعی مسائل میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

ہندوستان طب اور فلسفہ کا گھر ہے، چینی بھی طب سے متعارف ہیں لیکن ان کے علاج میں داغنے کو خاص اہمیت حاصل ہے، چینی نجوم سے بھی باخبر ہیں لیکن ہند اس میں زیادہ ماہر ہوتے ہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے نہ تو کوئی چینی یا ہندو مسلمان ہے اور نہ عربی میں گفتگو کر سکتا ہے۔

ہندوستان میں گھوڑے کم ہوتے ہیں، چین میں ان کی تعداد نسبتہً زیادہ ہے لیکن چین میں ہاتھی نہیں ہوتے، چینی ہاتھی کو اتنا بدشگون[2] سمجھتے ہیں کہ اس کو اپنے ملک میں رہنے نہیں دیتے۔

ہند، راجاؤں کے پاس بڑے بڑے لشکر ہیں لیکن فوج کو حکومت کی طرف سے تنخواہ نہیں دی جاتی راجہ ان کو جنگ کے لئے طلب کرتا ہے تو وہ اپنے پاس سے مسلح ہو کر دشمن سے لڑنے جاتے ہیں راجہ کو فوج پر کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا[3]، اس کے برخلاف چین میں سرکار کی طرف سے فوج کو تنخواہ دی جاتی ہے جیسا

---

[1] متن میں ھم أھل الدین ہے، ہمارے خیال میں أھل أصل کی تحریف ہے۔

[2] متن کا تشاما بھا تشائما کی تصحیف ہے۔ [3] یہ رائے صحیح نہیں ہے۔

کہ عرب ملکوں میں دستور ہے۔

ہندوستان کی نسبت چین زیادہ صاف ستھرا اور دلکش ملک ہے، چین کے ہر علاقہ میں بڑے بڑے محفوظ و مستحکم شہر پائے جاتے ہیں، ہندوستان کے بیشتر حصوں میں دیہات ہیں، شہر نہیں ہیں، ہندوستان کی نسبت چین زیادہ صحت بخش ہے، وہاں مرض کم ہوتے ہیں اور آب و ہوا زیادہ خوشگوار ہے، مشکل ہی سے کوئی اندھا، کانا یا عیب دار وہاں نظر آتا ہے، اس طرح کے لوگ ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

دونوں ملکوں میں بڑے بڑے دریا ہیں جن میں سے متعدد ہمارے (فارسی) دریاؤں سے زیادہ بڑے ہیں، بارش دونوں ملکوں میں خوب ہوتی ہے۔

ہندوستان میں بے آب و گیاہ جنگل اور ریگستان بہت ہیں لیکن چین میں ہر جگہ آبادی اور ہریالی ہے، چینی ہندوؤں سے زیادہ حسین ہوتے ہیں، ان کا لباس اور سواری کے جانور عربوں سے ملتے جلتے ہیں، جب ان کے جلوس نکلتے ہیں تو ان کی ظاہری ہیئت عربوں سے مشابہ ہوتی ہے، وہ قبا پہنتے ہیں اور پٹکے باندھتے ہیں، ہندوؤں کا لباس دو تہمدوں پر مشتمل ہوتا ہے، ان کے مرد اور عورتیں سونے اور جواہرات کے کنگن پہنے رہتے ہیں ....

چین میں ایسی عورتیں ہیں جو زنا کو ازدواجی زندگی پر ترجیح دیتی ہیں، کسبی پیشہ اختیار کرنے سے پہلے عورت کوتوال کے پاس حاضر ہوتی ہے اور اسے بتاتی ہے کہ میں کسبیوں کے زمرہ میں داخل ہونا چاہتی ہوں، چین میں کسبیوں کا حسب نسب، حلیہ اور سکونت کسبیوں کے رجسٹر میں درج کیا جاتا ہے اس کے بعد کسبی کی گردن میں ایک تانبے کا چھلا جس پر سرکاری مہر ہوتی ہے ڈال دیا جاتا ہے اور اس کو کسبی بننے کا لائسنس دے دیا جاتا ہے، لائسنس میں لکھا ہوتا ہے کہ اس کو سالانہ کتنا ٹیکس دینا ہوگا نیز یہ کہ اس سے شادی کرنیوالے کو قتل کی سزا دی جائیگی، وہ ہر سال مقررہ ٹیکس ادا کرتی ہے اور کوئی اس کے

۱؎ یہ رائے ناقص اور محدود مشاہدہ پر مبنی ہے۔ ۲؎ متن میں ہے: وهكذا أكثر بلاد الهند، ہماری رائے میں هكذا هولاء کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ۳؎ سلسلۃ التواریخ ۲/ ۶۹ - ۷۰۔

انگشت نمائی نہیں کرتا۔

چین کی کسبیاں رات کو سج دھج کر بے پردہ ان پردیسیوں اور مقامی لوگوں کے پاس جاتی ہیں جن کا میلان بدچلنی کی طرف ہوتا ہے اور صبح کو اپنے گھر لوٹ آتی ہیں۔

ہندوؤں کے بعض رسم ورواج جو بیرونی کے لیے انوکھے اور غیر مانوس تھے

ہندوؤں میں بعض ایسی رسمیں پائی جاتی ہیں جو ہمارے ملک اور وسطی ایشیا کے موجودہ رسم ورواج سے اس درجہ مختلف ہیں کہ ہمیں بڑی عجیب معلوم ہوتی ہیں، ایسا لگتا ہے گویا ہندوؤں نے جان بوجھ کر ان کو الٹا کر دیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ ہندوؤں کو ہمارے طور وطریق بھی الٹے نظر آتے ہوں گے۔ ان کے بعض انوکھے اور غیر مانوس رواج یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) یہ لوگ بالکل بال نہیں مونڈتے، ملک میں گرمی کی شدت کے باعث یہ لوگ ننگے رہتے ہیں، بال اس اندیشے سے نہیں مونڈتے کہ کہیں بھیجے پر گرمی نہ چڑھ جائے، داڑھی کی حفاظت کے لئے اس کی لٹیں بنالیتے ہیں اور زیر ناف بال نہیں کاٹتے اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں[1] کہ ایسا کرنے سے شہوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور تکلیف بڑھتی ہے۔

(۲) یہ لوگ گبری کئے ہوئے چوکے میں تنہا کھانا کھاتے ہیں اور جو کھانا بچ جاتا ہے اس کو پھر استعمال نہیں کرتے اور کھانے کے برتن اگر مٹی کے ہوں تو پھینک دیتے ہیں۔

(۳) پان، چونا اور چھالیہ چبا کر دانتوں کو لال کرتے ہیں۔

(۴) عمامے (کے کپڑے) سے دھوتی بنالیتے ہیں، لباس میں اختصار کی حد کرنیوالا شرمگاہ پر دو انگل چوڑا کپڑا دو دھاگوں سے باندھ لیتا ہے، لباس کے معاملہ میں افراط سے کام لینے والا ایسا پاجامہ پہنتا ہے جس میں اتنی زیادہ روئی ہوتی ہے کہ کئی لحاف بھر جائیں، ان کے جھول ناپاجاموں کی موری اتنی تنگ ہوتی ہے کہ اس سے پیر تک باہر نہیں آسکتے اور کمربند آگے کی بجائے پیچھے سے کھولتے باندھتے ہیں۔

---

[1] کتاب الہند ص ۸۹ - ۹۰ - [2] متن میں ویعملون فی ترك شعر العانة أن حلقها للشهوة، ہمارے خیال میں یعملون یعلمون کی تصحیف ہے۔

(۵) ان کی بنڈی یا مرزئی پاجامہ سے زیادہ مشابہ ہوتی ہے، اس کو کھولنے، بند کرنے کے لیے پیٹھ کی طرف گھنڈیاں ہوتی ہیں۔

(۶) ان کے کرتوں کے دامن میں دائیں بائیں چاک ہوتے ہیں۔

(۷) جب غسل کرتے ہیں تو پہلے پیر دھوتے ہیں پھر منہ۔

(۸) انگور کی ٹٹی جیسی چھونپڑیوں میں بیٹھے رہتے ہیں اور عورتیں گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہیں، کھیتی باڑی کی دیکھ ریکھ بھی عورتوں کے ذمہ ہے، مرد آرام کرتے ہیں۔

(۹) مرد رنگے کپڑے اور زیور پہنتے ہیں، جیسے بالیاں، کڑے، چھنگلی میں سونے کی انگوٹھیاں اور پیروں کی انگلیوں میں چھلے۔

(۱۰) بغیر زین کے سوار ہوتے ہیں اور اگر زین کستے ہیں تو جانور کے داہنی طرف سے سوار ہوتے ہیں اور پیچھے ساتھی بٹھانا پسند کرتے ہیں۔

(۱۱) کٹار یعنی خنجر کمر کے دائیں جانب لٹکاتے ہیں۔

(۱۲) اگر مصیبت[۱] آتی ہے یا کوئی حادثہ نازل ہوتا ہے تو عورتوں سے مشورہ کرتے ہیں۔

(۱۳) چھوٹے بیٹے کو بڑے پر ترجیح دیتے ہیں بالخصوص مشرقی علاقوں میں، ان کا خیال ہے کہ پہلا بیٹا بالعموم شہوت کے زیر اثر پیدا ہوتا ہے اور سب سے چھوٹے کے نطفہ میں شہوت کی جگہ اعتدال، تدبر اور سکون مضمر ہوتا ہے۔

(۱۴) مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ڈالتے بلکہ اس کو اوپر سے پکڑتے ہیں۔

(۱۵) گھروں میں داخل ہوتے وقت اجازت نہیں لیتے لیکن واپس ہوتے وقت اجازت مانگتے ہیں۔

(۱۶) مجلس میں پلتھی مار کر بیٹھتے ہیں۔

(۱۷) اکابر کی موجودگی میں تھوکتے ہوئے یا ان کے سامنے جوں مارتے شرم نہیں محسوس کرتے۔

(۱۸) چھینک کو منحوس اور گوز کو مبارک سمجھتے ہیں۔

---

[۱] متن میں ہے ویستشیرون النساء فی الآراء والعوارض، ہم نے الآراء کو الأرزاء قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔

(۱۹) جولاہے کو گندہ لیکن حجام کو پاک خیال کرتے ہیں اور اس شخص کو بھی جو اجرت لے کر خودکشی کرنے والے کو ڈبوئے یا جلائے۔

(۲۰) بچوں کے لئے مکتب کی تختیوں کو کالا رنگتے ہیں اور سفید رنگ سے عرض کی بجائے طول میں بائیں طرف سے دائیں طرف لکھتے ہیں۔

(۲۱) کتاب کا نام ابتداءً یا پہلے صفحہ پر نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں قلمبند کرتے ہیں۔

(۲۲) اسماء اور اعلام میں عظمت پیدا کرنے کے لئے ان کو مؤنث استعمال کرتے ہیں جس طرح عرب اسماء کو مصغر کر کے ان میں عظمت پیدا کرتے ہیں۔

(۲۳) جب دو آدمی چوسر کھیلتے ہیں تو پانسہ تیسرا آدمی پھینکتا ہے۔

(۲۴) مست ہاتھی کا پسینہ جب اس کے رخساروں پر بہتا ہے تو اس کو خوشبودار سمجھتے ہیں حالانکہ وہ نہایت متعفن ہوتا ہے۔

پرانا ہندوستان

مسعودی[1] :-

دنیا کے حالات، اس کی حقیقت اور ابتداء کا گہرا مطالعہ کرنے والے علماء اور محققوں کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ پرانے زمانہ میں ہندوستان ایک تابناک تہذیب[2] کا حامل تھا جس میں حکمت

---

[1] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر ۱/ ۱۰۲ - ۱۱۲ -

[2] تابناک تہذیب سے غالباً ویدی تہذیب کا کوئی دور مراد ہے۔ ویدک تہذیب کا زمانہ بعض جرمن علماء تحقیق نے غیر متعین ماضی سے آٹھ سو قبل مسیح تک بتایا ہے۔ قدیم ہندوستان - مجمدار ص۴۰ - ۱۴۱ -

وصلاح کا دور دورہ تھا لیکن بعد میں جب (مرزبوم اور مذہبی عصبیت کے زیر اثر) ملک میں مختلف گروہ اور جاتیں پیدا ہوگئیں تو ہندوؤں (کے ارباب رائے) نے سارے ملک کو ایک حکومت کے ماتحت منظم و متحد کرنے کا عزم کرلیا، انہوں نے کہا کہ ہمارا ہی دادا [illegible] سرزمین ہند پر اترا تھا، ہم ہی اس ملک کے اولین وارث تھے اور ہم ہی اس کے آخری وارث ہوں گے (اس لئے ہم کو ہی حکومت و قیادت کا حق ہے) ہم کسی کو اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ ہماری مخالفت کرے یا ہم کو خاطر میں نہ لائے، اگر کوئی ایسا کریگا تو ہم اس کو تباہ و برباد کردیں گے انہوں نے اپنا ایک بادشاہ مقرر کیا جو ملک کا سب سے بڑا برہمن[1] اور لیڈر تھا اس کے زمانہ میں فلسفہ اور حکمت کو فروغ حاصل ہوا، عالموں نے مختلف علوم میں ترقی کی، کانوں سے لوہا نکالا گیا اور تلواریں، کٹاریں نیز بہت سے دوسرے ہتھیار بنائے گئے، برہمن نے عبادت گاہیں قائم کیں اور ان کو چمکیلے اور جگمگاتے ہوئے جواہرات سے سجایا، ان میں آسمان اور آسمان کے بارہ برجوں اور ستاروں کی شکلیں بنائیں اور عالم کے حالات، اس کی ساخت اور طبعی خدوخال تصویروں کے ذریعہ ظاہر کئے، دنیا، حیوان اور انسان پر ستاروں کے اثرات کی بھی شکلوں اور تصویروں کے ذریعہ وضاحت کی، اس کے علاوہ مدبر یعنی سورج کے حالات درج کئے اور اپنی تحریروں میں اپنے سارے نظریات کے ثبوت اور براہین پیش کئے تاکہ عوام کو ان کے سمجھنے میں آسانی ہو اور ان کو پڑھ کر علما اور خواص کے دل میں آسمانی علوم کے میدان میں مزید تحقیق اور ترقی کرنے کا داعیہ پیدا ہو، اس نے کتاب میں مبدء اول (خدا) کا بھی ذکر کیا جس نے سارے موجودات کو زندگی عطا کی ہے اور ان کو اپنے جود و سخا سے نوازا ہے۔ سارا ہندوستان برہمن کا مطیع و تابع ہوگیا، ملک میں زراعتی خوشحالی ہوگئی، برہمن نے ہندوؤں کو وہ اصول اور گر بتائے جن کے ذریعہ دنیوی منافع حاصل ہوتے ہیں، اس نے دانشمندوں اور فلسفیوں کو جمع کیا جنہوں نے اس کی زیر نگرانی نجوم کی مشہور کتاب سدہانت (السند ھند)[2] مرتب کی

---

[1] برہمن سے شاید برہما مراد ہے۔ ہندو دھرم کا اول اور تین سب سے بڑے دیوتاؤں (برہما، وشنو، شو) میں پہلا دیوتا۔ ہندو برہما کو دنیا کا خالق اور نیچے سارے اہم علوم جیسے جوتش اور طب کا موجد بتاتے ہیں۔ سدہانت کسی ایک مخصوص کتاب کا نام نہیں، اس کا اطلاق نجوم کی پانچ مشہور اور مستند کتابوں پر ہوتا ہے، ان میں سب سے پرانی کتاب جس سے بعد کی ساری نجومی تالیفات ماخوذ ہیں پیتامہ کے نام سے مشہور ہے، بقول بیرونی (کتاب الہند) اس کا مصنف ہندوؤں کا مورث اعلیٰ برہما تھا، برہمن کے عہد میں لکھی ہوئی سدہانت سے شاید یہی کتاب مراد ہے۔

[2] مسعودی کا یہ تبصرہ درست نہیں، سدہانت *

* یہ جملہ [illegible] بعد سالویں صدی ہجری میں لکھی گئی

وضع کی جس کے معنی ہیں دہرالدہور[ل] یعنی سب سے بڑا زمانہ۔ اس کتاب سے نجوم کی دیگر کتابیں ماخوذ ہیں
جیسے آریہ بھٹ (از جہیر) اور مجسطی (NAGEST) آریہ بھٹ (از جہیر) سے کتاب اُرکنڈ[ٹ] (زائچوں کے
بارے میں) ماخوذ ہے اور مجسطی سے کتاب بطلیموس، بعد میں ان دونوں کی مدد سے زیجین بنائی گئیں
برہمن کے علاوہ وہ تو ہند سے ایجاد کئے جن سے ہندی حساب کا تانا بانا تیار ہوا ہے، برہمن پہلا شخص
تھا جس نے اوج شمس کے موضوع پر بحث کی، اس کی رائے ہے کہ سورج ہر برج میں تین ہزار سال ٹھہرتا
ہے اور پورے آسمان کو چھتیس ہزار برس میں طے کر لیتا ہے، برہمن کی رائے کے مطابق ہمارے وقت
یعنی ۳۳۲ھ / ۹۴۳ء میں اوج شمس برج ثور میں ہے، اس کی رائے ہے کہ سورج جب جنوبی برجوں میں منتقل ہوتا
ہے تو آبادی اور زراعت بھی اس کے ساتھ منتقل ہو جاتی ہے اور وہ علاقے جو اب تک آباد تھے بنجر
اور ویران ہو جاتے ہیں اور جنوب کے وہ علاقے جو اب تک بنجر اور ویران تھے، آباد اور سرسبز ہو جاتے
ہیں۔ برہمن نے ملتان کے مندر (بیت ذہب) میں دور اول کی تاریخ کا حساب محفوظ کر دیا، اس حساب
کے مطابق ہندو، ہندوستان میں مورتی پوجا اور اس کے رواج کی ابتدا بیان کرتے ہیں ...

برہمن نے تین سو ساٹھ برس تک حکومت کی، اس کی اولاد ہمارے زمانہ تک برہمن کہلاتی ہے
ہندو برہمنوں کی تعظیم کرتے ہیں، یہ ان کی ساری ذاتوں اور طبقوں سے اونچے ہوتے ہیں اور کسی جانور کا
گوشت نہیں کھاتے، ان کے مردوں اور عورتوں کی گردن میں پیلے رنگ کی ڈوری تلوار کی حمائل کی
طرح پڑی ہوتی ہے، اس ڈوری کے ذریعہ ان میں اور دوسری ہندو قوموں میں امتیاز کیا جاتا ہے
پرانے زمانہ میں جب برہمن کی حکومت تھی تو چوٹی کے سات ہندو فلسفی ملتان کے مندر
(بیت ذہب) میں جمع ہوئے اور انہوں نے کہا: آئیے سر جوڑ کر بیٹھیں اور غور کریں کہ دنیا کی
کہانی، اس کی کنہ اور حقیقت کیا ہے، ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں، ہمارا عدم سے

ل سوائے بیرونی کے سارے عرب مصنف یہی سنے سنائے معنی لکھتے چلے آئے ہیں جو غلط ہیں، سدہانت ریاضی یا
نجوم کے ایسے کام کو کہتے ہیں جو علمی بنیادوں پر قائم ہو اور اغلاط سے پاک ہو۔

ٹ تعریب آہرگن

وجود میں آنا کسی حکمت پر مبنی ہے یا نہیں۔ کیا ہماری آفرینش سے ہمارے خالق کے پیش نظر کوئی ذاتی فائدہ تھا اور آیا اس دنیا میں ہمیں فنا کر کے خالق کسی نقصان سے بچنا چاہتا ہے۔ یا اس کو ہماری طرح ضرورت لاحق ہوتی ہے یا وہ ہمارے مارنے اور جلانے، تکلیف اور راحت سے ہر طرح مستغنی اور کلی طور پر بے نیاز ہے؟

بڑے فلسفی نے کہا: کیا آپ کوئی ایسا شخص بتا سکتے ہیں جس نے ساری موجود اور غیر موجود اشیا کی حقیقت کا ادراک کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہو اور اس کی ہر الجھن مٹ گئی ہو اور اس کو ہر طرح اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا ہو؟

دوسرا فلسفی: اگر ہماری آفرینش میں خالق کی حکمت کا کوئی عقل ادراک کر سکتی تو اس سے خالق کا نقص اور کمزوری ظاہر ہوتی، آفرینش کی غرض وغایت معلوم نہیں ہو سکتی، انسانی عقل اس کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

تیسرا فلسفی: اس سے پہلے کہ ہم دور کی چیزوں کو سمجھنے کی طرف مائل ہوں، ہمیں اپنی قریب ترین چیز یعنی روح کو سمجھنا چاہیے۔

چوتھا فلسفی: یہ بڑی بری بات ہے کہ آدمی ایسی سطح پر جا گرے کہ اس کی روح تباہ و برباد ہو جائے۔

پانچواں فلسفی: اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دانا اور گیانی علما سے ربط رکھنا ضروری ہے۔

چھٹا فلسفی: جس کو اپنی روح کی سعادت اور اس کا سکھ مطلوب ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ گیانیوں اور دانشمندوں سے رابطہ رکھنے میں غفلت نہ برتے، بالخصوص اس لئے کہ دنیا میں دائمی قیام ناممکن ہے

۱؎ متن کی عبارت: ولو نشاء وقوع امر وقع المحتاج فیه بنفسه، محرف معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس سے کوئی مطلب نہیں نکلتا، دوسرے نسخہ میں یہ عبارت ہے: لقد ساء وقوع من وقع موقعاً المحتاج فیه إلی معرفة نفسه۔ اس سے بھی کوئی مناسب حال معنی سمجھ میں نہیں آتے، ہمارے خیال میں عبارت کی صحیح شکل یہ ہے: ولقد ساء وقوعُ امرِءٍ موقعاً المجتاح (بالجیم المعجمة والحاء المهملة) فیه نفسه۔

اور اسے چھوڑے بغیر چارہ نہیں۔

ساتواں فلسفی: جو باتیں آپ لوگوں نے کیں وہ میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ اس دنیا میں اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں اور عالم حیرانی میں زندگی بسر کر رہا ہوں اور مجھے میری مرضی کے خلاف دنیا سے نکالا جائے گا۔

ان سات فلسفیوں کے نظریات و آراء کے بارے میں ہندوؤں کی اگلی پچھلی نسلوں میں اختلاف ہوا لیکن سب نے ان کی پیروی کی اور انکے مسلک پر عمل پیرا ہوئے، بعد میں ان نظریات و آراء کی بنیاد پر ہندوؤں کے نئے نئے مسلک بن گئے جن کی تعداد ستر تک بتائی جاتی ہے....

جب برہمن کا انتقال ہوا تو ہندوؤں کو سخت افسوس ہوا، انہوں نے اس کے سب سے بڑے لڑکے ناہود کو جو ولیعہد تھا اور جس کے لئے برہمن نے وصیت کی تھی، اس کا جانشین مقرر کیا، ناہود باپ کے نقش قدم پر چلا، وہ رعایا کے مفاد اور مصالح کا خاص خیال رکھتا تھا، اس نے نئے نئے ہیکل بنوائے دانشمندوں اور فلسفیوں کی خوب قدر و منزلت کی، ان کے رتبے بڑھائے اور ان کو تلقین کی کہ خود بھی فلسفہ اور حکمت میں مہارت حاصل کریں اور عوام میں بھی اس کی تعلیم پھیلائیں۔

ناہود نے سو سال حکومت کر کے انتقال کیا، اس کے عہد میں چوسر (نرد) کا کھیل ایجاد ہوا، چوسر کی ایجاد سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اس دنیا میں روزی اور رزق کوشش اور لیاقت سے نہیں بلکہ بخت کی یاوری سے حاصل ہوتا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چوسر کا موجد اس کا سب سے پہلا کھلاڑی فارسی بادشاہ اردشیر بن بابک تھا اور اس کی ایجاد سے اس کا مقصد دنیا اور دنیوی اعزاز کی ناپائداری، دنیوی زندگی کے تغیرات اور بے ثباتی ظاہر کرنا تھا..... اس کھیل کے ذریعہ وہ بتانا چاہتا تھا کہ اس دنیا میں نعمت و خوشحالی، لیاقت، ذہانت اور کوشش سے نہیں بلکہ خوش نصیبی سے ملتی ہے۔

ناہود کے بعد دابان بادشاہ ہوا، اس نے تقریباً ایک سو پچاس سال حکومت کی، بہت سے

اہم واقعات اس کے عہد حکومت سے وابستہ ہیں، داماں کی فارسی اور چینی بادشاہوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بعض مشہور و ممتاز واقعات اور جنگوں کا ہم نے پچھلی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے۔

داماں کے بعد ہندوستان کے تخت پر پورس (فور) متمکن ہوا، یہ وہی بادشاہ ہے جس سے سکندر رومی کی جنگ ہوئی اور جس کو سکندر نے شخصی مقابلہ میں قتل کر دیا تھا، پورس نے ایک سو چالیس سال حکومت کی، اس کے بعد دبشلیم (دستلم) بادشاہ ہوا، اس نے کلیلہ و دمنہ نامی کتاب تصنیف کی جس کی تالیف ابن المقفع (متوفی ۱۴۲ھ) کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ دبشلیم ایک سو بیس سال تک حکمراں رہا، اس کی مدتِ حکومت کے بارے میں ایک اور قول بھی ہے۔

دبشلیم کے بعد بلہیت کی تاج پوشی ہوئی، بلہیت کے عہد میں شطرنج ایجاد ہوا، اس کھیل نے چوسر کا فلسفہ منسوخ کرکے ایک مختلف اور نئے فلسفہ کی بنیاد ڈالی اور وہ یہ کہ سمجھدار آدمی اپنی عقل اور تدبر سے کامیابی حاصل کرتا ہے اور ناسمجھ، بدھو غلط تدبیر ہونے کے باعث شکست کھاجاتا ہے اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔

بلہیت نے اسّی برس تک حکومت کی، بعض نسخوں میں اس کی مدتِ حکومت ایک سو تیس سال بتائی گئی ہے، اس کا جانشین کورس تھا، اس نے وقتی ضرورتوں اور مصالح کے پیش نظر اور عوام کی سہولت و مفاد کی خاطر رائج الوقت مذہبی نظریات میں ترمیم و تنسیخ کرکے نئے ضابطہ بنائے اور اپنے اسلاف کا مسلک چھوڑ دیا۔ اس بادشاہ کے عہد میں سندباد حکیم گزرا ہے، اس نے سندباد نامی کتاب تصنیف کی جس میں سات وزیروں، معلم اور بادشاہ کی ملکہ کا ذکر ہے، کورس کے دربار میں طب کی سب سے بڑی کتاب لکھی گئی جس میں بیماریوں، ان کے اسباب اور علاج کا ذکر ہے اور جڑی بوٹیوں کی تصویریں دی گئی ہیں۔

کورس نے ایک سو بیس سال حکومت کی جب اس کا انتقال ہوا تو ہندوؤں کے درمیان

اختلافات پیدا ہو گیا جس کے نتیجہ میں الگ الگ مسلکی مذہبی، سرزمینی کیمپ بنتے گئے اور ہر علاقہ کا رئیس خود مختار ہو گیا، حکومت کے گورنروں نے مرکز سے اپنا تعلق توڑ لیا۔ چنانچہ ایک سندھ کا راجہ ہو گیا، دوسرا کشمیر کا تیسرا قنوج کا اور چوتھا مالکھید (مانکیر) کا۔

نویں اور دسویں صدی میں شمالی، وسطی اور جنوبی ہندوستان کی ریاستیں اور شہر

ابن خرداذبہ[1]:

ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ بلہرا[2] ہے، بلہرا کے معنی ہیں راجاؤں کا راجہ! اس کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ ہیں: جو شخص کسی مقصد کے لئے تم سے دوستی کرے گا وہ مقصد برآری کے بعد بے رخی سے کام لیگا۔ راجہ بلہرا کوشکن[3] (دکم) دیس میں رہتا ہے جہاں ساگون پیدا ہوتا ہے۔ بلہرا کے بعد راجہ ٹیکا (طافن[4]) کی عملداری آتی ہے، اس کے بعد جیا راجہ (جابہ[5]) کی پھر راجہ گرجر

---

۱ المسالک والممالک ص۔ ۲ بلہرا ولبھ رائے کی تحریف ہے، بلہرا کا لفظ عرب بطور لقب استعمال کرتے ہیں اور یہ لقب راشٹرکوٹا خاندان کے ان عظیم راجاؤں کو دیتے ہیں جو آٹھویں صدی کے وسط سے دسویں کے اواخر تک موجودہ ریاست مہاراشٹر اور مغربی و وسطی دکن کے حکمران تھے ان کا پایۂ تخت مالکھید (عرب مانکیر) دریائے نربدا کے تین سو پچاس میل جنوب میں واقع تھا۔ ۳ بمبئی سے منگلور تک کا ساحلی علاقہ۔ ۴ طافن یا سافن (داستان) اور سافن کی بحث لوگوں کیلئے ایک معمہ بنا ہوا ہے، مرحوم مولانا سلیمان ندوی اور ان کے متبعین طافن اور سافن کو دکن کی تحریف قرار دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے، یہ دونوں لفظ طاکی کی تحریف ہیں، طاقی یا طاکی مسعودی کی تحریروں میں بھی موجود ہے، طاقی ٹاکا یا ٹکا بتشدید کاف کی تحریف ہے، ٹکا ایک قوم کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں پنجاب کے زیریں پہاڑوں اور میدانوں میں ملتان کے شمال تک حکمران تھی، اسی مناسبت سے اس قوم کا نام ٹکا دیس پڑ گیا تھا، ٹکا دیس کا مہابھارت میں بھی ذکر ہے، پرانے زمانہ میں ٹکا قوم سارے پنجاب میں پھیلی ہوئی تھی، اس علاقہ کی عورتیں اپنے جسمانی تناسب اور حسن صحت کیلئے مشہور تھیں۔ دیکھو جغرافیہ قدیم ہندوستان از کننگھم کلکتہ ۱۹۲۴ء ص ۱۵۹۔ ۵ جابہ بھی طافن کی طرح عقدہ و تخیل بنا ہوا ہے، بعض کتابوں میں جابہ ہے یہ دونوں لفظ جیا کی بگڑی ہوئی شکل ہیں، جیا سے مراد جیا چندر ہے، جو جالندھر دوآب اور کانگڑا کوہستان میں نویں صدی عیسوی کے اوائل میں راجہ تھا، جالندھر دوآب کی یہ حکومت محمود غزنوی کے حملے سے کئی سو سال پہلے بہت طاقتور تھی اور ایک زمانہ میں تو اس کی عملداری مغرب میں ملتان تک وسیع تھی، اس خاندان کا دعوی تھا کہ اس کا تعلق سورج بنش سے ہے، اس کی قدامت اور شرافت کے باعث کشمیر اور مہاراشٹر کے راجہ اس سے شادی بیاہ کے تعلقات استوار رکھتے تھے۔ دیکھو کننگھم ۱۵۶۔۱۵۹

(جزرٗ) کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ راجہ گرجر (جُرز) کی حکومت میں تاتاری (طاطری) درہم چلتے ہیں۔ اس کے بعد ناگا (طابہ) اور پھر بنگال کے راجہ دھرما (رہمی یہ روزن سُلمی) کی قلمرو شروع ہو جاتی ہے۔ دھرما کے (مشرقی حدود) اور ہند کے مذکورہ راجاؤں کے علاقوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ دھرما (رہمی) کے پاس پچاس ہزار ہاتھی ہیں۔ اس کے ملک میں نرم اور باریک ململ بنتی جاتی ہے اور عود لکڑی پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد راجہ آسام (قامرُون) کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے اس

---

۱ جرز سے قنوج کے گرجر اپرتیہار سلاطین مراد ہیں جن کی نویں صدی عیسوی سے گیارھویں صدی کے وسط تک ہندوستان کے ایک بڑے رقبہ پر شاندار حکومت تھی، یوپی، راجستھان، مغربی پنجاب، نیپال اور وسطی ہند کے متعدد صوبے ان کی قلمرو میں داخل تھے، ایک عرصہ تک سرزمین کاٹھیاواڑ پر بھی ان کا قبضہ رہا، قنوج ان کا پایۂ تخت تھا، ابن خرداذبہ اور سلیمان تاجر کا ہمعصر مشہور راجہ بھوج اول تھا جس نے پچاس سال سے زیادہ ۸۳۶ سے ۸۸۹ عیسوی تک حکومت کی۔ ۲ طاطری درہموں سے تاتاری درہم مراد ہیں جن کے موجد کابل کے تاتاری SCYTHIAN بادشاہ تھے، ان کی حکومت شمال مغربی ہند پر بھی تھی، تاتاری سکے راجپوتانہ، گجرات اور جیسا کہ ابن خرداذبہ لکھتا ہے بلہرا کی قلمرو میں بھی رائج تھا، یہ چاندی کا تھا اور اس کا وزن پچیس یا اڑسٹھ گرام تک ہوتا تھا، اس کا رواج پانچویں چھٹی صدی عیسوی سے محمود غزنوی کے عہد تک رہا۔ کننگھم ص ۲۵۹۔

۳ طابہ شاید طاقہ کی تحریف ہے اور طاقہ ناگا کی تعریب ہے، آٹھویں صدی عیسوی میں کشمیر کے برہمن سلاطین کا لقب ناگا تھا۔ دیکھو کننگھم ص ۱۰۴

۴ رہمی یہ روزن سُلمی دھرما کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور رہمی سے مراد دھرما پال بنگال کا راجہ ہے جس نے ۷۸۰ سے ۸۱۲ تک حکومت کی، یہ راجہ ہارون الرشید عباسی کا ہمعصر تھا، رشید کے برمکی وزیر یحییٰ (متوفی ۸۰۵ء) نے جس کو ہندوستانی تہذیب و تمدن سے دلچسپی تھی ایک وفد ہندوستان کے مذاہب اور حالات دریافت کرنے بھیجا تھا، اس وفد نے یحییٰ کو ہندوستانی حکمرانوں کے جو نام بتائے وہ بعد کے عرب مصنفوں نے بے احتیاط ماخذ اپنی کتابوں میں داخل کر دئے، غالباً ان میں سب سے پہلا مصنف عباسی حکومت کے مواصلات اور خبر رسانی کا افسر ابن خرداذبہ تھا جس نے سب سے پہلے وفد کی رپورٹ کے بعض اقتباسات متعلقہ ہند اپنی کتاب میں ضم کر لئے تھے، ہماری رائے میں یحییٰ برمکی کو پیش کردہ رپورٹ میں بنگال کے راجہ کا نام دَھرمی (بر وزن سلمی) لکھا گیا ہوگا جس کو ناقل یا کاتب نے رہمی یا دہمی (بالدال جیسا کہ بعض کتابوں میں ملتا ہے) قرار دیا اور بعد کے سارے کاتب انہی دو شکلوں میں اس کو نقل کرتے رہے۔

کی حدود عملکت چین تک وسیع ہے، اس کے ملک میں سونا خوب ہوتا ہے اور وہ مشہور چوپایہ پایا جاتا ہے جسے گینڈا کہتے ہیں اور جس کی پیشانی پر ایک ہاتھ لمبا اور دو مشتی چوڑا سینگ ہوتا ہے، سینگ کا ٹا جائے تو اس کی اندرونی سیاہی میں اوپر سے نیچے تک ایک سفید شکل نمایاں ہوتی ہے، انسان کی یا کسی چوپایہ یا کسی مچھلی یا مور یا کسی دوسرے پرندے کی۔ چین کے مالدار لوگ گینڈے کے سینگ کے پٹکے استعمال کرتے ہیں جن کی قیمت پندرہ سو روپے سے لیکر پندرہ اور بیس ہزار روپے تک اٹھتی ہے، ہندوستان کے ان سارے راجاؤں کے جن کا اوپر ذکر ہوا، کان چھدے ہوئے ہیں۔

سلیمان تاجر[1]

ہندوستان اور چینی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کے بڑے بادشاہ چار ہیں: پہلا خلیفہ عرب جس کے بارے میں ان کا اتفاق ہے کہ وہ سب سے بڑا، سب سے مالدار، سب سے زیادہ وجیہہ اور اس عظیم مذہب کا بادشاہ ہے جس سے بڑا کوئی دوسرا مذہب نہیں، اس کے بعد شاہ چین کا نمبر آتا ہے پھر قیصر روم کا اور آخر میں بلہرا[2] کا جو کان چھدے ہوئے لوگوں کا راجہ ہے۔ بلہرا ہندو راجاؤں میں سب سے بلند مرتبہ اور معزز راجہ ہے۔ ہندوستان کے سارے راجہ خود مختار ہیں اور کسی کے ماتحت نہیں اس کے باوجود وہ بلہرا کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں، جب بلہرا کے سفیر ان کے درباروں میں آتے ہیں تو وہ تعظیماً ان کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔ عرب سلاطین کی طرح راجہ بلہرا فوج کو (جاگیر کی بجائے) تنخواہ دیتا ہے، وہ بہت مالدار راجہ ہے، اس کی فوج میں گھوڑے اور بہت سے ہاتھی پائے جاتے ہیں، وہ بہت مالدار بھی ہے، اس کی دولت تاتاری (طاطری) درہموں کی شکل میں ہے، ہر تاتاری درہم کا وزن راجہ کے ڈیڑھ درہم کے بقدر ہوتا ہے۔ راجگان بلہرا کا سنہ ان کی تاجپوشی کے سال سے شروع ہوتا ہے، جب کہ عربوں کا سنہ ہجرت نبوی

---

[1] سلسلۃ التواریخ ۱/۲۹۔ ۳۰ و ۵۱۔ [2] یہ وہ راشٹراکوٹا تاجدار سلیمان کے ہمعصر تھے، گووند سوم (۷۹۳ - ۸۱۴ء) اور امو گھاورشا (۸۱۴ - ۸۷۷ء)۔ [3] اس بارے سے زیادہ مستند اور مشہور قاضی صاعد اندلسی کا یہ قول ہے: سلاطین چین کہا کرتے تھے کہ دنیا میں پانچ بڑے بادشاہ ہیں، جن کے باقی سارے حکمران تابع اور ماتحت ہیں، شاہ چین، شاہ ہند، شاہ ترک، شاہ فارس اور قیصر روم۔ طبقات الامم ص ۱۳

سے شروع ہوتا ہے۔ بلہرا راجاؤں کی عمر دراز ہوتی ہے، کبھی کبھی ان کا کوئی راجہ پچاس[1] برس تک حکومت کرتا ہے، ان کی ہندو رعایا کی رائے ہے کہ ان کی درازیِ عمر کا سبب یہ ہے کہ وہ عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ کوئی ہندو راجہ بلہرا کی طرح عربوں کا قدردان نہیں اور نہ کوئی دوسری قوم ان کی رعایا کی طرح عربوں سے انس رکھتی ہے، بلہرا ان کے ہر راجہ کا لقب ہے جس طرح کسریٰ ساسانی سلاطین کا لقب تھا۔

بلہرا کی قلمرو (مغربی) ساحل سمندر سے شروع ہوتی ہے اور اس ساحل کا نام کونکن (کمکم) ہے اور یہ ساحل (بلا انقطاع) سمندر کے کنارہ کنارہ چین تک چلا گیا ہے، بلہرا کے ارد گرد بہت سے ہندو راجہ ہیں۔ جو اس سے لڑتے ہیں لیکن وہ ان سب پر غالب رہتا ہے۔ اس کے پڑوسی راجاؤں میں ایک راجہ گرجر (جُزر) ہے جس کے پاس بہت بڑی فوج ہے، کسی ہندو راجہ کے پاس اتنی زیادہ گھوڑا فوج نہیں جتنی اس کے پاس ہے، اس کو عربوں سے عداوت[2] ہے، اس کے باوجود وہ اس بات کا معترف ہے کہ عرب خلیفہ سب سے بڑا بادشاہ ہے، کوئی ہندو حکمراں راجہ گرجر (جزر) کی طرح مسلمانوں کو ناپسند نہیں کرتا۔

راجہ گرجر ایک مستطیل علاقہ (اَوَدَہ، کاٹھیاواڑ اور راجپوتانہ) کا حاکم ہے اس کی قلمرو میں دولت کی فراوانی ہے، اونٹ اور مویشی بھی بکثرت پائے جاتے ہیں، خرید و فروخت چاندی کے ذریعہ ہوتی ہے، رپورٹر بتاتے ہیں کہ اس کے ملک میں کانیں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستان کی کوئی حکومت چوری ڈکیتی سے اتنی محفوظ نہیں جتنی راجہ گرجر (جزر) کی حکومت ہے۔ (شمال میں) اس کی سرحد تکا راجہ (طافن) کی قلمرو سے ملتی ہے، راجہ تکا کی سلطنت رقبہ میں زیادہ نہیں البتہ یہاں کی عورتیں گوری ہوتی ہیں اور سارے ہندوستان کی عورتوں سے حسن و جمال میں بازی لے گئی ہیں۔

راجہ تکا کا لشکر چونکہ چھوٹا ہے اس لئے وہ اپنے پڑوسی راجاؤں سے مصالحانہ تعلقات بناتے

---

[1] سلیمان کے ہمعصر اموگھا ورشا نے تریسٹھ برس اور اس کے لڑکے کرشن ورم نے اڑتیس سال حکومت کی۔

[2] اس کی وجہ یہ تھی کہ ملتان اور منصورہ (سندھ) کے عرب حکمران راجہ گرجر کے ماتحت علاقوں، خاص طور پر راجپوتانہ اور مغربی پنجاب پر حملے اور ترکتازیاں کرتے رہتے تھے

رکھتا ہے، یہ بھی بلہرا کی طرح عربوں کا قدر دان ہے۔

ان راجاؤں سے متصل (مشرق میں) ایک راجہ ہے جس کو دھرما (رہمی) کہتے ہیں، راجہ گرجر سے اس کی جنگ ٹھنی رہتی ہے، دھرما (رہمی) کوئی باعظمت راجہ نہیں ہے، اس کی بلہرا سے بھی لڑائی ہوتی ہے، اس کی فوج بلہرا، راجہ گرجر (جزر) اور راجہ ٹکا (طافن) تینوں سے زیادہ ہے، ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ جب لڑنے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ پچاس ہزار ہاتھی ہوتے ہیں اور چونکہ ہاتھی گرمی کے موسم میں پیاس کی تاب نہیں لاسکتا دھرما (رہمی) صرف جاڑوں میں جنگ کرتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے لشکر میں دس ہزار سے پندرہ ہزار تک دھوبی کام کرتے ہیں۔

راجہ دھرما (رہمی) کی سلطنت میں وہ کپڑا بنا جاتا ہے جو اتنا نرم اور باریک ہوتا ہے کہ اس کا ایک تھان انگوٹھی کے سوراخ سے ہو کر نکل آتا ہے، یہ کپڑا روئی کے دھاگے سے بنایا جاتا ہے، ہم نے اس کے کچھ نمونے خود بھی دیکھے ہیں۔

راجہ دھرما (رہمی) کے ملک میں کوڑیوں سے خرید و فروخت ہوتی ہے، کوڑی ہی یہاں کا سکہ اور دولت ہے۔ اس کے ملک میں سونا، چاندی اور صندل لکڑی بھی پائی جاتی ہے نیز وہ زردی مائل بال[1] جس سے چوریاں بنائی جاتی ہیں اور وہ گینڈا جس کی پیشانی کے اگلے حصہ پر اندر سے منقوش سینگ ہوتا ہے۔

ہندوستان کی ہر ریاست میں ایک ہی خاندان کے افراد حکومت کرتے ہیں، حکومت اس خاندان سے باہر نہیں جاتی، ہر راجہ کے ولیعہد ہوتے ہیں، اسی طرح کلرکی، سکریٹری شپ، طبابت اور دوسرے پیشے بھی موروثی ہوتے ہیں اور مقررہ خاندانوں کے لئے مخصوص، ہندوستان کے راجہ کسی ایک حکمراں کے تابع نہیں ہوتے، بلکہ ہر راجہ اپنے علاقہ کا خود مختار حاکم ہوتا ہے، چینیوں کے ہاں ولیعہدی کا دستور نہیں ہے

ابوزید سیرانی[2]:-

ہندوؤں کے راجہ کانوں میں سونے کے بندے پہنتے ہیں جن میں قیمتی جواہرات جڑے ہوتے ہیں۔

---

[1] متن میں الشیاب الضمر بالضاد المعجمة ہے، ہم نے الشیاب کو جو بے موقع معلوم ہوتا ہے اشعر جد الصفر کو الصفر کی تحریف قرار دے کر ترجمہ کیا ہے۔ [2] تکملہ سلسلۃ التواریخ ۲/ ۱۴۵۔

ان کے گلوں میں اعلیٰ قسم کے بیش قیمت موتیوں، لال اور فیروزی جواہرات کی مالائیں ہوتی ہیں، تاج بھی زیورات ان کی دولت اور خزانے ہیں، ان کے فوجی کمانڈر اور اکابر بھی یہ زیور پہنتے ہیں۔ ملکا بڑا آدمی۔ ایک آدمی کے کندھوں پر سوار ہو کر نکلتا ہے، ایک بڑا رومال اس کے سر پر ہوتا ہے، دھوپ سے بچاؤ کے لئے اس کے ہاتھ میں مور کے پروں کی ایک چھتری ہوتی ہے، اس کے نوکر چاکر اور مقرب ہر طرف سے اس کو گھیرے ہوتے ہیں۔

ہندوؤں کے اکثر راجہ جب ملکی یا غیر ملکی مہمان اُن سے ملاقات کے لئے دربار میں آتے ہیں تو وہ اپنی رانیوں کو مہمانوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور ان سے پردہ نہیں کراتے۔ (جنوبی) ہندو راجاؤں اور بڑے لوگوں کے لئے ہر دن کھجور کی شاخوں سے تھال اور پلیٹ کے ہم شکل ظروف بنائے جاتے ہیں۔ جب دوپہر کا کھانا آتا ہے تو وہ کھجور کے ان ظروف میں کھانا کھاتے ہیں، کھانے کے بعد تھال اور ظروف مع باقی ماندہ کھانے کے پانی میں پھینک دیئے جاتے ہیں اور اگلے دن کے کھانے کے لئے نئے تھال اور ظروف استعمال کئے جاتے ہیں۔[1]

ابن رستہ:

ابو عبداللہ محمد بن اسحاق (تاجر) نے بیان کیا کہ ہندوستان کے اکثر بادشاہ زنا کو مباح سمجھتے ہیں سوائے راجہ کمبوڈیا[2] (قمار) کے، میں اس کی راجدھانی میں دو برس مقیم رہا، میں نے اس سے زیادہ غیرت مند اور شراب کے معاملہ میں اس سے زیادہ سخت گیر کوئی دوسرا راجہ نہیں دیکھا، وہ زنا اور شراب دونوں کے مرتکب کو قتل کی سزا دیتا ہے...... کمبوڈیا (قمار) سے متصل (مشرق میں) اَرمن[3] کا علاقہ ہے۔ یہاں کے باشندے خوبصورت ہوتے ہیں اور بچپن ہی میں لڑکوں کی شادی کر دیتے ہیں ان کی رائے

---

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۲ - ۱۳۵ ۔ [2] موجودہ بنکاک کا علاقہ تھائی لینڈ میں عرب، کمبوڈیا، ملایا اور انڈونیشیا کو ہندوستانی حکومتوں میں داخل کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ملکوں میں ہندو راجاؤں کی حکومت تھی اور ہندو مذہب، تہذیب اور تمدن کا غلبہ تھا۔

[3] ارمن سے موجودہ لاؤس اور ویتنام کا علاقہ مراد ہے۔

ہے کہ ایسا کرنا لڑکوں کے حق میں اچھا ہے اور ان کو بدکاری سے باز رکھتا ہے .... ہمارا رپوٹر کہتا ہے کہ راجہ کمبوڈیا کے علاوہ میں نے راجہ پانڈیا (عابدی)[1] کو جس کا نام زتیلا ہے اور اس سے متصل سرزمین چیرا (عارتلی)[2] کے راجہ نیز اس سے ملحق سلطنت کے راجہ چولا (صیلان)[3] کو بھی دیکھا ہے جو راجہ پانڈیا (عابدی) اور راجہ چیرا دونوں سے بڑا ہے اور جس کی فوج بھی دونوں سے زیادہ ہے' لوگ کہتے ہیں کہ اس کے لشکر میں لگ بھگ ستر ہزار فوج ہے، فوجی ہاتھی اس کے پاس کم ہیں تاہم باخبر ہندو وں کا دعویٰ ہے کہ راجہ چولا کے ہاتھی لڑائی میں سارے ہندو راجاؤں کے ہاتھیوں سے زیادہ جرأت اور بہادری سے لڑتے ہیں۔ میں نے اس کا ایک ہاتھی دیکھا جس کا نام کمران تھا، لڑنے اور دشمن کا خون بہانے میں اس سے زیادہ جری ہاتھی میں نے ہندوستان کے کسی راجہ کے پاس نہیں دیکھا، اس کا رنگ سفید تھا اور جسم پر کالے نشان تھے۔ ہندو ایک بڑی آگ جلاتے ہیں اور ہاتھی کو اس پر سے گزارتے ہیں، جو ہاتھی آگ پار کر لیتا ہے اور اس میں داخل ہونے سے نہیں جھجکتا وہ جنگ و قتال کے لئے موزوں سمجھا جاتا ہے اور جو آگ سے بدکتا ہے اور اس کو پار نہیں کرتا وہ جنگ اور سواری کے لئے ناموزوں خیال کیا جاتا ہے، وہ اونٹ کی طرح صرف باربرداری کے کام آتا ہے۔

---

[1] عابدی باندی کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور باندی پانڈیا کی۔ بعض کتابوں میں قایدی اور قاندی بالھمزہ والنون بھی قلمبند ہوا ہے، پانڈیا راجاؤں کی حکومت جنوبی ہند کے آخر میں مدورا سے مشرقی ساحل سمندر تک پھیلی ہوئی تھی مدورا ان کا پایۂ تخت تھا۔ پانڈیا عہد میں عورتیں بھی حکومت کرتی تھیں۔ [2] بعض محققوں کی رائے ہے کہ عارتلی سے چیرا یعنی موجودہ کیرالا کا علاقہ مراد ہے۔ دیکھو جنوبی ہندوستان اور عرب جغرافیہ نولیس از ڈاکٹر محمد نینار، مدراس یونیورسٹی ۱۹۴۲ء ص ۱۰۔ [3] صیلان چولا کی بگڑی ہوئی شکل ہے، بعض کتابوں میں صُولیاں بھی آیا ہے، چولا حکومت جیسا کہ ابن رستہ کا رپورٹر کہتا ہے کہ پانڈیا اور کیرالا دونوں سے وسیع تر تھی، اس کے حدود دریائے کرشنا کے دہانہ سے مدورا کے مشرق میں واقع ساحلی شہر ٹونڈی (Tondi) تک بتائے جاتے ہیں چولا راجاؤں کا پایۂ تخت اور بیور موجودہ ترچناپلی تھا، ڈھائی سو برس تک یعنی نویں صدی عیسوی کے ربع ثانی سے گیارہویں صدی کے ربع آخر تک چولا سلطنت عروج پر رہی۔ دیکھو کننگھم ص ۲۳۷ – ۲۳۸۔

میں نے اس راجہ کو جو پانڈیا (عابدی) کہلاتا ہے اور جس کے علاقہ میں ہاتھی نہیں ہوتے، ہاتھی خریدتے دیکھا ہے، وہ کوئی ایسا ہاتھی نہیں خریدتا جس کا قد پانچ ہاتھ (ذراع۔ لگ بھگ ڈیڑھ فٹ) سے کم ہو اور پانچ کے بعد ہر ایک ہاتھ (ذراع) اونچے ہاتھی کی قیمت نو ہاتھ تک وہ پانچ ہزار روپے (ہزار دینار) کے حساب سے ادا کرتا ہے۔ میں نے نو ہاتھ سے زیادہ اونچا ہاتھی نہیں دیکھا لیکن سنتا ہوں کہ کھاڑیوں (اغباب[1]) کے علاقہ میں ایک سرزمین ہے جسے مندوری تن (اور فسیلن[2]) کہتے ہیں، یہاں ایک عورت کی حکومت ہے جو رانی (رابیتہ) کہلاتی ہے، اس رانی کی عملداری میں برار نامی مقام پر دس سے گیارہ ہاتھ اونچے ہاتھی پائے جاتے ہیں۔

جو لارایہ (راجہ پانڈیا) کے بعد شمال میں ایک راجہ ہے جسے بلہرا کہتے ہیں، بلہرا کے معنی ہیں سب سے بڑا راجہ۔ اس کے علاقہ کا نام کونکن (تگم) ہے، اس میں ساگون لکڑی کے جنگلات پائے جاتے ہیں، یہ لکڑی بیرونی ملکوں کو بھیجی جاتی ہے۔ راجہ بلہرا ایک وسیع حکومت[3] اور ایک بڑے لشکر کا مالک ہے، آس پاس کے راجہ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور جب اس کے سفیران کے دربار میں آتے ہیں تو یہ راجہ ان کے سامنے جھک

---

[1] متن کے لایشتری ما ارتفاعہ خمس أذرع کو ہم نے إلا ما ارتفاعہ قرار دیکر ترجمہ کیا ہے [2] جنوبی ہند کے اس ساحل کو جو تنگنائے پاک (Palk Strait) اور خلیج منار پر پھیلا ہوا ہے، عرب اغباب کے نام سے یاد کرتے ہیں، اغباب غُبّ (بالضم) کی جمع ہے جس کے معنی کھاڑی کے ہیں، اس ساحل کو اغباب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر چھوٹے دریاؤں اور پہاڑی نالوں سے بہت سی کھاڑیاں بن گئی ہیں جن کے کنارے دلکش مرغزار اور سبزہ زار ابھر آئے ہیں۔

[2] قدیم زمانہ میں ہندوستان کے آخری سرے پر رامیشورم کے قریب مندوری پتن نامی ایک بندرگاہ تھا جہاں سے لنکا کے لیے کشتیاں روانہ ہوتی تھیں۔ اور فسیلن مندوری پتن کی بگڑی ہوئی شکل ہے، بعض کتابوں میں اس کی یہ شکلیں ملتی ہیں: مندورین، مندورفین اور سیلن۔ عجائب الہند ص ۱۲۲ و معجم البلدان یاقوت مصر ۲۱۶/۸۔

[3] سنہ ۹۰۰ء کے لگ بھگ جب ابن رستہ کے رپورٹر نے ہندوستان کے حالات بیان کئے راشٹرکوٹا سلطنت اپنے عروج پر تھی اور اس کے حدود شمال میں مالوا اور گجرات تک جنوب میں تنگ بھدرا (معاون دریائے کرشنا) تک، مشرق میں کلنگا تک اور مغرب میں سمندر تک وسیع تھے۔

گر بلہرا کی تعظیم کرتے ہیں، بلہرا کے پڑوس میں جو حکمران ہیں، ان میں ایک راجہ ٹنگا (طافن، مشرقی پنجاب) ہے، اس کی سلطنت تو چھوٹی ہے لیکن وہ خوب مالدار ہے اور اس کا ملک سرسبز اور آباد ہے۔ اس کی رعایا کا رنگ عام طور پر گندمی ہے لیکن ان میں گورے رنگ کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں اور حسن و ملاحت تو عام ہے، اس ریاست سے حاصل کردہ غلام جتنے حسین ہوتے ہیں اتنے آس پاس کے کسی راجہ کی ریاست کے نہیں ہوتے۔

راجہ ٹنگا سے متصل (جالندھر دواب اور کانگڑا کوہستان) کا راجہ جیّا[1] (دجابہ) ہے، یہ ایک خاندانی اور معزز ہندو حاکم ہے، راجہ بلہرا اس خاندان میں شادی بیاہ کرتا ہے، یہ سلاطین جالندھر دوآبہ سلوقی[2] نسل کے ہیں اور راجگانِ بلہرا ان کی شرافت کے پیشِ نظر بس انہی سے ازدواجی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ (مشہور) سلوقی کتے اسی علاقہ کی پیداوار ہیں، جیا راجہ کی قلمرو میں لال رنگ کا صندل ہوتا ہے۔

ان راجاؤں سے متصل ایک راجہ ہے جسے راجہ گرجر (جُزر)[3] کہتے ہیں، اس کی قلمرو میں انصاف کا بول بالا (اور امن وامان کا دور دورہ) ہے، اگر بیچ سڑک پر سونا ڈال دیا جائے تو اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا، راجہ گرجر کی سلطنت لمبی چوڑی ہے، عرب تاجر اس کے دربار (واقع قنوج) میں جاتے ہیں تو وہ ان سے اچھا برتاؤ کرتا ہے اور ان کا سامان خریدتا ہے، ان سے لین دین سونے یا تاتاری (طاطری) درہموں کے ذریعہ ہوتا ہے، ان درہموں پر راجہ کی تصویر بنی ہوتی ہے اور ایک درہم کا وزن ایک مثقال[4] کے بقدر ہوتا ہے، جب عرب تاجر اپنا سامان بیچ کر جانے لگتے ہیں تو راجہ گرجر سے کہتے ہیں کہ اپنی عملداری کے اندر

---

[1] یعنی جیّا کا چندر۔ دیکھو کننگھم ص ۱۵۹۔ [2] Seleucus ایک یونانی جنرل تھا جسے سکندر پنجاب میں اپنا گورنر بنا کر چھوڑ گیا تھا، متن کا سلوقیوں اسی Seleucus سے ماخوذ ہے، سلوقیوں سے مراد وہ مخلوط نسل ہے جو یونانی اور پنجابی خون سے وجود میں آئی اور سلوقی کتوں سے مراد وہ کتے ہیں جو یونانی اور ہندوستانی کتوں کے ملاپ سے پیدا ہوتے۔ دیکھو کننگھم ص ۱۵۸۔ [3] ابن رستہ کے زمانہ میں قنوج کا راجہ بھوج اول تھا جس نے ۸۳۶ سے ۸۸۹ء تک حکومت کی۔ [4] لگ بھگ ساڑھے چار ماشے۔

ہماری اور ہمارے مال و متاع کی حفاظت کے لیے ایک گارد ساتھ کر دیجیے، تو وہ کہتا ہے: میری قلمرو میں کوئی چور ڈاکو نہیں، تم لوگ بے خوف چلے جاؤ، اگر تمہارا کوئی مالی نقصان ہوا تو میں اس کا ضامن ہوں۔ راجہ گرجر بھاری بھر کم آدمی ہے، آس پاس کا کوئی راجہ جنگ میں اس کی طرح بہادری کے جوہر نہیں دکھاتا، وہ لڑائی کی چالوں میں بھی خوب ماہر ہے۔ بلہرا، راجہ ٹکا اور جیّا لا چیند رر (پنجابہ) سے اس کی لڑائی ہوتی رہتی ہے۔

مسعودی[1]:

ہندوستان میں حکومت حکمراں خاندان میں محدود رہتی ہے، غیر خاندانی افراد کے ہاتھوں میں نظام حکومت نہیں آسکتی، اسی طرح عہدے جیسے وزارت اور ججی اور دوسرے سارے پیشے موروثی ہوتے ہیں اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل نہیں ہو سکتے....

ہمارے وقت میں سب سے بڑا ہندو راجہ بلہرا ہے جس کی راجدھانی مانکیر (مالکھید، گلبرگہ کے جنوب میں) واقع ہے۔ بلہرا ہندوستان کے اکثر راجاؤں کا قبلہ گاہ ہے اور جب اس کے سفیران کے درباروں میں آتے ہیں تو وہ ان کے سامنے سر جھکا کر بلہرا کی تعظیم کرتے ہیں، راجہ بلہرا کی سرحدیں بہت سے خود مختار راجاؤں کے علاقوں سے ملتی ہیں، ان میں سے بعض کا راج صرف پہاڑوں تک محدود ہے۔ جیسے کشمیر کا راجہ اور ٹکا راجہ (طاقی) اور کچھ راجاؤں کے قلمرو میں بری و بحری دونوں علاقے پائے جاتے ہیں۔ بلہرا کی راجدھانی اور سمندر کے درمیان اسّی سندھی فرسخ[2] کا فاصلہ ہے، سندھی فرسخ آٹھ میل کے بقدر ہوتا ہے۔ اس کی فوجیں اور جنگی ہاتھی اتنے زیادہ ہیں کہ ان کے اعداد و شمار کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس کی بیشتر فوج پیادہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا پایۂ تخت پہاڑوں سے گھرا ہوا

---

[1] مروج الذہب، مصر ۱۹۴۸ء ۱/۸۴، ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۷۲۔ مسعودی کا بیان سلسلۃ التواریخ سے ماخوذ ہے۔

[2] مسعودی کے حساب سے بلہرا کے پایۂ تخت مانکیر کا فاصلہ سمندر سے آٹھ سو چالیس میل بنتا ہے لیکن یہ غلط ہے، صحیح فاصلہ تقریباً دو سو نوے میل ہے۔

ہے۔ بَھرائی نگر کا ہندو راجہ جس کے پاس سمندری علاقہ نہیں، تختِ قنوج کا وارث بُؤدرہ[1] ہے۔ یہ نام ہر اس راجہ کا امتیازی لقب ہے جو سلطنتِ قنوج پر حکومت کرتا ہے، پورب پچھم، اتر، دکھن ہر طرف بُؤدرہ کی فوجیں تیار رہتی ہیں۔ کیوں کہ ہر سمت کے راجہ سے اس کی جنگ ٹھنی رہتی ہے۔۔۔۔

راجہ قنوج (بُؤدرہ) کی قلمرو لمبائی میں لگ بھگ ایک سو بیس سندھی میل (نو سو ساٹھ میل) اور چوڑائی میں بھی اسی قدر ہے، ایک سندھی فرسخ آٹھ میل کے برابر ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا اس کے چار لشکر ہیں جو ہوا کے چاروں رخوں پر (دشمن سے لڑنے کے لئے) تیار رہتے ہیں، ہر لشکر کی تعداد سات لاکھ اور بقول بعض نو لاکھ[2] ہے۔ شمال کے لشکر سے وہ حاکم ملتان اور اسکے امن معاون حکمرانوں سے لڑتا ہے جو حاکم ملتان کے پڑوس میں حکومت کرتے ہیں، جنوبی لشکر سے وہ بھرا تاجدار مانکیر سے نبرد آزما ہوتا ہے، باقی فوجوں سے دوسرے سمتوں سے اٹھنے والے دشمنوں سے نبٹتا ہے۔

رپورٹر بتلاتے ہیں کہ بؤدرہ کی سلطنت کے متذکرہ بالا طول و عرض میں شمار کردہ شہروں، دیہاتوں اور جاگیرداروں کی تعداد اٹھارہ لاکھ ہے جو لب دریا، کنجوں، پہاڑوں اور سرسبز میدانوں میں واقع ہیں، دوسرے ہندو راجاؤں کی نسبت بؤدرہ کے پاس ہاتھی فوج کم ہے، اس کے جنگی ہاتھیوں کی تعداد دو ہزار ہے۔ اگر ہاتھی تربیت یافتہ اور بہادر ہو اور اس کا سوار مشاق اور ہاتھی کی سونڈ میں قرطل نامی تلوار لگی ہو تیز سونڈ اور جسم اور سر پر زرہ بکتر چڑھی ہو اور اس کے گرد پانچسو پیادہ فوج ہو جو عقب سے اس کی حفاظت کرے تو ایسا اکیلا ہاتھی چھ ہزار سواروں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، ایسا ہاتھی دشمن کی فوج میں گھستا ہے کبھی نکلتا ہے اور اس طرح سواروں پر یورش کرتا ہے جیسے گھوڑ سوار۔ بؤدرہ کے ہاتھی

---

[1] بؤدرہ Pratihara یا Padihara کی تعریب ہے۔ قنوج کا شاہی خاندان جس نے ۸۲۹ سے ۱۰۲۷ تک حکومت کی Gurjara-Pratiharas کے نام سے مشہور ہے، عرب زیادہ تر اس نام کا پہلا حصہ یعنی گرجر (جزر) استعمال کرتے ہیں لیکن مسعودی نے دوسرا حصہ یعنی Pratihara استعمال کیا ہے، اس کے سفر کے وقت قنوج کا راجہ ماہی پال تھا جس نے ۹۱۴ سے ۹۴۳ تک حکومت کی۔ دیکھئے[3] ۵۷۹/۱ و ۶۱۰۔

[2] ہر دو تعداد و شمار مبالغہ پر مبنی ہیں۔

بھی مندرجہ بالا ڈھنگ سے جنگ میں حصہ لیتے ہیں.....

ہندوستان اور سندھ کا کوئی بادشاہ مسلمانوں کا اتنا قدردان نہیں جتنا راجہ بلہرا ہے، اسلام اس کی قلمرو میں سربلند اور محفوظ ہے، مسلمانوں نے اپنی بستیوں میں چھوٹی بڑی مسجدیں تعمیر کرلی ہیں جہاں پنجوقتہ نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے، راجگان بلہرا چالیس اور پچاس برس یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک حکومت کرتے ہیں، ان کی ہندو رعایا کا خیال ہے کہ ان کے راجاؤں کی درازی عمر کا سبب یہ ہے کہ وہ منصف ہیں اور مسلمانوں کا احترام کرتے ہیں۔ بلہرا (فوج کو جاگیر نہیں دیتا) تنخواہ دیتا ہے جیسا کہ مسلمان بادشاہ کرتے ہیں، اس کی عملداری میں تاتاری (طاہریہ) درہم چلتے ہیں، ہر تاتاری درہم کا وزن معیاری ڈیڑھ درہم کے برابر ہوتا ہے۔ بلہرا کے سکوں پر اس کی خاندانی حکومت سے شروع ہونیوالا سنہ ہوتا ہے

بلہرا کے پاس جنگی ہاتھیوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، اس کی قلمرو کو کونکن (کنکر) بھی کہتے ہیں۔ (شمال میں) راجہ گرجر (جزر) بلہرا سے نبرد آزما رہتا ہے، راجہ گرجر کے پاس بہت سے گھوڑے، اونٹ اور ایک بڑی فوج ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ ساری دنیا میں شاہ بابل (عراق) کے علاوہ کوئی بادشاہ اس سے زیادہ بڑا اور شاندار نہیں، بابل چوتھی اقلیم میں واقع ہے، وہ بارعونت راجہ ہے اور سارے پڑوسی راجاؤں پر حملہ کرتا رہتا ہے، وہ مسلمانوں کو بھی ناپسند کرتا ہے، اس کے پاس بہت سے جنگی ہاتھی ہیں اس کی حکومت ایک مستطیل سرزمین پر پھیلی ہوئی ہے، اس کے ملک میں سونے چاندی کی کانیں پائی جاتی ہیں اور سونے چاندی ہی سے تجارت ہوتی ہے

---

[1] مسعودی نے ۳۰۳ھ/۹۱۵ء میں ہندوستان کا سفر کیا تھا، اس وقت راشٹرکوٹا راجہ کرشنا دوم تخت نشین تھا جس نے ۸۷۸ء سے ۹۱۴ء تک حکومت کی۔ [2] یہ رائے کلی طور پر درست نہیں، مسعودی سے پہلے کے چار بڑے راشٹرکوٹا راجاؤں میں سے صرف ایک نے چالیس سال سے زیادہ حکومت کی اور یہ تھا اموگھا ورشا، سلیمان تاجر کا ہم عصر اور اس کی مدت حکومت ۸۱۴ء سے ۸۷۷ء تک یعنی تریسٹھ سال بیان کی گئی ہے۔

[3] پانی پت سے گجرات تک۔

راجہ گرجر (جزر) سے متصل (پنجاب میں) ٹکا راجہ (طاقی) کی حکومت ہے، راجہ اپنے پڑوسی سلاطین کے ساتھ مصالحانہ تعلقات بنائے رکھتا ہے اور مسلمانوں کا احترام کرتا ہے۔ اس کا لشکر اتنا طاقتور اور بڑا نہیں جتنا ان راجاؤں کا ہے جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ ٹکا راجہ کی عملداری میں جتنی حسین، دلربا اور گوری عورتیں ہوتی ہیں ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ میں نہیں پائی جاتیں، لطف صحبت اور حظ خلوت کے لئے مشہور ہیں، باہ کی کتابوں میں مثال کے طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے، سمندری مسافروں میں طائی کنیزیں جو طاقیات کے نام سے مشہور ہیں، حاصل کرنے کی دوڑ رہتی ہے۔

ٹکا راجہ کی سرحد راجہ دھرما (رہمی) کی قلمرو سے ملحق ہے، رہمی لقب ہے جس سے اس خاندان کے سلاطین یاد کئے جاتے ہیں، دھرما اور راجہ گرجر (جرمر) کی سرحدیں ملتی ہیں اور دونوں میں جنگ ہوتی رہتی ہے اسی طرح دھرما راجہ اپنی سلطنت کی ایک سمت سے بلہرا سے برسرپیکار رہتا ہے، دھرما کا لشکر، بلہرا، راجہ گرجر اور ٹکا راجہ (طاقی) تینوں سے بڑا ہے اور اس کے ہاتھی اور گھوڑے بھی ان تینوں سے زیادہ ہیں وہ جب لڑنے نکلتا ہے تو پچاس ہزار ہاتھی اس کے ہمرکاب ہوتے ہیں، چونکہ ہاتھی گرمی اور پیاس کی تاب نہیں لا سکتا اس لئے دھرما جاڑے کے موسم میں جنگ کے لئے نکلتا ہے۔ مبالغہ پسند رپورٹر اس کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ بتلاتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ اس کے لشکر کے صرف دھوبیوں کی تعداد دس ہزار سے پندرہ ہزار تک ہے۔

مذکورہ بالا راجہ فوج کو ڈویژنوں میں بانٹ کر لڑتے ہیں، ہر ڈویژن میں بیس ہزار سپاہی ہوتے ہیں اور ان کے پانچ پانچ ہزار کے دستے چاروں سمت میں لڑائی کے لئے متعین کر دیئے جاتے ہیں۔

دھرما (رہمی) کی عملداری میں کوڑی سے خرید و فروخت ہوتی ہے، اس کی سلطنت میں صندل

ل ٹکا راجہ مشرقی پنجاب کا حاکم تھا، اس کی سرحد جالندھر دوابہ راجہ جیا، ملاچندر سے متصل تھی اور راجہ جیا کی سرحد راجہ قنوج سے ملحق تھی، مسعودی کو کہنا چاہیئے تھا جیسا کہ ابن خرداذبہ، سلیمان تاجر اور ابن رستہ نے لکھا ہے کہ راجہ قنوج کی سرحد راجہ بنگال دھرماپال (رہمی) سے ملتی ہے۔ ۲ مسعودی کی یہ رائے بھی درست نہیں، دھرما (رہمی) صرف ایک راجہ کا نام تھا۔ صحیح یہ ہے کہ بنگال کے راجاؤں کا خاندانی لقب پالا تھا۔

اور سونا چاندی ہوتا ہے نیز ایسا نرم اور باریک کپڑا بنایا جاتا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی، اس کی قلمرو سے وہ بال بھی برآمد ہوتا ہے جو ضمر[1] کے نام سے مشہور ہے، جسے ہاتھی دانت اور چاندی کے دستوں میں لگا کر قیمتی چوریاں بنائی جاتی ہیں جو شاہی درباروں میں خدمت گار بادشاہوں کے سر پر جھلتے ہیں۔

دھرما (ذہمی) کی سلطنت بر و بحر دونوں پر مشتمل ہے، اس سے متصل ایک دوسرا راجہ ہے، جسے راجہ آسام (کاسین)[2] کہتے ہیں، آسام کے باشندوں کا رنگ گورا ہے اور ان کے کان چھدے ہوتے ہیں، اس ملک میں ہاتھی گھوڑے اور اونٹ پلے جاتے ہیں، باشندے حسین و جمیل ہیں۔

ہند و چالیس سال کی عمر سے پہلے کسی کو اپنا ولیعہد نہیں بناتے، ان کے حکمراں جنتا کے سامنے صرف مقررہ اوقات پر آتے ہیں جب ان کو جنتا کے معاملات طے کرنا ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جنتا کے سامنے راجاؤں کے زیادہ آنے جانے سے راجاؤں کا رعب و داب کم ہو جاتا ہے۔

راجہ بلہرا کی خفیہ نماز

بزرگ بن شہریار[3]:

ابو محمد حسن بن عمرو بن حمّویہ نجیرمی نے بصرہ میں مجھ سے بیان کیا کہ سنہ ۲۸۸ھ میں جب میں منصورہ[4] میں

---

[1] کسی قاموس سے اس بات کی توثیق نہیں ہو سکی کہ ضمر بالوں کی ایک قسم ہے۔

[2] متن میں کاسین ہے اور مُروج کے ایک دوسرے نسخہ میں کاسن، یہ دونوں کامتا کی بگڑی ہوئی شکل ہیں، کامت پرانے زمانہ میں آسام کا نام تھا، اس کو کامروپ بھی کہتے تھے، جو بگڑ کر عربی کتابوں میں قامرون ہو گیا، سلطنت آسام پوری وادی برہمپترا اور بھوٹان پر مشتمل تھی۔ دیکھو رائے ۱/۲۶۸ دہود یوالا (Studies in Indo - Muslim History) بمبئی سنہ ۱۹۳۹ء ص ۶۔

[3] عجائب الہند، لائڈن سنہ ۱۸۸۳ - ۱۸۸۶ء، ص ۲، ۴۔

[4] عربوں کا سندھ میں پایۂ تخت موجودہ حیدر آباد سے تقریباً پچاس میل شمال مشرق میں۔

تھا تو وہاں کے ایک ثقہ شیخ نے مجھے بتایا کہ بلہرا (ملکِ ہند[1]) نے جو راجگانِ ہند میں سب سے بڑا راجہ ہے اور جس کی حکومت کشمیر بالا اور دکن پلیٹو (کشمیر زیریں) کے درمیان واقع ہے اور جس کا نام مہروک بن رائق ہے، ۸۸۳ء / ۲۷۰ھ میں منصورہ کے سلطان عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ میں ہندی[2] زبان میں اسلام کے اصول وضوابط سمجھنا چاہتا ہوں۔ سلطان نے منصورہ کے ایک شخص کو بلایا جس کا آبائی وطن تو عراق تھا لیکن جو پلا بڑھا ہندوستان میں تھا، ساتھ ہی تیز فہم اور شاعر بھی تھا اور ہندوستان کی مختلف زبانیں جانتا تھا۔ سلطان نے اس سے بلہرا کی فرمائش کا ذکر کیا۔ اس شخص نے ایک نظم لکھی جس میں ان باتوں کا ذکر تھا جو بلہرا جاننا چاہتا تھا۔ سلطان نے وہ نظم بلہرا کو بھیجدی۔ جب بلہرا کے سامنے نظم پڑھی گئی تو اسے پسند آئی۔ اس نے سلطان منصورہ کو لکھا کہ میرے پاس صاحب نظم کو بھیجدیجیے۔ سلطان نے اس کی خواہش پوری کردی۔ صاحبِ نظم دو تین سال تک بلہرا کے پاس رہا۔ جب وہ لوٹا تو سلطان نے اس سے بلہرا کے حالات دریافت کئے۔ اس نے حالات بیان کئے اور بتایا کہ میں نے اسے اس حال میں چھوڑا ہے کہ اس کا دل اور زبان مسلمان ہو چکے ہیں لیکن اس نے کھلم کھلا اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا ہے اس خوف سے کہ اس کا اقتدار جاتا رہے گا اور اس کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ بلہرا کے حالات کے ضمن میں اس نے ایک بات یہ کہی کہ راجہ نے مجھ سے قرآن کی تفسیر ہندی میں بیان کرنے کی خواہش کی اور جب میں سورہ یٰسین پر پہنچا اور مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ

---

[1] را بلہرا کی تخفیف ہے۔ یہاں ملک راسے راشٹرکوٹا تاجدار کرشنا دوم مراد ہے جس نے اپنے زمانے کا مال ۸۷۷ء تا ۹۱۵ء حکومت کی

[2] محدث نعیم بن حماد (م ۲۲۸ھ / ۸۴۳ء) کی رائے ہے (العقد الفرید ۲۰۳/۲) کہ ہندوستان کے راجہ (بلہرا) نے اسلام ہی کی فرمائش سے متعلق خط اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ / ۷۱۹ء) کو لکھا تھا۔ شیخ منصورہ کی اس تصریح سے جو ہماری رائے میں زیادہ مستند ہے، نعیم بن حماد کی تردید ہوتی ہے نیز نعیم نے سلطان منصورہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ساری قریشی کو عمر بن عبدالعزیز خلیفہ دمشق سے خلط ملط کر دیا ہے۔ راجہ بلہرا کے فرمائشی خط کا متن العقد الفرید اور تاریخ سندھ کی روشنی، شائع کردہ ندوۃ المصنفین میں دیکھا جا سکتا ہے۔

[3] ہندی سے راجگان بلہرا کی علاقائی زبان مراد ہے۔

يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ کا مطلب بیان کیا تو وہ اپنے سونے کے انمول موتی جڑے تخت پر متمکن تھا۔ اس نے کہا: اس آیت کی دوبارہ تفسیر کرو، میں نے کی تو وہ تخت سے اترا اور زمین پر جہاں چھڑکاؤ ہو چکا تھا اس نے اپنا گال رکھ دیا اور اتنا رویا کہ اس کا چہرہ مٹی سے لتھڑ گیا، پھر اس نے کہا: یہی ازلی رب عبادت کے قابل ہے! یہی ابدی، یکتا اور بے مثال ہے! اس نے اپنے لئے ایک کمرہ بنوایا اور ظاہر کیا کہ امورِ مہمہ پر غور کرنے وہاں جاتا ہے حالانکہ وہ چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا۔ اس نے مجھے تین دفعہ میں چھ سو رطل (منّ[1]) سونا عطا کیا۔

ادریسی[2]:

شہر پاٹن (نہلواڑہ موجودہ ریاست گجرات) کا والی ایک بڑا راجہ ہے جس کا نام بلہرا ہے، اس کے پاس بہت سی فوجیں اور جنگی ہاتھی ہیں اور وہ مورتی پوجا کرتا ہے، اس کا تاج سونے کا ہے اور وہ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے عمدہ کپڑوں میں ملبوس رہتا ہے، ہر موقع پر صرف گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اس کی سواری ہفتہ میں ایک بار نکلتی ہے، سواری کے ساتھ لگ بھگ سو عورتیں ہوتی ہیں، کوئی مرد راجہ کے ہمرکاب نہیں ہوتا، یہ عورتیں زرد وزر لباس پہنے ہوئے نہایت اعلیٰ زیورات سے مزین ہوتی ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے چاندی کے کڑے اور پیروں میں جھانجن ہوتے ہیں، ان کے بال کولہوں پر لٹکے ہوتے ہیں، وہ کھیلتی اور ناچتی چلتی ہیں، راجہ ان کے آگے ہوتا ہے، بلہرا کے وزیر اور منصبدار اُس وقت اس کے ہمرکاب ہوتے ہیں جب وہ کسی باغی یا غاصب گورنر کی گوشمالی یا کسی حملہ آور پڑوسی راجہ سے لڑنے جاتا ہے، بلہرا کی فوج میں بہت سے ہاتھی ہیں جو اس کی جنگوں میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

ابو زید سیرافی[3]:

بعض بلہرا راجہ جب تخت نشین ہوتے ہیں تو ان کے لئے چاول پکایا جاتا ہے اور ان کے سامنے

---

[1] عرب منّ کو رطل کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، رطل کا وزن اس زمانہ میں بقول مقدسی (احسن التقاسیم لائڈن ص ۲۴۴) سندھ اور ہند میں رطل مکہ کے مساوی تھا یعنی تقریباً تیرہ چھٹانک۔

[2] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۲۲-۱۲۳۔ [3] تکملۃ سلسلۃ التواریخ ۲/۱۱۵

لیلے کے پتہ پر رکھ دیا جاتا ہے، ان کے ندیموں میں سے تین چار سو آدمی اپنی مرضی سے اور راجہ کی طرف سے بغیر کسی دباؤ کے خود کو جان نثاری کے لئے پیش کرتے ہیں، راجہ پہلے خود چاول کھاتا ہے اور پھر انہیں دیتا ہے، ہر شخص باری باری سے آتا ہے اور تھوڑا سا چاول لے کر کھا لیتا ہے۔ اس کے بعد چاول کھانے والوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ اگر راجہ مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو وہ راجہ کی موت والے ہی دن خود کو آگ میں جلا دیں۔

قزوینی[1]:

...... کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ جب کسی دشمن راجہ کو دھوکہ دیکر مارنا چاہتے ہیں تو چند کنیز بچیاں منتخب کر لیتے ہیں اور ان کو پالنوں میں ایک مدت تک زہریلے پودے بس (بیش) پر سلاتے ہیں، پھر کچھ عرصہ تک ان کے بستروں اور کچھ عرصہ تک کپڑوں میں یہ زہریلا پودا رکھوا جاتا ہے، اس کے بعد دودھ کے ساتھ ان کو پلایا جاتا ہے، ان میں سے جب کوئی لڑکی سیانی ہو کر زہر کھاتی ہے تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، ایسی لڑکی کو غدار راجہ تحفے تحائف کے ساتھ اس راجہ کے بھیجدیتے ہیں جسے دھوکہ سے مارنا چاہتے ہیں۔ اور جب وہ اس لڑکی سے ہم بستر ہوتا ہے تو لڑکی کے جسم کا زہر اس کے خون میں سرایت کر جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔

ہندوستانی ریاستیں اور شہر

کشمیر

ابودُلَف[2]:

---

[1] آثار البلاد ص۱۳۵ وعجائب المخلوقات حاشیہ حیات حیوان الکبریٰ دمیری ۲/۵۲ [2] معجم البلدان ۲۷۴/۴۔

قاقلی (جاقلی) سے چل کر میں کشمیر آیا جو بڑا اور عظیم الشان شہر ہے، ایک فصیل میں واقع ہے جس کے گرد خندق ہے، فصیل اور خندق دونوں بڑی مہارت سے بنائے گئے ہیں، کشمیر شہر چین کی راجدھانی سند اہل سے رقبہ میں آدھا ہے، یہاں کا راجہ ملایا (کلہ) کے راجہ سے زیادہ بڑا ہے اور (چینی حکومت کا) زیادہ مطیع و فرمانبردار۔ یہاں کے باشندے مہینے کے ابتدائی دنوں میں نیز چاند اور سورج کے اوج پر پہنچنے کے وقت مختلف تہوار مناتے ہیں، چینی لوہے کی ایک عمارت میں جس پر موسم کا اثر نہیں ہوتا کشمیریوں کی ایک عبادتگاہ ہے، وہ ثریا کی تعظیم کرتے ہیں، گیہوں کا آٹا کھاتے ہیں، مچھلی بھی لیکن انڈا نہیں کھاتے نہ جانور ذبح کرتے ہیں۔

مسعودی :

کشمیر کے بادشاہ کا لقب رائے (رانی) ہے، اسی لقب سے کشمیر کے سارے راجہ یاد کئے جاتے ہیں، کشمیر سرزمین سندھ کی پہاڑی سلطنتوں میں سے ایک باعظمت اور محفوظ و مستحکم سلطنت ہے جس کے شہروں اور جاگیروں کی تعداد ساٹھ سے ستر ہزار کے قریب ہے۔ رائے کی قلمرو میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ ہے جس پر دروازہ لگا ہوا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کی سلطنت اونچے اونچے ناقابل گزر پہاڑوں میں واقع ہے جن کو چڑھ کر پار کرنے سے انسان اور حیوان دونوں قاصر ہیں، پرندوں ہی کی ان پہاڑوں تک رسائی ہوتی ہے، جہاں پہاڑ نہیں وہاں دشوار گذار گھاٹیاں، جنگل اور جھاڑیاں ہیں اور ایسے تیز و تند دریا جو پار نہیں کئے جا سکتے، اس ملک کے قدرتی استحکام اور ناقابل گذر ہونے کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ خراسان اور دوسرے ملکوں میں بھی مشہور ہے، اس معاملہ میں کشمیر دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔

---

[1] یہ نام کہیں کوئی جگہ عربی مراجع میں نہیں ملی، غالباً قاقلی (قاقلہ، قافلا) کی تصحیف ہو۔ عجائب الہند اور نزہۃ المشتاق قلمی ادریسی میں کئی جگہ یہ نام آیا ہے لیکن اس کی جائے وقوع کا تعین ان دونوں میں سے کسی ایک نے نہیں کیا۔ عجائب الہند سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاقلی برما کے دریائے اراودی کے ڈیلٹا میں کوئی بڑا تجارتی مرکز تھا، اس کتاب کے فرانسیسی ایڈیٹر کے نقشہ میں قاقلی کی وسطی سماترا میں نشاندہی کی گئی اور ادریسی کے نقشہ میں اسے شمالی برما میں دکھایا گیا ہے۔ عجائب الہند کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاقلی کسی سمندری یا دریائی خلیج پر واقع تھا اور قاقلی کے ضمن میں جو واقعہ پیش کیا گیا ہے اس سے اس کے اراودی کے ڈیلٹا میں واقع ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ [2] افلاک کا سب سے اونچا نقطہ۔

مطہر بن طاہر مقدسی:[1]

ہندوستان کے کچھ علاقے ٹھنڈے ہیں اور کچھ گرم، ٹھنڈے علاقوں میں سب سے پہلا کشمیر ہے، یہ پینتالیس صدر مقاموں پر مشتمل ہے، ہر صدر مقام کے مقررہ حدود اور شہر ہیں اور ہر شہر کی عملداری میں دیہات اور مزروعہ علاقے پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ کشمیر میں بہت سے پہاڑ، گھاٹیاں اور جنگل بھی ہیں، ان سب کے مالکانہ حقوق وہاں کے راجہ کو حاصل ہیں، رعایا کی حیثیت اس کے مزدوروں اور کاشت کاروں کی سی ہے، باخبر لوگ بتاتے ہیں کہ ملک میں شراب فروشوں کی دکانوں پر ساٹھ ہزار کشمیری لڑکیاں ساقی کا رول انجام دیتی ہیں، باشندے برہمن ہیں اور لمبے لمبے بال رکھتے ہیں، ان کا رنگ سرد ہوا کے باعث بالعموم گورا ہوتا ہے، نجوم، طب، جادو اور شعبدہ بازی سے واقف ہیں۔

کشمیر کے مشرق میں ختن، تبت اور چین کے ملک ہیں، جنوب میں سلطنت کور، شمال میں بلور لوب اور وخان، مغرب میں کابل اور غزنہ۔ ملک میں دریا، قدرتی چشمے، نہریں اور کنویں ہیں، بھانت بھانت کے چوپائے اور پرند نیز مختلف اقسام کے کھانے اور پھل بھی پائے جاتے ہیں۔

بیرونی:[2]

کشمیر ایک بڑی سرزمین ہے جسے ہر طرف سے اونچے اونچے اور ناقابلِ عبور پہاڑ گھیرے ہوتے ہیں، اس کا مشرقی اور جنوبی حصہ ہندوؤں کے زیرِ نگیں ہے اور غربی حصہ پر سرحد بدخشان تک متعدد بادشاہ حکومت کرتے ہیں جن میں سب سے قریب بلور شاہ[3] ہے پھر شگنان شاہ اور وخان شاہ۔ کشمیر کا شمالی اور کچھ مشرقی حصہ ختن اور تبت کے ترک سلاطین کے قبضہ میں ہے۔ درۂ بھونیشر[4] سے براہ تبت کشمیر تک لگ بھگ پندرہ سو میل (تین سو فرسخ[5]) کا فاصلہ ہے۔

---

[1] البدء والتاریخ، (پیرس ۱۹۰۰ء) ۴/۶۲۔ [2] کتاب الہند ۱۰۱۔ [3] بلور شگنان اور وخان پہاڑی علاقوں کے ترکی نام ہیں۔ [4] نیپال کے مضافات میں تبت کی جنوبی سرحد پر ایک مشہور وادی۔ اس کے بارے میں بیرونی لکھتا ہے: وهو تيشر اول حد التبت وفيه تتغير اللغة والزي والصورة۔ کتاب الہند ص ۹۸۔

[5] بیرونی کا فرسخ تقریباً پانچ میل کے بقدر تھا۔

کشمیر کے لوگ پیدل چلتے ہیں کیونکہ ان کے پاس نہ تو ہاتھی ہیں، نہ سواری کے جانور، معزز کشمیری (کتوت) یعنی تخت پر سوار ہوتے ہیں، جسے نوکر چاکر کندھوں پر اٹھا کر چلتے ہیں، کشمیر کے حاکم اپنے علاقوں کو محفوظ رکھنے اور اس میں داخل ہونے والے راستوں اور دروں کو بند رکھنے کی طرف خاص دھیان دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے تجارت کرنا دشوار ہو گیا ہے، گذشتہ زمانہ میں اِکا دکا پردیسی اور بالخصوص یہودی مذہب کے لوگ کشمیر پہونچ جایا کرتے تھے لیکن اب وہاں کی حکومت دوسرے تو درکنار کسی ان جانے ہندوستانی تک کو داخل نہیں ہونے دیتی۔

کشمیر میں داخل ہونیکا سب سے مشہور راستہ ببریان گاؤں سے ہو کر گذرتا ہے، یہ گاؤں سندھ اور جہلم دریاؤں کے درمیان نصف راہ پر واقع ہے، یہاں سے اس پل تک جو دریائے کُناری اور مہوی[۱] کے سنگم پر ہے، تقریباً چالیس میل (آٹھ فرسخ) کی مسافت ہے اور اس پل سے اس گھاٹی کا مدخل جس سے دریائے جہلم ہو کر گذرتا ہے، پانچ دن کی راہ پر ہے، اس گھاٹی کے آخر میں دریا کے دونوں کناروں پر دوار نامی شہر ہے جہاں پہرہ فوج رہتی ہے، دوار کے بعد یہ دریا کھلی فضا سے بہتا ہوا دو دن کی مسافت پر کشمیر کے دار السلطنت اُدشتان[۲] (سری نگر) پہنچتا ہے......... اس شہر کا رقبہ تقریباً بیس میل (چار فرسخ) ہے اور یہ جہلم دریا کے دونوں کناروں پر لمبائی میں پھیلا ہوا ہے، کنارے پلوں اور کشتیوں کے ذریعہ باہم مربوط ہیں۔ دریائے جہلم گنگا کی طرح ہر مکوٹ پہاڑوں سے نکلتا ہے، یہ پہاڑ بے انتہا ٹھنڈے ہیں جہاں انسان کا گذر نہیں ہوتا اور ان پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے جو کبھی گلتی نہیں۔ ان پہاڑوں کے عقب میں مہاچین یعنی بڑے چین کا علاقہ ہے۔

جب جہلم دریا پہاڑوں سے برآمد ہو کر دو دن کی مسافت پر شہر اُدشتان (سری نگر) کے وسط سے نکلتا ہے تو تقریباً بیس میل (چار فرسخ) دور ایک جھیل میں جس کا طول و عرض تقریباً پانچ پانچ میل (ایک ایک فرسخ) ہے، داخل ہوتا ہے، کشمیریوں کے کھیت اسی جھیل کے کنارے واقع ہیں، یہاں سے

---

[۱] بقول ہودیولا (ص۵۹) کُناری سے کنہار ندی اور مہوی سے کشن گنگا مراد ہے۔

[۲] سنسکرت لفظ اُدِستھان (بڑا شہر) کی تعریب۔ کننگھم ص ۱۰۷

نکل کر جھیلم شہر اوشکارا (موجودہ بڑامولا) سے گذرتا ہے اور پھر گھاٹی سے ہو کر بہنے لگتا ہے۔

یاقوت[1]

کشمیر ایک شہر ہے جو ہندوستانی ریاستوں کے وسط اور ایک ترک قوم کے پڑوس میں واقع ہے، ہندوؤں اور ترکوں کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے استوار ہوئے جن کے زیر اثر ایک حسین قوم وجود میں آگئی، کشمیری عورتیں اپنے جمال اور رعنائی کے لئے ضرب المثل بن گئی ہیں، وہ نہایت خوش قامت اور مقبول صورت ہوتی ہیں، ان کے بال موٹے اور خوب لمبے ہوتے ہیں، کشمیری کنیز ہزار روپے (ڈیوینار) اور اس سے بھی زیادہ میں آتی ہے۔

قنوج

ابوزید سیرافی[2]:

ہندوؤں کا ایک عبادت گذار اور عالم طبقہ ہے جسے برہمن کہتے ہیں، ایک طبقہ شعرا کا ہے جو شاہی دربار سے وابستہ ہوتے ہیں، ایک طبقہ جوتشیوں کا ہے، ایک فلاسفہ کا ایک کاہنوں اور ایک کوؤں نیز دوسرے پرندوں کی اڑان سے فال لینے والوں کا، ملک میں جادوگر بھی پائے جاتے ہیں اور وہم و خیال کے کرشمے اور عجیب عجیب کرتب دکھانے والے بھی، یہ سارے طبقے خاص طور پر قنوج میں موجود ہیں۔

مقدسی[3]:

قنوج بڑا صدر مقام ہے، اس کی فصیل کے باہر ایک اور شہر ہے۔ یہاں گوشت خوب ہوتا ہے اور ارزاں، پانی فراواں ہے، اچھا اور صحت بخش، شہر کو ہر طرف سے باغ گھیرے ہوئے ہیں، کیلا ارزاں ہے، باشندے گورے ہیں اور خوش رو، فراخ شہر ہے اور تجارت کی نفع بخش منڈی، عام طور پر چاول کھایا جاتا ہے، آٹے کی قلت ہے لیکن مسلمان زیادہ تر گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں، لوگ تہبند باندھتو

---

[1] معجم البلدان (لیبزگ ۱۸۶۹ء) ۴/۱۰۳ [2] تکملۃ سلسلۃ التواریخ ۲/۱۲۷

[3] احسن التقاسیم صفحہ ۱/۴۸۵۔

ہیں، مکانات حقیر ہیں، آگ بہت لگتی ہے، گرمی سخت پڑتی ہے، شہر پہاڑ سے تیرہ چودہ میل دور ہے جامع مسجد بیرونی آبادی (ربض) میں واقع ہے، دریا (کالی ندی) شہر سے ہو کر گذرتا ہے، شہر میں عالم اکابر اور اعیان موجود ہیں۔ قنوج اور ویہند (اٹک) پر ہندوؤں کا غلبہ ہے لیکن مسلمانوں کے مفادات اور معاملات کی نگرانی ان کے ہم مذہبوں کے سپرد ہے۔

ویہند

مقدسی[1]:

جلیل القدر صدر مقام ہے، منصورہ سندھ سے زیادہ بڑا، یہاں بہت سے باغ ہیں، خوش آیند اور صاف ستھری جگہ ہے، ایک چورس میدان میں واقع ہے، پانی سے بھرپور دریا یہاں سے ہو کر گذرتے ہیں، بارش خوب ہوتی ہے، مختلف آب و ہوا کے عمدہ پھل پائے جاتے ہیں، شہر کے گرد اخروٹ اور بادام (سرد آب و ہوا) کے گنجان باغ ہیں، کیلے اور کھجور (گرم آب و ہوا) کی بھی بہتات ہے، ہر قسم کی نعمتیں مہیا ہیں بھاؤ سستے ہیں، تین من (قریب ڈھائی سیر) شہد آٹھ آنے (ایک درہم) میں، روٹی اور دودھ کی ارزانی کچھ نہ پوچھو، موذی جانور (مچھر، کھٹمل، پسو) بالکل نہیں، باشندے جسمانی نقائص (کوڑھ اور اندھے پن وغیرہ) سے محفوظ ہیں، بس خرابی یہ ہے کہ یہاں کی ہوا مرطوب ہے اور گرمی زیادہ پڑتی ہے، مکان پھونس اور لکڑی کے ہیں، بعض اوقات سرکنڈے کے گھروں میں آگ لگ جاتی ہے، اگر یہ خرابیاں نہ ہوتیں تو ویہند فارس کے فسا اور شاپور کا ہم پلہ ہوتا۔

---

[1] احسن التقاسیم (لائڈن ۱۹۰۶ء) ص ۴۷۹ ۔ ۴۸۰ ۔ [2] گندھارا میں کابل کے برہمن سلاطین کا پایۂ تخت، وَیہنِد کا دوسرا نام اُدبھند تھا، آج کل اُند کہلاتا ہے، پشاور کے مشرق میں اٹک سے پندرہ میل اوپر دریائے سندھ کے مغربی کنارے واقع ہے، مقدسی کے دورہ کے وقت ویہند اور آس پاس کے علاقہ پر آنند پال (۱۰۰۱ ۔ ۱۰۱۳ء) کی حکومت تھی۔ شمالی ہند کے ہندو شاہی گھرانوں کی تاریخ از ہیم چند رائے ۸۰/۱ و ۸۲ و کننگھم ص ۹۱ و ۱۷۸ ۔ [3] حیدرآباد سندھ سے تقریباً پچاس میل شمال مغرب میں سندھ کا عربی دارالسلطنت ۔ [4] سندھ اور کابل دریا۔

ملتان

ابن رستہ[1] :

ملتان وہ شہر ہے جہاں دریائے مہران[2] (سندھ) سے ایک شاخ نکلتی ہے، مہران دجلہ سے ملتا جلتا لیکن اس سے زیادہ بڑا دریا ہے، ملتان میں ایک خاندان برسراقتدار ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ سامہ بن لوی (قریش) کی نسل سے ہے، اس خاندان کا نام بنو منبہ ہے اور اسی کی ملتان پر حکومت ہے بنو منبہ عباسی خلیفہ کے نام پر خطبہ پڑھتے ہیں۔ ملتان کی قلمرو، منصورہ کی قلمرو سے ملحق ہے۔ ملتان میں ایک مورتی ہے جس کی آمدنی بہت ہے۔ بنو منبہ کی حکومت اور دولت کا دارو مدار اسی مورتی کی آمدنی پر ہے۔ میرے ثقہ رپورٹر کا بیان ہے جو اس علاقہ کا دورہ کر چکا تھا اور وہاں کافی عرصہ مقیم رہا تھا کہ مورتی کی آمدنی حد شمار سے باہر ہے۔ کبھی ہندوستان کے راجہ بنو منبہ کو زک دینے کے لئے ملتان پر فوجیں لیکر چڑھ آتے ہیں اور بنو منبہ سے لڑائی ہوتی ہے تو وہ اپنی غیر معمولی دولت مندی اور طاقت کے بل بوتے پر بیرونی حملآوروں کو شکست دے دیتے ہیں۔

مسعودی[3] :

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ملتان کا حاکم سامہ بن لوی (قریش) کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے وہ طاقتور بادشاہ ہے اور اس کے متعدد لشکر ہیں۔ ملتان ایک بڑی اسلامی سرحد ہے اور اس کی عملداری میں شمار کردہ دیہاتوں اور جاگیروں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، ملتان میں اسی نام کا ایک مشہور بت ہے، اس کی زیارت کے لئے ہندوستان اور سندھ کے دور افتادہ گوشوں سے لوگ نذرانے، روپیہ پیسہ، جواہرات، صندل اور مختلف قسم کے عطر اور سلگنے والی خوشبودار اشیاء لے کر آتے ہیں اور ہزاروں آدمی اس کی یاترا کرتے ہیں۔ حاکم ملتان کی بیشتر آمدنی

---

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۵-۱۳۶ - [2] تحقیقی رائے کے مطابق ملتان دریائے راوی کی ایک شاخ کے کنارے آباد تھا جو وادی کی رہگذر بدلنے کے باعث سوکھ گئی تھی۔

[3] مروج الذہب (حاشیہ تاریخ کامل) ۱/۳۴۲-۳۴۴ ۔

اس خالص قاری[1] صندل سے ہوتی ہے جو مورتی کے لئے نذرانے میں لایا جاتا ہے، اس صندل کا ایک اونس پانچسو روپے (سو دینار) میں آتا ہے اور اس پر جب مہر لگائی جاتی ہے تو وہ موم کی طرح نشان قبول کرلیتا ہے۔ قاری صندل کے علاوہ حاکم ملتان کی آمدنی کا ذریعہ وہ بہت سا دوسرا عجیب وغریب سامان ہے جو مورتی پر چڑھانے کے لئے لایا جاتا ہے۔

جب پڑوس کے ہندو راجہ ملتان پر یورش کرتے ہیں اور مسلمان ان کے مقابلہ میں کمزور پڑجاتے ہیں تو حاکم ملتان حملہ آور راجاؤں کو بت توڑنے اور اس کی آنکھیں پھوڑنے کی دھمکی دیتا ہے جس کے زیر اثر وہ واپس چلے جاتے ہیں۔

میں ۳۰۲ھ کے کچھ بعد ملتان کے علاقہ میں آیا، اس وقت ملتان میں ابو الدلہات[2] منبہ بن اسد قرشی کی حکومت تھی۔ اسی زمانہ میں میں نے منصورہ کا دورہ کیا، وہاں ابو منذر[3] عمر بن عبد اللہ بن عمر

---

[1] قاری منسوب بہ قار موجودہ کیموڑیا۔ [2] دلہات بکسر الدال شیر کو کہتے ہیں۔ [3] خلیفہ متوکل باللہ عباسی یعنی نویں صدی کے ربع ثالث تک سندھ میں کوئی منظم اور مستحکم حکومت نہیں تھی، عرب قسمت آزما وقتاً فوقتاً عراق وخراسان سے ناکام ہوکر یہاں آتے اور مقامی عربوں کی مدد سے حکومت پر قابض ہوکر پڑوس کے ہندو راجاؤں پر ترکتازیاں کرتے اور کچھ عرصہ بعد اپنے عرب حریفوں کے ہاتھوں یا تو مارے جاتے یا کسی دوسری جگہ بھاگ جاتے تھے۔ خلیفہ منصور کے بعد یعنی ۱۶۰ھ سے یہاں کی سیاست پر وہ قبائلی عصبیت غالب آگئی جو اسپین، خراسان اور خلافت کے دوسرے دور افتادہ صوبوں میں بلا بن کر اٹھی تھی یعنی سندھ شمالی (عدنانی) اور جنوبی (قحطانی) عربوں کی ہوس ملک گیری اور اقتدار پسندی کا اکھاڑہ بن گیا۔ ان میں جس گروہ کی بن آتی وہ اور اس کے لیڈر یہاں کے حاکم ہوجاتے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں جب دوسرا گروہ سازش اور ریشہ دوانیوں کے ذریعہ قوت بڑھا لیتا تو برسر اقتدار گروہ کو نیچا دکھا کر حکومت اور اس کے منافع پر خود قابض ہوجاتا، قبائلی تنزع کے اسی ماحول میں ایک شخص عمر بن عبد العزیز پیدا ہوا جو رسول اللہ کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا تھا، اس نے حکمت عملی اور رواداری کی پالیسی پر عمل کرکے سندھ پر قبضہ جمایا اور ۲۴۰ھ میں خلیفہ عباسی متوکل کو لکھا کہ میرے سوا اس ملک میں نہ تو کسی کی حکومت چل سکتی ہے اور نہ یہاں کوئی نظم وضبط قائم رکھنے پر قادر ہوسکتا ہے لہذا مجھے سندھ کا والی تسلیم کرلیجئے، میں آپ کا وفادار رہوں گا اور خطبہ بھی آپ کے نام پر پڑھونگا، متوکل نے سندھ کی بدنظمی اور وہاں کے حاکموں کے متزلزل وفاداری کے پیش نظر عمر بن عبد العزیز کو سندھ کا والی تسلیم کرلیا۔ متوکل کی وفات پر یعنی ۲۴۷ھ میں عمر خود مختار ہوگیا اور اس کا خاندان کوئی ڈیڑھ سو برس تک سندھ*

بن عبد العزیز ہبار بن اسود حکمران تھا منصورہ میں میں نے سلطان منصورہ کے وزیر زیاد، اس کے دو لڑکوں محمد اور علی نیز حمزہ نامی معزز اور با اقتدار رئیس کو بھی دیکھا، یہاں آل حیدر کے خاندان کے بہت سے لوگ آباد ہیں۔ عمر بن علی (بن ابی طالب) اور محمد بن علی (بن عبد اللہ بن عباس) کا بھی کافی کنبہ یہاں موجود ہے۔

اصطخری[۱]:

ملتان رقبہ میں منصورہ سے تقریباً آدھا ہے، اسے فرج بیت الذہب (سونے والے کرہ کی سرحد) بھی کہتے ہیں ...... یہاں کئی مضبوط و مستحکم قلعے ہیں، خوشحال شہر ہے لیکن منصورہ اس سے زیادہ آباد اور وسائل سے بھرپور ہے، ملتان کو فرج بیت الذہب اس لئے کہتے ہیں کہ اوائل اسلام میں جب وہ فتح ہوا تو مسلمان حملہ آوروں کے پاس پیسہ اور خوراک کا توڑ پڑ گیا لیکن (جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو) ان کو وہاں بڑی مقدار میں سونا ملا جس سے وہ خوشحال ہو گئے۔ ملتان سے کوئی ڈیڑھ دو میل باہر (مشرق میں) بہت سی عمارتیں ہیں جن کو جندرور (جندراور) کہتے ہیں۔ یہاں حاکم ملتان کی چھاؤنی اور قیام گاہ ہے، وہ صرف جمعہ کے دن ہاتھی پر سوار ہو کر نماز کے لئے ملتان آتا ہے۔ وہ سامہ بن لؤی کے خاندان کا ایک قریشی امیر ہے، اس نے ملتان پر قبضہ کر لیا ہے، وہ سلطان منصورہ کا ماتحت نہیں ہے لیکن خطبہ خلیفہ بغداد کے نام پر پڑھتا ہے۔

مقدسی[۲]:

ملتان رقبہ میں منصورہ سندھ کے برابر ہے لیکن اس کی آبادی منصورہ سے کم ہے، پھل زیادہ نہیں لیکن چیزیں سستی ہیں، تیس من (قریب پچیس سیر) روٹی آٹھ آنے (ایک درہم) میں مل جاتی ہے، مصری (فانیذ) آٹھ آنے کی تین من (قریب ڈھائی سیر)، ملتان خوشنما شہر ہے مکانات سیراف[۳] کی طرز کے ہیں ساگون کے اور کئی کئی منزلہ، یہاں جسم فروشی نہیں ہوتی، نہ شراب پی جاتی ہے، جو ایسا کرتا پکڑا جائے

---

[۱] مسالک الممالک ص ۱۰۳۔

[۲] احسن التقاسیم ص ۴۸۰ - ۴۸۱ [۳] خلیج فارس میں جنوبی فارس کا مشہور تجارتی بندرگاہ۔

اس کو قتل کر دیا جاتا ہے یا حدؔ لگائی جاتی ہے ، دکاندار نہ تو جھوٹ بولتے ہیں ، نہ ڈنڈی مارتے ہیں ، نہ کم ناپتے ہیں ، ضرورت اور آرام کی چیزیں فراواں ہیں ، تجارت فروغ پر ہے ، خوشحالی کے آثار نمایاں ہیں ، پانی سے بھرپور ایک نہر کا پانی استعمال ہوتا ہے ، حکمران انصاف پسند ہیں ، بازاروں میں بنی سنوری عورتیں نظر نہیں آتیں ، نہ کوئی مرد کسی عورت سے برملا باتیں کرتا دیکھا جاتا ہے ، پانی شیریں ہے اور زندگی پرلطف باشندے جو بیشتر عرب ہیں پردیسیوں کی آؤ بھگت کرتے ہیں ، خوش لباس ، شائستہ اور بامروت ہیں ، یہاں کی فارسی (اتنی صاف ہے کہ) سمجھ میں آتی ہے ، لنگڑے لولے اور کوڑھی بھی نہیں ۔ البتہ شہر گندا ہے جگہ جگہ پانی کی نکاسی نہ ہونے کے باعث دلدل رہتی ہے ، مکانات تنگ ہیں ، ہوا گرم و خشک ، باشندوں کا رنگ سانولا اور کالا ہے ۔

ادریسی :

ملتان ایک بڑا اور آباد شہر ہے ، اس کے گرد ایک مضبوط فصیل ہے جس میں چار دروازے ہیں اور فصیل کے چاروں طرف خندق ہے ، اسباب آرام و آسائش فراواں ہیں ، اشیا سستی اور باشندے مالدار ہیں ۔

ملتان کو فرج (سرحد) بیت الذہب کہتے ہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ محمدؔ بن یوسف برادر حجاج بن یوسف کو (فتح کرنے کے بعد) ملتان میں چالیس بہارؔ سونا ملا تھا ، ایک بہار تین سو تینتیس من

لہ سنگ سار بصورت زنا ، اسی کوڑے بصورت شراب نوشی ۔ ؎ نزہتہ المشتاق قلمی ۱/۱۱۵ ۔ ۱۱۶ ۔

؎ فاتح سندھ کا نام محمد بن یوسف نہیں بلکہ محمد بن قاسم تھا اور یہ حجاج کا داماد اور چچازاد بھائی تھا ۔ ادریسی کی یہ تصریح ابن خرداذبہ سے ماخوذ ہے جس نے تاریخی غلطی کی ہے ۔ دیکھو المسالک والممالک ص۵۶ ۔ ؎ بضم الباء سنسکرت لفظ بھار کی تعریب ہے ، بھار بوجھ کو کہتے ہیں ، بھاڑا آج بھی استعمال ہوتا ہے ۔ بیرونی نے (کتاب الہند ص) لکھا ہے کہ با نمبر ہندو دوں کی ایک جماعت کی رائے میں بھار کا اطلاق اتنے بوجھ پر ہوتا تھا جو ایک بیل اٹھائے جب کہ بعضوں نے بھار کے مختلف وزن بتائے ہیں تین سو ، تین سو تینتیس ، چار سو ، چھ سو ، ایک ہزار رطل ، ان میں تین سو اور تین سو تینتیس والے قول ہندوستانی سیاق و سباق میں زیادہ مستند معلوم ہوتے ہیں ایک مکی رطل تقریباً ساڑھے تیرہ چھٹانک کے لگ بھگ تھا اور اس حساب سے ۳۳۳ رطل کا وزن لگ بھگ آٹھ من ہوا اور چالیس بھار تین سو بیس من ۔

(پونڈ) کے برابر ہوتا ہے، یہ سارا سونا ایک کرہ (بیت) سے برآمد ہوا تھا اس مناسبت سے ملتان کا نام فرج بیت الذہب پڑ گیا۔

ملتان میں ایک چھوٹے دریا کا پانی آتا ہے جس پر پن چکیاں لگی ہوئی ہیں اور جس کے آس پاس بہت سے کھیت ہیں، یہ دریا مہران (سندھ) سے مل جاتا ہے۔ ملتان سے جندور جہاں کئی محل بنے ہوتے ہیں ڈیڑھ میل دور ہے، یہ محل مضبوط ہیں اور خوب اونچے، ان کے بیچ سے ہو کر پانی کے بہت سے بہے بہتے ہیں علاقہ کا حاکم موسم بہار اور خوشی کے موقعوں پر ملتان اکثر رہتا ہے، ابن حوقل (حوقلی) کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ میں علاقہ کا حاکم جندور کے محلوں سے ہاتھی پر سوار ہو کر ہر جمعہ کے دن ملتان آیا کرتا تھا اور یہ رسم اس کے آباو اجداد کے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔

ملتان کے اکثر باشندے مسلمان ہیں، یہاں اسلام کا غلبہ ہے اور حاکم بھی مسلمان ہے۔

مقدسی[1]:

سندھ

مملکت سندھ کو ہم نے پانچ صوبوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کے ساتھ مکران کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ مکران سندھ سے متصل ہے اور اس کی سرحد سندھ سے ملتی ہے، پہلا صوبہ کرمان کی طرف سے مکران ہو، اس کے بعد طوران (قلات پلیٹو اور ضلع کوئٹہ) پھر سندھ، اس کے بعد ویہند (شمال مغربی پنجاب یا گندبارا) پھر قنوج اور آخر میں ملتان[2]۔

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۴، ۴۸۴، ۴۸۲، ۴۸۱-۴۸۲ [2] اسلامی قبضہ سے پہلے سندھ کا اطلاق ایک لمبی چوڑی سرزمین پر ہوتا تھا جس میں موجودہ سندھ کے علاوہ طوران نیز مکران کے صوبے شامل تھے، وجہ یہ تھی کہ اس سارے علاقہ پر سندھ کے بدھ راجہ چچ کی حکومت تھی، پہلی صدی ہجری کے ربع آخر میں اسلامی قبضہ کے بعد بھی سندھ کا اطلاق ان تینوں صوبوں (سندھ طوران اور مکران) پر ہوتا رہا، اسی لئے عرب جغرافیہ نویس سندھ میں طوران اور مکران کو شامل کرتے ہیں مقدسی نے اسی سنت پر عمل کیا ہے، اس کے علاوہ اس نے سندھ کے دائرہ میں دو اور ریاستیں، قنوج اور ویہند (گندبارا) بھی داخل کر لی ہیں حالانکہ یہ کلیۃً خود مختار تھیں اور ان پر دو ہندو راجہ حکمران تھے، اس بے قاعدگی کی توجیہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان دونوں ریاستوں کی سرحدیں سندھ سے ملتی تھیں اور یہاں مسلمانوں کی ایک تاجر اقلیت موجود تھی۔

مملکت سندھ تجارت کا اہم مرکز ہے، یہاں سونا، جڑی بوٹیاں، آلات، دوائیں، مصری (فانیذ) چاول، کیلا، کھجور اور چھوارا بہت ہوتا ہے، عجائبات بھی کثرت سے ہیں، چیزیں سستی، دولت فراوان ہے، عدل وانصاف اور سیاسی خوش تدبیری پائی جاتی ہے، یہاں کچھ خاص اشیا کی بھی پیداوار ہوتی ہے، تجارت پر منفعت ہے، بازاروں میں طرح طرح کا سامان بکتا ہے، یہاں بہت سے مفاخر پائے جاتے ہیں، تجارت کی بڑی بڑی منڈیاں ہیں اور مختلف قسم کی صنعتیں فروغ پر ہیں۔ اس سرزمین میں خوشحال و باعظمت پایۂ تخت (منصورہ) اور دوسرے اچھے صدر مقام ہیں۔ یہاں سلامتی ہے، عافیت ہے اور لوگ دیانتدار ہیں۔ (جنوب میں) سمندر اس سے متصل ہے اور ایک شاندار دریا (مہران) اس مملکت سے ہوکر گذرتا ہے، سندھ کے کافی بڑے حصہ میں میدان ہیں کھیتی زیادہ تر بارش سے ہوتی ہے، یہاں کی ذمی رعایا ہندو ہے، علاقہ کم ہیں خشکی اور سمندر کے ہر خطر، پر کوفت اور پر صعوبت سفر کے بعد یہاں رسائی ہوتی ہے۔

.... مکران میں زیادہ تر خانہ بدوش آباد ہیں کھیتی باڑی بارش کے رحم وکرم پر ہے، عراق کے بطائح کی طرح یہاں بھی زیر آب نشیبی علاقے پائے جاتے ہیں، یہاں کے خانہ بدوش (بلوچ و قفص) فارس کے کردوں سے ملتے جلتے ہیں، مکران میں جاٹوں کی بھی بڑی آبادی ہے، یہ لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں، مچھلی اور آبی جانوران کی خوراک ہیں۔

مکران کا ایک خود مختار متواضع اور منصف والی ہے، اس جیسے عادل بادشاہ کہیں دیکھنے میں نہیں آتے، منصورہ میں خاندان قریش کا ایک فرمانروا ہے، یہاں کے حاکم بغداد کے عباسی خلیفہ کے نام پر خطبہ پڑھتے ہیں۔ عضد الدولہ بُوَیہی سلطان کے نام پر بھی سندھی فرماں روا خطبہ پڑھ چکے ہیں۔ میں جب شیراز میں تھا تو ان کا ایک سفیر عضد الدولہ کے لڑکے سے ملنے آیا تھا، ملتان کے حکمران اسماعیلی عقائد کے حامل ہیں اور مصر کے فاطمی خلیفہ کے نام پر خطبہ پڑھتے ہیں، مصر کے اسماعیلی خلیفہ کی رائے ہی سے یہاں والی مقرر کیا جاتا ہے، ملتان کے حاکموں کے سفیر اور تحفے تحائف برابر مصر جاتے رہتے ہیں، ملتان کا حاکم طاقتور اور انصاف پسند ہے، قنوج اور دیبند (گندہارا) میں ہندوؤں کا راج ہے لیکن

وہاں کی مسلمان بستیوں کے معاملات کی دیکھ بھال مسلمان ناظم امور کرتے ہیں۔

اس مملکت کی مخصوص چیزیں یہ ہیں: لیمو (لیمونہ) یہ خوبانی (مشمش) کی طرح ایک بے حد ترش پھل ہے، دوسرا پھل آلوچہ (خوخ) سے مشابہ ہوتا ہے، اسے انبج (آم) کہتے ہیں اور یہ لذیذ ہوتا ہے، ان کے علاوہ دو کوہانوں والا اونٹ جو فالج کہلاتا ہے اور وسطی ایشیا نیز خراسان میں نظر آتا ہے، بُخاتی تیز رو اونٹ اسی کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، فالج اونٹ بخاتی سے زیادہ بڑا ہوتا ہے اور اس کے دو کوہان ہوتے ہیں۔ فالج (اتنا مہنگا اور کمیاب ہوتا ہے کہ اس) کو بادشاہ ہی رکھتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اس مملکت کی ایک اور مخصوص چیز (یہاں کے چرمراتے عمدہ) کمبائتی[1] جوتے ہیں۔

طوران سے مصری (فانیذ) برآمد ہوتی ہے، یہ ماسکان (مکران) کی مصری سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ سندان[2] سے بڑی مقدار میں چاول اور کپڑا باہر بھیجا جاتا ہے، ساری مملکت میں قہستان (خراسان) کی وضع کے فرش فروش، دریاں اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں بنائی جاتی ہیں نیز بڑی مقدار میں ناریل اور عمدہ کپڑا اور منصورہ سے کمبائتی جوتے برآمد کئے جاتے ہیں، ان کے علاوہ ہاتھی دانت، بڑھیا سامان اور مفید جڑی بوٹیاں بھی۔

طوران، ملتان بلکہ سارے سندھ اور ہندوستان کا مَن مکّہ کے مَن کے مساوی ہے (یعنی دو سو ساٹھ درہم، تقریباً ساڑھے تیرہ چھٹانک)۔ طوران میں ناپنے کا پیمانہ کیجی کہلاتا ہے، اس میں چار من (رطل) گیہوں آتا ہے۔ کبھی آٹھ کیجی گیہوں ایک درہم (آٹھ آنے) یا ایک سے چار درہم میں مل جاتا ہے، ملتان کے پیمانہ کا نام مُطل ہے، اس میں بارہ من (رطل) گیہوں آتا ہے۔

سندھ کے سکے قہریات کہلاتے ہیں، ہر سکہ پانچ معیاری[3] درہموں کے برابر ہوتا ہے، اس کے

---

[1] منسوب بہ کمبایت، کمبایت یا کھمبایت کھمباوتی (دیکھیے) کی تعریب ہے۔ گجرات کے اس مشہور تجارتی شہر کے جوتے عرب ملکوں میں بہت مقبول تھے۔ [2] بمبئی کے شمال میں ایک قدیم تجارتی مرکز، بعد میں یہ سنجان ہو گیا اور آج کل سیسن کہلاتا ہے۔

[3] معیاری درہم ۱/۲ مثقال، ایک مثقال لگ بھگ ساڑھے چار ماشے۔

علاوہ تاتاری (طاطریہ) درہم بھی رائج ہیں، ایک تاتاری درہم ⅔ معیاری درہم کے مساوی ہوتا ہے، ملتان کے سکے فاطمی (مصری) درہموں کی طرز کے ہیں، یہاں قرمین کے قبہری سکے بھی چلتے ہیں جو مین کے قرودنش سے بنتے جلتے ہیں۔

اس مملکت میں لمبے لمبے بال رکھنے کا رواج ہے، لوگ کرتے پہنتے ہیں اور کان چھدواتے ہیں جیسا کہ ہندوؤں کا دستور ہے، تاجروں اور مشائخ کو چھوڑ کر باقی لوگ بالعموم تہبند باندھتے ہیں، چرمی موزے بہت ہی کم استعمال ہوتے ہیں۔ ملتان کے مسلمان تحنکؔ نہیں کرتے۔ مکرانی بدھو ہوتے ہیں، ان کا رنگ سانولا ہوتا ہے، بولی وحشیانہ اور ناقابل فہم، لمبے لمبے بال رکھتے ہیں، کرتے پہنتے ہیں، ہندوؤں کی طرح کان چھدواتے ہیں، لباس، رنگ اور ہیئت میں مملکت کے بیشتر حصوں کا وہی حال ہے جیسا ہم نے بیان کیا۔

اکثر باشندے اہلحدیث ہیں، قاضی ابو محمد منصوری کو میں نے داؤدیؔ اور اپنے مسلک کا امام پایا، درس دیتے ہیں اور کئی اچھی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ملتان کے باشندے شیعہ ہیں، اذان میں حیعلہؔ کرتے ہیں اور اقامت کا ہر بول دہراتے ہیں، تاہم کوئی بڑا شہر ایسا نہیں جہاں حنفی فقیہ موجود نہ ہو۔ مملکت میں مالکی اور معتزلی بالکل نہیں اور نہ کہیں حنبلی مسلک پر عمل ہوتا ہے، لوگ صالح ہیں اور پاکباز، مذہبی کردار پسندیدہ ہے، غلو فی الدین اور کثرین سے محفوظ ہیں (مسلکی و مذہبی) جھگڑے فتنے بھی نہیں ہوتے۔

۱؎ قرودنش جمع قرنش، یمن کا ایک سکہ جو چوتھائی یا تہائی دانق یعنی ڈیڑھ دو پیسے کے بقدر تھا، ایک دانق تقریباً ڈیڑھ آنہ۔

۲؎ یعنی عمامہ کا پلہ ٹھوڑی کے نیچے نہیں ڈالتے جیسا کہ بعض وسطی ایشیا کے ملکوں میں دستور تھا۔

۳؎ منسوب بہ داؤد بن علی اصفہانی (۲۰۰ھ-۲۷۰ھ / ۸۱۵ء-۸۸۳ء) ان کے مسلک کی بنیاد قرآن و حدیث کی لفظی پابندی پر تھی، وہ اجتہاد کے مخالف تھے۔

۴؎ اذان میں حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل کہنا۔

یاقوت[1]:

ہندوستان، کرمان اور سجستان (افغانستان) کے درمیان ایک سرزمین ہے جسے سندھ کہتے ہیں، علمائے نسب کی رائے ہے کہ سندھ اور ہند بوقیر بن یقطن بن حام بن نوح کی اولاد میں دو بھائی تھے، بعض اہل علم مکران کو بھی سندھ میں داخل کرتے ہیں، ان کی رائے میں سندھ پانچ صوبوں پر مشتمل ہے، کرمان کی طرف سے پہلا صوبہ مکران، پھر طوران (قلات وکوئٹہ ڈویژن) پھر سندھ پھر ہند اور آخر میں ملتان۔ سندھ کا پایۂ تخت منصورہ ہے۔ سندھ کے دو شہر دیبل اور ٹھٹھہ[2] (ٹھٹھہ) ہیں اور یہ دونوں ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ سندھ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں فتح ہوا، یہاں کے فقہی مذاہب میں حنفی مذہب سب پر غالب ہے، سندھ میں ایک فقیہ ابوعباس[3] داؤدی مسلک کا پیروکار ہے اس مسلک پر اس نے کئی کتابیں لکھی تھیں، وہ منصورہ کا باشندہ تھا اور وہاں جج کے عہدہ پر بھی فائز رہا تھا۔

سندھ کے شہر

منصورہ

مسعودی[4]:

.... ملتان سے منصورہ کا فاصلہ چھ سو میل (۷۵ سندھی فرسخ) ہے، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ایک سندھی فرسخ آٹھ میل کے بقدر ہوتا ہے، منصورہ کی طرف منسوب جائدادوں اور دیہاتوں کی تعداد تین لاکھ ہے جس میں کھیت، درخت اور مسلسل بستیاں ہیں، ان دیہاتوں میں مید نامی سندھی قوم اور دوسری سندھی اقوام[5] کے درمیان کثرت سے لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں، یہ دوسری قومیں

---

[1] معجم البلدان ۳/۱۵۱ - [2] دیبل سے دو دن کی راہ پر سندھ کے مغربی کنارہ زیریں سندھ کا ایک تجارتی شہر - [3] احسن التقاسیم مقدسی میں ابوعباس کی جگہ ابو محمد کنیت لکھی ہے - [4] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۱/۲۲۵-۲۲۶ - [5] ان سے غالباً سندھ کی جاٹ اور بدھ قومیں مراد ہیں جنہیں عرب مصنف زُط اور بدھ کے نام سے یاد کرتے ہیں، سندھ کی یہ قومیں پارتھین نسل کی تھیں اور سات سو برس پہلے جیحون پار مین وسطی ایشیا سے آکر سندھ میں بس گئی تھیں۔ دیکھو گنجم ص ۲۲۴-۲۲۵ -

سندھ کی حد سرپر رہتی ہیں۔ سندھ کے سرحدی علاقوں میں ملتان اور اس کے زیر فرمان بہت سے دیہات اور شہر بھی داخل ہیں۔ شہر کا نام منصورہ اس لئے پڑا کہ اسے اُموی گورنر منصورؒ نے بنایا تھا۔

منصورہ کے سلطان کے پاس اسّی جنگی ہاتھی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں فوجی ضوابط کے مطابق ہر جنگی ہاتھی کے گرد پانچسو پیادہ فوج رہتی ہے اور وہ یکہ و تنہا ہزاروں گھوڑا فوج سے لڑتا ہے۔

میں نے حاکم منصورہ کے دو بڑے ہاتھی دیکھے جو سندھ و ہند کے درباروں میں بہادری اور دشمن کے منہزم لشکر پر جرأت مندانہ حملوں کے لئے مشہور ہیں، ان میں سے ایک کا نام مُنقَفِرس تھا اور دوسرے کا حیدرہ۔ منقفرس کے دلچسپ اور حیران کن قصے سندھ اور باہر کے ملکوں میں مشہور ہیں، ان میں سے ایک قصہ یہ ہے کہ اس کے کسی مہاوت کا انتقال ہوگیا تو اسے اتنا دکھ ہوا کہ اس نے کئی دن تک کچھ کھایا نہ پیا، آہیں بھرتا رہا اور اس کی آنکھوں سے برابر آنسوؤں کی جھڑی جاری رہی، دوسرا قصہ یہ کہ ایک دن وہ فیل خانہ سے نکلا اس کے پیچھے دوسرا ہاتھی حیدرہ تھا اور باقی اٹھتر ہاتھی دونوں کے پیچھے تھے، راستہ میں مُنقفِرس کا گذر منصورہ کی ایک تنگ سڑک سے ہوا تو ایک عورت بے خبری میں اس کے سامنے سے نکلی، ہاتھی کو دیکھتے ہی اس کے ہوش اڑگئے، وہ زمین پر چت گر پڑی اور بیچ سڑک پر اس کے پھٹے پرانے کپڑوں کے ہٹنے سے اس کا جسم کھل گیا، یہ دیکھ کر مُنقفِرس دوسرے ہاتھیوں کا راستہ

---

[1] مسعودی کی یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس سے پہلے کے مورخ بلاذری اور یعقوبی دونوں لکھتے ہیں کہ منصورہ دوسری صدی ہجری کے ربع اول میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے لڑکے عمرو نے بنوایا تھا، اس کی تعمیر کا محرک یہ تھا کہ مغربی ہندوستان، کچھ اور گجرات کے جو شہر عربوں نے فتح کر لئے تھے وہ تقریباً سب کے سب ہندو راجاؤں نے واپس لے لئے تھے اور خود سندھ ان کے حملوں کی زد میں آگیا تھا، دشمن سے بچاؤ کے لئے عمرو نے دریائے سندھ اور اس کی شاخ سے بننے والے ایک محفوظ گوشہ میں منصورہ نامی قلعہ بند چھاؤنی تعمیر کرائی تھی (دیکھو فتوح البلدان (مصر) ص ۴۴۹ و تاریخ یعقوبی (بیروت) ۳۲۴/۲ -

[2] ہمارے نسخہ میں منتفلس ہے اور ایک دوسرے نسخہ میں منتفلس، یہ دونوں لفظ بے معنی ہیں اور شاید منقفرس کی تصحیف، منقفرس شاہانہ انداز سے چلنے والے کو کہتے ہیں۔

روک کر سڑک پر آڑا کھڑا ہو گیا، وہ سونڈ سے عورت کو اٹھنے کا اشارہ کرتا، دوپٹہ وغیرہ ہٹنے سے جسم کا جو حصہ کھل گیا تھا وہ اس نے ڈھک دیا، عورت کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اب شتغل بس سیدھا ہو کر سڑک پر چل دیا اور باقی ہاتھی پیچھے پیچھے۔

اصطخری[1]:

منصورہ لمبائی چوڑائی میں تقریباً ایک ایک میل ہے، دریائے مہران (سندھ) کی ایک خلیج اسے گھیرے ہوئے ہے، اس وجہ سے شہر ایک جزیرہ سا معلوم ہوتا ہے، باشندے مسلمان ہیں، حاکم ایک قریشی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ہبّار بن اسود کے خاندان سے ہے، وہ اور اس کے اجداد (سندھ کی بدنظمی اور مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر) منصورہ پر قابض ہو گئے تھے لیکن خطبہ عباسی خلیفہ کے نام پر پڑھا جاتا ہے۔

منصورہ گرم شہر ہے، یہاں کھجور ہوتی ہے لیکن انگور، سیب، امرود اور اخروٹ نہیں ہوتا، گنا پایا جاتا ہے اور سیب[2] کے ہم شکل ایک پھل جسے لیمو (لیمونہ) کہتے ہیں، یہ بہت کھٹا ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہاں ایک اور پھل ہوتا ہے شکل اور مزے میں آڑو جیسے ملتا جلتا، اس کا نام آم (انبج) ہے، بھاؤ سستے ہیں اور عیش و آرام کے وسائل مہیا۔

منصورہ میں قاہریات نامی سکے رائج ہیں، ہر قاہری سکہ تقریباً پانچ معیاری درہموں کے برابر ہوتا ہے، تاتاری (طاطریہ) سکہ بھی چلتا ہے جو ۱⅓ معیاری درہم کے مساوی ہوتا ہے ان کے علاوہ دینار سے بھی تجارت ہوتی ہے، باشندے وہی لباس پہنتے ہیں جو عراق میں رائج ہے لیکن حاکموں کی وضع قطع لمبے لمبے بال رکھنے اور کرتہ پوشی کی حد تک ہندو راجاؤں سے ملتی جلتی ہے۔

---

[1] المسالک الممالک ص ۱۷۳۔

[2] یہ تشبیہ صحیح نہیں، لیمو طرابلسی سے مشابہ ہوتا ہے، جیسا کہ مقدسی نے لکھا ہے۔

[3] دیکھو فٹ نوٹ[1] صفحہ ۱۵۹

مقدسیؒ:

مملکت سندھ کا صدر مقام اور مرکزی شہر (منصورہ) ہے، رقبہ میں دمشق کے برابر، عمارتیں مٹی اور لکڑی کی ہیں، جامع مسجد پتھر اور اینٹ سے تعمیر کی گئی ہے، کافی بڑی عمارت ہے۔ صحار (عمان) کی جامع مسجد کی طرح اس کے ستون ساگون کے ہیں۔ شہر کے چار گیٹ ہیں سمندر گیٹ، طوران گیٹ، سندان گیٹ، ملتان گیٹ۔ دریائے سندھ کی ایک شاخ شہر کو گھیرے ہوئے ہے۔ باشندے خوش سلیقہ اور بامروت ہیں، ذہین، ہوشیار، مخیر، شعائر اسلام کے پابند، علم کا خوب چرچا ہے، تجارت اور کاروبار نفع بخش ہے، ہوا ذمی رہتی ہے، جاڑا بھی سخت نہیں ہوتا لیکن بارش خوب ہوتی ہے مختلف آب و ہوا کے پھل پائے جاتے ہیں اور ایسی چیزیں جو اور کہیں نہیں ہوتیں۔ یہاں بڑی بڑی بھینسیں ہوتی ہیں، عمدہ کپڑا اور کمبائتی وضع کے جوتے بنائے جاتے ہیں، باشندے دریائے سندھ کا پانی پیتے ہیں، جامع مسجد وسط بازار میں ہے، رسم ورواج عراق سے ملتے جلتے ہیں لیکن گرمی سخت پڑتی ہے، کھٹمل بکثرت ہیں، باشندے سہل انگار اور لا اُبالی۔ ہندو چھائے ہوئے ہیں، شہر کے بیرونی حصے اجاڑ ہیں، اکابر اور شرفا کی کمی ہے۔

ادریسیؒ:

منصورہ کو دریائے مہران (مہر دریان) کی ایک شاخ گھیرے ہوئے ہے، یہ شاخ شہر سے کافی دور ہے، شہر دریا کے مغربی کنارہ اس جگہ واقع ہے جہاں دریا پار کیا جاتا ہے۔ دریائے مہران (سندھ) اپنے منبع سے چل کر جب شہر قاآری (قماری) پہنچتا ہے جو اس کے مغربی کنارہ منصورہ سے ایک مرحلہ (تقریباً تیس میل شمال میں) واقع ہے تو اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ بڑی شاخ منصورہ کی طرف

لہ احسن التقاسیم ص ۴۷۹۔ ۲ موجودہ نیپون، ایک قدیم تجارتی بندرگاہ، ٹھٹھہ سے تقریباً نوے میل شمال میں۔

۳ طوران سے موجودہ قلات کا علاقہ مراد ہے۔ ۴ نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۱-۱۱۲۔ ادریسی سے بہت پہلے منصورہ اجڑ چکا تھا اور بحیثیت عرب دار السلطنت اس کا کہیں وجود نہ تھا، ادریسی نے منصورہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ نویں اور دسویں صدی کے عرب تحریروں سے ماخوذ ہے۔

چلی جاتی ہے اور دوسری شاخ سمت شمال سے سہوان[1] (شروشان) کی طرف مڑ جاتی ہے اور وہاں سے پھر مغرب کی طرف مڑ کر بڑی شاخ میں ضم ہو جاتی ہے، دونوں شاخوں کا اتصال منصورہ سے تقریباً بارہ میل جنوب میں ہوتا ہے، اس کے بعد دریائے مہران (سندھ) نیرون[2] (تیردا) سے ہوتا ہوا سمندر میں گر جاتا ہے۔

منصورہ طول و عرض میں ایک ایک میل ہے۔ یہ ایک گرم شہر ہے جہاں کھجور فراواں ہے، گنا بھی پایا جاتا ہے، یہاں پھل نہیں ہوتے البتہ ایک پھل لیموتہ[3] نامی بقدر سیب ہوتا ہے بیحد کھٹا، ایک دوسرا پھل[4] آلوچہ (خوخ) کے ہم شکل ہوتا ہے اور مزہ میں اس سے ملتا جلتا ہے۔

منصورہ نو تعمیر شہر ہے، اسے خلیفہ منصور عباسی ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ / ۷۵۳ء تا ۷۷۰ء نے اپنی خلافت کے اوائل میں بنوایا[5] تھا، اس لئے اس کی طرف منسوب ہے، منصور نے چار شہر نیک ساعتوں میں تعمیر کرائے تھے اور نجوم کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ کبھی برباد نہیں ہوں گے، ان میں پہلا بغداد ہے، دوسرا منصورہ سندھ، تیسرا مَصِیصَہ شام کا ساحلی شہر اور چوتھا میسوپوٹامیہ کا شہر رافِقہ[6] (الرابعہ)۔

منصورہ بڑا اور خوب آباد شہر ہے، یہاں مالدار تاجر مقیم ہیں، روپیہ پیسہ اور مویشیوں کی بہتات ہے، کھیت، باغ اور چمن بھی ہیں، مکانات کچے پکے دونوں طرح کے، یہ شہر غریبوں کا مشکل کشا ہے، باشندوں کے لئے ایسے نزہت بخش مقام ہیں جہاں وہ تفریح کرنے جاتے ہیں اور ایسے دن مقرر ہیں جب وہ کام کاج چھوڑ کر آرام اور دماغی سکون حاصل کرتے ہیں، یہاں تجارت پیشہ لوگوں کی بڑی تعداد ہے، بازار بارونق ہیں اور سامان خورد و نوش سے بھرپور، اہل شہر کی ہیئت اور عام لوگوں کا لباس عراق کے باشندوں کی طرح ہے لیکن یہاں کے سلاطین ہند و راجاؤں کی طرح[7] کرتے

---

[1] کراچی سے لگ بھگ ایک سو نوے میل شمال مشرق میں۔ کننگھم ص ۱۹۱۔ [2] موجودہ حیدرآباد سندھ۔ [3] لیموں سے لیمو مراد ہے، یہ سیب کے بقدر نہیں بلکہ خوبانی (مشمش) کے سائز کا ہوتا ہے جیسا کہ مقدسی کے بیان میں ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ [4] آم مراد ہے۔ [5] یہ صحیح نہیں دیکھو فٹ نوٹ ۱، ص ۱۶۶۔ [6] جنوبی میسوپوٹامیہ کے ساحل فرات پر رقہ کے بالمقابل جسے ۱۵۵ھ / ۷۷۲ء میں منصور نے تعمیر کرائی تھی۔ یاقوت ۴۳۴/۲۔

(قراطق) پہنتے ہیں اور لمبے لمبے بال رکھتے ہیں۔ چاندی اور تانبے دونوں کے سکے رائج ہیں، یہاں کا درہم چاندی کے معیاری درہم سے پانچ گنا بڑا ہے۔ منصورہ میں (کابل کے) تاتاری (طاطریہ) سکے بھی آجاتے ہیں اور ان کے ذریعہ بھی لین دین ہوتا ہے۔ منصورہ میں مچھلی بہت پکڑی جاتی ہے، گوشت سستا ہے، پھل باہر سے آتے ہیں لیکن کچھ پھل شہر میں بھی پیدا ہوتے ہیں، سندھی زبان میں منصورہ کا نام بامیوان[1] (بامیران) ہے۔

رُور[2]

ادریسی[3]:

(بالائی سندھ کا) خوشنما اور خوب آباد شہر ہے، بازاروں میں ہر قسم کا سامان فراواں ہے، تجارت نفع بخش ہے، سندھ دریا (مہران) کے مشرقی کنارے دو شہر پناہوں میں واقع ہے، باشندے آسودہ حال ہیں، ملتان کی ٹکر کا شہر ہے، رُور سے بسمد (بشمر، شمال مشرق میں) تین مرحلے دور[4] ہے۔ رُور سے شہر آتری (ابروری) کا چار مرحلے اور آتری (ابروری) سے شہر قالری کا فاصلہ دو مرحلے ہے۔

یاقوت[5]:

رور سندھ کا ایک ضلع ہے ملتان کے بقدر، دو فصیلوں میں محفوظ، سمندر پر دریائے سندھ (مہران) کے کنارے منصورہ اور دیبل کی حدود میں واقع ہے، تجارت کا مرکز اور سندھی

---

[1] دیکھو کننگھم ص ۳۱۱، بیرونی نے کتاب الہند ص ۸۲ اس شہر کا نام بھنوا دیا ہے اور ہمارے خیال میں یہ بامیوان سے صحیح تر ہے۔

[2] محمد بن قاسم کے حملے کے وقت سندھ کا پایۂ تخت، ملتان سے لگ بھگ ڈھائی سو میل جنوب مغرب میں۔

[3] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۲۔ [4] عربی مرحلے کی مقدار صحیح طور پر میلوں میں متعین کرنا مشکل ہے، تاہم بے رکاوٹ میدانوں میں عام طور پر ایک مرحلہ کا فاصلہ بیس سے تیس میل کے درمیان رہتا ہے۔

[5] معجم البلدان (لیبزگ) ۲/۸۲۳۔

علاقہ کا بندرگاہ[1] ہے، یہاں کھیتی صرف بارش کے پانی سے ہوتی ہے، درختوں کی قلت ہے، کھجور بھی نہیں ہوتی، روکھا اور وحشت ناک شہر ہے، لوگ صرف تجارت کی خاطر یہاں رہتے ہیں، رُوڑ سے ملتان کا فاصلہ چار مرحلے ہے، اس کے قریب بغرور[2] نامی ایک دوسرا شہر ہے جس کا فتوحِ سندھ میں ذکر آتا ہے۔

قالری[3]

ادریسی[4]:

یہ خوشنما شہر سندھ دریا (مہران) کے مغربی کنارہ ایک شہر پناہ کے اندر واقع ہے، خوش حال جگہ ہے، ضروریاتِ زندگی سے بھرپور، تجارت پُرمنفعت ہے، یہاں کے قریب بسمت مغرب سندھ دریا (مہران) کی دو شاخیں ہوجاتی ہیں، بڑی شاخ مغرب سے ہوتی ہوئی منصورہ[5] کی پشت سے جو اس کے مغرب میں ہے نکلتی ہے اور دوسری شاخ شمال اور پھر مغرب سے ہوتی ہوئی پہلی شاخ سے منصورہ سے بارہ میل جنوب میں مل جاتی ہے۔ قالری کارواں راستے سے ہٹ کر واقع ہے، اس کے باوجود لوگ بڑی تعداد میں یہاں آتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامی باشندے (تاجر) خوش معاملہ اور دیانت دار واقع ہوئے ہیں، منصورہ سے قالری کا فاصلہ ایک بڑے مرحلے یعنی چالیس میل کے

---

[1] یاقوت نے رور کو دیبل سے خلط ملط کر دیا ہے اور جو باتیں دیبل سے متعلق دوسرے مراجع میں مذکور ہیں اور جو اس پر صادق بھی آتی ہیں وہ رور کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ متن کا مباح خس بخس کی تصحیف ہے، بخس اس کھیتی کو کہتے ہیں جو بارش کے رحم و کرم پر ہو اور جس کی سنچائی کنویں یا نہر سے نہ ہوتی ہو۔

[2] ہمارے مراجع میں اس کا ذکر نہیں، البتہ بلاذری نے (فتوح البلدان مصر ص ۴۴۴) فتوح سندھ کے ضمن میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے برہمن آباد فتح کر کے رور اور بغرور کی طرف کوچ کیا۔

[3] شاید کہری کی تعریب ہے جو منصورہ سے تیس میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ دیکھو ہودیوالا ص ۶۲۔

[4] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/ ۱۱۲-۱۱۶۔

[5] سندھ کا اسلامی دارالسلطنت، موجودہ حیدرآباد سندھ سے تقریباً پچاس میل شمال مشرق ہے۔

بقدر ہے۔ قالری سے سہوان (شروشان) کا فاصلہ تین مرحلے ہے۔

سہوان (شروستان)[1]

(وسطی سندھ کا) عظیم المرتبت شہر ہے، یہاں بہت سے چشمے اور نہریں ہیں، نرخ ارزاں اور اسباب آسائش سہل الحصول، لوگ کھاتے پیتے ہیں، تجارت پُرمنفعت ہے، بہت سے لوگ (بغرضِ تجارت) باہر سے یہاں آتے رہتے ہیں، اس شہر سے منجابری (منحابری) کا فاصلہ بسمت مغرب تین مرحلے ہے

منجابری[2]

(سہوان کے مغرب میں) ایک نشیبی خطۂ ارض میں واقع ہے، مکانات خوشنما ہیں اور شہر سے باہر کا علاقہ نظر فروز ہے، کھیت اور باغات پائے جاتے ہیں، پینے کیلئے چشموں اور نہروں کا پانی استعمال ہوتا ہے، یہاں سے شہر پنجگور (بیرنور) کا فاصلہ (مغرب میں) چھ مرحلے ہے اور دیبل کا دو مرحلے[3]۔ دیبل سے پنجگور (فیربوز) کو کارواں سڑک منجاری سے ہو کر گذرتی ہے۔ اصطخری ص ۱۷۵: سندھ

---

[1] نزہۃ المشتاق ادریسی میں شروسان بالشین المعجمۃ اور بعض دوسری کتابوں میں جن میں بلاذری کی فتوح البلدان شامل ہے سدوسان بالسین المہملۃ اور سروسان بالراء المہملۃ قلمبند ہوا ہے، یہ دونوں سہوان کی تصحیف معلوم ہوتے ہیں، سہوان کراچی سے لگ بھگ ایک سو نوے میل شمال مشرق میں ایک چٹان پر واقع تھا، اس کے قریب ایک تالاب تھا اور نزدیک کے پہاڑوں سے کئی چھوٹے دریا اس کے پاس سے ہو کر گذرتے تھے۔ دیکھو کننگھم ص ۶۹۱۔ [2] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/ ۱۱۲

[3] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/ ۱۱۲۔ اس شہر کی جائے وقوع کے بارے میں محققوں کے درمیان کافی اختلاف رائے ہے، کننگھم (ص ۳۳۲) نے جائے وقوع ٹھٹھ یا منا نگر تجویز کی ہے، ہو دیوالا (ص ۳) نے بھانپور جو ٹھٹھ سے چالیس میل اور دیبل سے بتیس میل پر ایک شہر تھا؛ ادریسی نے منجابری کو سہوان سے تین مرحلے مغرب میں اور اصطخری (ص ۱۰۹) نے منجاتری بتایا۔ المشتاۃ الفوقانیہ کو دیبل سے چھ مرحلے شمال میں بتایا ہے، اس تصریح کے پیش نظر منجابری کی جائے وقوع ٹھٹھ اور بھانپور دونوں سے کافی اوپر شمال میں کرتھر کوہستانی سلسلے کے قریب قرار دینا زیادہ تر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ [4] اصطخری (ص ۱۰۹): چھ مرحلے، غالباً یہی فاصلہ درست ہے۔

دریا کے مغرب میں واقع ہے، جو لوگ دیبل سے منصورہ جاتے ہیں وہ منجابری سے ہوکر گزرتے ہیں، منجابری منصورہ کے بالمقابل مغرب میں واقع ہے۔

قصدار یا قزدار

اصطخری[1]:

قصدار، طوران (قلات پلیٹو) کا پایۂ تخت ہے، اس کے ماتحت شہر اور مزروعہ دیہات ہیں قصدار پر مُعیر بن احمد نامی ایک شخص قابض ہے جو صرف عباسی خلیفہ کے نام پر خطبہ پڑھتا ہے، اس کا قیام قلات (کیزکان) میں ہے، طوران وسیع اور زرخیز علاقہ ہے، یہاں چیزیں سستی ہیں، انگور، انار اور سرد آب و ہوا کے پھل پائے جاتے ہیں، کھجور نہیں ہوتی۔

مقدسی[2]:

طوران کا یہ صدر مقام ایک کھلے میدان میں واقع ہے، شہر کے دو حصے ہیں جنہیں ایک خشک وادی جس پر کوئی پل نہیں ملاتی ہے، ایک حصہ میں سلطان طوران کا محل اور قلعہ ہے، دوسرے میں جس کا نام بودین ہے، تاجروں کے ہاسٹل اور گودام ہیں، یہ حصہ پہلے کی نسبت زیادہ کشادہ اور صاف ستھرا ہے، شہر چھوٹا ہونے کے باوجود (تجارت کا مرکز ہونے کے باعث) پُرمنفعت ہے، یہاں خراسان، فارس، کرمان اور ہندوستان سے بیوپاری آتے ہیں، پانی خراب ہے، اسے پی کر پیٹ بھاری ہوجاتا ہے، سلطان عادل اور متواضع ہے۔

پنجگور[3] (بنجبور)

مقدسی[4]:

کران کا یہ صدر مقام نخلستانوں میں واقع ہے، شہر پناہ مٹی کی ہے جس میں دو دروازے ہیں:

---

[1] مسالک الممالک (مصر ۱۹۶۱ء ص۱۰۵)۔ [2] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔ [3] مقدسی (ص ۴۷۵ و ۴۷۸)؛ بنجبور (ص ۴۷۸ و ۴۸۵)۔ فنزبور، اصطخری (ص ۱۷۷) فنزبوز بالقاف، ادریسی (۱/۱۱۳)۔ قزبوز۔ [4] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔

طوران دروازہ اور تیز دروازہ، شہر پناہ کے چاروں طرف خندق ہے، جامع مسجد بیچ بازار میں واقع ہے، باشندے ایک دریا کا پانی پیتے ہیں، ان کی زبان (بلوچی) ناقابلِ فہم ہے، بس نام کے مسلمان ہیں۔

ادریسی[1]

آباد شہر ہے، بہت سے کاروباری یہاں رہتے ہیں، باشندے مالدار ہیں اور خوش معاملہ نیک چلن، شریف اور پاکباز، یہ شہر سرزمین مکران سے تعلق رکھتا ہے۔

کیچ[2] (کیر، تربت کے قریب)

ادریسی[3]:

مکران کا سب سے بڑا شہر کیچ (کیر) ہے، عرض وطول میں لگ بھگ ملتان کے بقدر ہے، یہاں کھجور خوب ہوتی ہے اور دور دور تک مزروعہ اراضی ہے، بھاؤ معقول ہیں اور تجارت فروغ پر ہے۔

تیز

مقدسی[4]:

مکران کے ساحل پر واقع ہے، یہاں بہت سے نخلستان ہیں، عمدہ جھاد چوکیاں (رباطات) اور ایک اچھی جامع مسجد بھی ہے۔ باشندے وحشی اور غیر مہذب ہیں، جہالت کے ساتھ ساتھ بدھو اور بدہیئت بھی، تاہم تیز ایک مشہور تجارتی بندرگاہ ہے

ادریسی[5]:

ساحلِ سمندر پر ایک چھوٹا لیکن مشہور اور آباد شہر ہے، یہاں فارسی جہاز لنگرانداز ہوتے ہیں۔

---

[1] نزہۃ المشتاق، قلمی ۱/۱۱۳۔ [2] پنجگور سے تقریباً ایک سو دس میل جنوب مغرب میں، ہود دیوالہ

[3] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۳۔ [4] احسن التقاسیم ص ۴۷۸۔

[5] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۳۔

عمان کا پایۂ تخت (صُحار) نیز جزیرہ کیش (قیس) کے مسافر ادھر کا سفر کرتے ہیں، اس جزیرہ سے جو خلیج فارس کے وسط میں واقع ہے۔ کیج (کیز) کی مسافت پانچ مرحلے (لگ بھگ ایک سو ساٹھ میل[1]) ہے اور کیج (کیز) سے بیگور (قیدبور) کا فاصلہ دو بڑے مرحلوں[2] کے برابر ہے۔

دَیبل[3]

اصطخری[4]:

سندھ دریا (مہران) کے مغرب میں ساحلِ سمندر پر واقع ہے، تجارت کی بڑی منڈی ہے، سندھ اور دوسرے ملکوں کا بندرگاہ ہے، یہاں کھیتوں کی سنچائی صرف بارش کے پانی سے ہوتی ہے (کیونکہ یہاں نہ کنوئیں ہیں نہ نہریں) درختوں کی قلت ہے، کھجوریں بھی نہیں ہوتی، روکھی اور وحشت ناک جگہ ہے، صرف تجارت کی خاطر لوگ یہاں رہتے ہیں۔

مقدسی[5]:

ساحلِ سمندر پر واقع ہے، اس کے اردگرد کم و بیش سو گاؤں ہیں جن کی بیشتر آبادی ہندو ہے سمندر کی لہریں مکانوں کی دیواروں سے ٹکراتی ہیں، سارے ہی مسلمان باشندے تجارت پیشہ ہیں او عربی نیز سندھی بولتے ہیں۔ دیبل سندھ کا بندرگاہ ہے، حکومت کو اس سے بڑی آمدنی ہے، اس کے پاس سندھ دریا (مہران) سمندر میں گرتا ہے، شہر سے (قریب ترین) پہاڑ کا فاصلہ ۔۔۔ کی مسافت پر ہے، بازار سمندر تک آیا ہوا ہے، باشندے باشعور اور خوش پوش ہیں۔

ادریسی[6]:

دیبل خوب آباد شہر ہے لیکن یہاں کی زمین بنجر اور بے آب و گیاہ ہے، یہاں درخت ہیں نہ کھجو،

---

[1] حدود العالم ص ۱۲۲۔ [2] اہلِ تحقیق یہ فاصلہ ایک سو دس میل بتلاتے ہیں۔ [3] کراچی کے قریب مغرب میں سندھ کا تاریخی بندرگاہ۔ [4] مسالک الممالک ص ۱۰۲۔

[5] احسن التقاسیم ص ۴۷۹۔ [6] وصف الہند وما یجاورہا من البلاد۔ ایڈٹ کردہ ڈاکٹر مقبول و شائع کردہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سنہ ۱۹۵۴ء ص ۲۸۔ ۲۹۔

پہاڑوں پر ہریالی کا فقدان ہے۔ میدان خشک اور وحشت ناک ہیں، مکانات بیشتر مٹی اور لکڑی کے، دیبل کی آبادی کا راز یہ ہے کہ وہ سندھ اور دوسرے ملکوں کا بندرگاہ ہے، باشندے مختلف طریقوں سے تجارت کرتے ہیں۔ عمان کے تاجر جہازوں پر اپنا سامان یہاں بھیجتے ہیں، چین و ہندوستان کے جہاز کپڑا، چینی مصنوعات اور ہندوستان کی خوشبودار اشیاء لے کر آتے ہیں، مقامی تاجر جو خوب مالدار ہیں بے نلپے تولے، اندازہ اور تخمینہ سے بڑی مقدار میں سامان خرید لیتے ہیں اور گوداموں میں بھر لیتے ہیں، پھر جب بیرونی جہاز چلے جاتے ہیں اور بازار میں اشیا ختم ہو جاتی ہیں تو وہ خریدا ہوا مال نکال کر بیچتے ہیں، ہندوستان کے دوسرے شہروں کو سامان لے کر جاتے ہیں، فائدہ میں شریک بنا کر روپیہ اور تجارتی سامان دیتے ہیں اور حسب منشا لین دین کرتے ہیں۔ دیبل سے سندھ دریا (مہران) کا ڈیلٹا چھ میل مشرق میں ہے۔

بانیہ (رن کچھ کے شمال میں موجودہ عمرکوٹ کے قریب)

ادریسی[1]:

چھوٹا شہر ہے لیکن نعمتوں سے مالامال، بھاؤ سستے ہیں، باشندوں میں مختلف مذہب و ملت کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ بیشتر آبادی خوشحال اور مالدار ہے، منصورہ بانیہ سے تین[2] مرحلے (شمال مغرب میں) اور بھینال (ماہل) چھ[3] مرحلے (مشرق میں) ہے۔ دیبل سے بانیہ کا فاصلہ دو مرحلے ہے، بانیہ سے براہِ بھینال (ماہل) کیمبے (کنبایتہ) تک جو ساحلِ سمندر کا شہر ہے، ایک مسلسل ریگستان ہے جہاں بالکل آبادی نہیں اور پانی کمیاب ہے، یہ ریگستان اتنا وسیع، اجاڑ اور بنجر ہے کہ کسی متنفس کا ادھر گذر نہیں ہوتا۔ اصطخری ص ۱۷۵: بانیہ چھوٹا شہر ہے منصورہ کے موجودہ عرب سلاطین کا دادا عمر بن عبدالعزیز ہباری قرشی اسی شہر کا باشندہ تھا۔

---

[1] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۲

[2] اصطخری (ص ۱۷۹): ایک مرحلہ۔

[3] اصطخری (ص ۱۷۹): آٹھ مرحلے۔

سندھ کی بدھ اور مید قومیں

بدھ[۱]

اصطخری[۲]:

سندھ کے حدود میں دو ہندو قومیں آباد ہیں۔ ایک بدھ اور دوسری مید، بدھ قوم طوران (قلات پلیٹو) مکران، ملتان نیز منصورہ کے ماتحت علاقوں کے حدود میں پھیلی ہوئی ہے۔ بدھ قوم کی بستیاں سندھ دریا (مہران) کے پچھم میں ہیں، یہ لوگ اونٹ پالتے ہیں، فالج نامی (دو کوہان والا تیزرو) اونٹ جو خراسان، فارس اور ان دوسرے ملکوں کو جہاں دو کوہان والا بختاتی اونٹ پایا جاتا ہے، انہی کے علاقے سے جاتا ہے۔ بدھ قوم کا وہ شہر جہاں یہ لوگ تجارتی سامان لے کر خرید و فروخت کرنے آتے ہیں گندھاوا (قندابیل) کہلاتا ہے۔ بدھ قوم خانہ بدوشوں سے مشابہ ہے اور زیادہ تر جھونپڑیوں اور جنگلوں میں رہتی ہے۔

ادریسی[۳]:

ملتان کے شمال میں شرقی طوران (طوبران) سے متصل ایک صحرا ہے، اس صحرا سے منصورہ کی حد تک ایک خانہ بدوش قوم آباد ہے جسے بدھ کہتے ہیں، اس قوم کے قبیلے بڑی تعداد میں طوران (طوبران) مکران، ملتان اور منصورہ کے شہروں کے حدود پر بکھرے ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ گشت کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ (شمالی افریقہ کے) بربر خانہ بدوشوں سے ملتے جلتے ہیں، جھونپڑیوں جھاڑیوں اور زیرآب نشیبی علاقوں میں رہتے ہیں، جو سندھ دریا کے مغرب میں واقع ہیں، یہ لوگ خوش پیکر، تیزرفتار اونٹ پالتے ہیں جن کی نسل سے فالج (فارج) نامی اونٹ پیدا ہوتا ہے، خراسان

---

۱ بعض مراجع میں بدھ بالنون آیا ہے، ایک رائے یہ ہے کہ ندھ نودکی کی تعریب ہے جو ایک بڑا بلوچ قبیلہ تھا، دوسری رائے یہ ہے کہ بدھ بالباء الموحدہ سے کچھ۔ گنداوا کے آس پاس کا علاقہ مراد ہے جہاں بدھ مذہب کا زور تھا۔ دیکھو ہودیوالا ص ۳۳-۳۴۔ ۲۔ مسالک الممالک ص ۱۷۶۔

۳ نزہۃ المشتاق قلمی ۱۱۹/۱۔

اور فارس وغیرہ کے لوگ اس اونٹ سے بختی لعد سمرقندی اونٹ کی نسل لینے کی خاطر اس کے طلبگار رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ فالج اونٹ کی شکل اور ساخت اچھی ہوتی ہے اور ہمارے ملکوں کے برخلاف اس کے دو کوہان ہوتے ہیں۔

میدلہ

اصطخری[۲]:

مید قوم حدودِ ملتان سے سمندر تک سندھ دریا (مہران) کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی ہے اس کی تعداد بہت ہے، سندھ دریا سے بھینال (قابل) تک جو ریگستان ہے اس میں میدوں کی بہت سی چراگاہیں اور دیہات پائے جاتے ہیں۔

ادریسی[۳]:

مذکورہ بالا ریگستان[۴] کے سرے پر مید نامی ایک خانہ بدوش قوم آباد ہے جو اس کے کنارے کنارے گھاس کی تلاش میں پھرتی رہتی ہے۔ مید چراگاہیں بھینال (ابہل) سے متصل ہیں، میدوں کی تعداد بہت ہے اور یہ لوگ اونٹ نیز بکریاں پالتے ہیں اور اپنے مویشی چراتے چراتے اکثر سندھ دریا (مہران) کے کنارہ پر واقع شہر رُور تک آجاتے ہیں اور کبھی مزید آگے بڑھ کر مکران کی حدود کے نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔

---

[۱] کننگھم (صفحہ ۳۳۴-۳۳۵) کی رائے میں میدیا مند بالنون جیحون پار کی SCYTHIAN قوم کی نسل سے تھے جو ساتویں صدی عیسوی کے آخر تک پوری طرح وادی سندھ پر قابض ہوگئی تھی۔

[۲] مسالک الممالک ص ۱۷۶۔

[۳] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/ ۱۱۲۔

[۴] اس سے وہ ریگستان مراد ہے جس کا ذکر ادریسی نے ہانیہ کے بیان میں کیا ہے۔

[۵] متن کا منشا رحہم، ہماری رائے میں سارحہم کی تحریف ہے۔

مغربی ہندوستان کے اہم شہر

جنوب مغربی راجستھان کا شہر بھینمال[1] (قاہبل)

اصطخری[2]:

ہندوستان کا سرحدی شہر ہے۔ چول (صیمور) تا بھینمال (قاہبل) ہندوستانی علاقہ ہے بھینمال (قاہبل) سے مکران اور بدھ قوم کی متصلہ اراضی سے سرحد ملتان تک کا علاقہ سندھ میں شمار ہوتا ہے۔ بھینمال (قاہبل) تا بانیہ اور بھینمال تا کیمبے (کنبایہ) ریگستان ہے، کیمبے (کنبایہ) سے چول تک مزروعہ اراضی ہے جس میں مسلسل بستیاں اور دیہات پائے جاتے ہیں۔ بھینمال (قاہبل)، سنجان (سندان)، چول (صیمور) اور کیمبے (کنبایہ) میں جامع مسجدیں ہیں اور اسلامی شعائر نظر آتے ہیں، یہ سب خوش حال اور بڑے شہر ہیں، یہاں ناریل، کیلا اور آم پایا جاتا ہے، زراعت زیادہ تر دھان کی ہوتی ہے، شہد کی بہتات ہے لیکن کھجور نہیں ہوتی۔

ادریسی[3]:

بعض لوگ بھینمال (قاہبل) کو ہندوستان میں داخل کرتے ہیں اور بعض اسے سندھ کا شہر قرار دیتے ہیں، یہ اس ریگستان کے کنارے واقع ہے جو سندھ، ہند، کیمبے، دیبل اور بانیہ سے متصل ہے بھینمال (قاہبل) ایک بڑا اور آباد شہر ہے، سندھ سے ہندوستان کا سفر کرنے والے اسی شہر سے ہو کر گزرتے ہیں، یہاں تجارت خوب ہوتی ہے، آس پاس مزروعہ اراضی اور دیہات ہیں، پھل کم ہیں لیکن تجارت

---

[1] بعض محققوں خصوصاً ایلیٹ (ص ۳۶۳، ۳۶۴) اور ہودیوالا (ص ۳۰) کی رائے میں ادریسی کا ماہل امہل یا انہل کی تصحیف ہے اور انہل سے مراد انہلواڑہ یا پاٹن ہے، یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ادریسی اور دوسرے عربی مراجع میں انہلواڑہ کا بھی ذکر موجود ہے جو ماہل سے الگ اور مختلف شہر تھا اور اب بھی ہے۔ ماہل بھینمال کی تصحیف معلوم ہوتی ہے جو آبو پہاڑ کے تقریباً پچاس میل شمال مشرق میں واقع تھا، بلاذری کی فتوح البلدان میں اس کا نام بیلمان بالنون قلمبند ہوا ہے، راجپوتانہ اور گجرات کے گوجر پرتیہار راجاؤں کا اولین پایہ تخت تھا، بعد میں وہ قنوج منتقل ہو گئے تھے اور اسے حکومت کا مرکز بنا لیا تھا دیکھو کننگھم ص ۶۹۶، ۶۹۷۔ [2] مسالک الممالک ص ۱۷۶۔

پر منفعت ہے مویشی بھی خوب ہیں، یہاں سے منصورہ کا فاصلہ نو مرحلے اور کھمبے (کنبایۃ) کا پانچ[1] ہے۔

یاقوت[2]:

بھینبال (قامہل) ہندوستان کا سرحدی شہر ہے، چول (میمور) سے بھینبال (قامہل) تک ہندوستانی علاقہ ہے، بھینبال سے کران، بدھ علاقہ اور اس سے آگے ملتان کی سرحد تک ساری اراضی سندھ میں داخل ہے۔ بھینبال (قامہل) میں ایک جامع مسجد ہے جہاں باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے، یہاں ناریل اور کیلا پیدا ہوتا ہے، دوسرے اناجوں کے مقابلہ میں دھان کی کاشت زیادہ ہے۔ بھینبال (قامہل) سے منصورہ کا فاصلہ آٹھ مرحلے اور کھمبے (کنبایۃ) کا چار مرحلے ہے۔

پاتن (نہروالا، نہرواره یا انہلواڑہ[3])

ادریسی[4]:

پاتن (نہروالا) میں بغرض تجارت بہت سے مسلمان آتے جاتے رہتے ہیں، شہر کا (ہندو) حاکم مسلمانوں کی عزت کرتا ہے اور ان کے مال و متاع کا محافظ ہے، یہاں کے حکمرانوں[5] کو اپنے علاقہ میں عدل و انصاف قائم رکھنے سے فطری لگاؤ ہے، کسی کام سے ان کو اتنی دلچسپی نہیں جتنی عدل و انصاف سے ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ان کے انصاف، پابندیٔ عہد اور حسنِ سیرت کی بدولت وہ اور ان کی ساری رعایا امن و عافیت سے بہرہ ور ہے، بڑی تعداد میں لوگ دور دور سے ان کی قلم رو میں آتے ہیں، ان کا ملک خوب پھل پھول رہا ہے، ان کی حکومت ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور وہ عافیت سے ہمکنار ہیں۔ یہاں کے عوام اتنے راستباز واقع ہوتے ہیں اور بددیانتی سے ان کو ایسی نفرت ہے کہ اگر کسی شخص کا دوسرے پر کوئی قرضہ ہو اور مقروض کہیں اسے مل جائے اور وہ زمین پر خط کھینچ کر

---

[1] اصطخری، مقدسی اور یاقوت تینوں نے بھینبال سے منصورہ اور کھمبے کا فاصلہ علی الترتیب آٹھ اور چار مرحلے دیا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔ [2] معجم البلدان ۱۸/۷ ۔ [3] رن کچھ کے بالمقابل مشرق میں اور بمبئی سے دو سو میل شمال میں۔ [4] نزہۃ المشتاق قلمی ۱۲۳/۱ ۔ [5] حکمرانوں سے راشٹرکوٹا خاندان کے راجہ مراد ہیں جنہیں عرب بلہرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ایک دائرہ بنا دے اور اس میں داخل ہو جائے تو مقروض از خود اس دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اس وقت تک دائرہ سے باہر نہیں نکلتا جب تک قرض ادا نہ کر دے یا صاحب قرض اسے معاف نہ کر دے۔

پاتن (نہر والا) کے باشندے چاول، مٹر، لوبیا، اُرد اور مچھلی کھاتے ہیں، نیز ان جانوروں کا گوشت جو طبعی موت مر جائیں لیکن خود کسی بڑے یا چھوٹے پرند یا چرند کو ذبح نہیں کرتے، گائے کا گوشت ان کے ہاں قطعاً ممنوع ہے، جب گائے مرجاتی ہے تو اسے دفن کر دیتے ہیں۔ یہ خصوصی برتاؤ صرف گائے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جب گائے بڑھاپے کے باعث خدمت کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے تو اس سے کام نہیں لیا جاتا اور مرتے دم تک اس کے کھانے چارے کا خیال رکھنے اور اسکی پیٹھ پر بوجھ نہ لادنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

کیمبے (کنبایۃ)

مسعودی[1]:

یہ وہی شہر ہے جس کی طرف چرم سے کمبائتی جوتے منسوب کئے جاتے ہیں، یہ جوتے یہاں اور قریب کے شہروں میں جیسے سنجان (سندارہ) اور سوپارہ (سرپارہ) میں بھی بنائے جاتے ہیں، میں نے ۳۰۳ھ/۹۱۵ء میں کیمبے کا سفر کیا تھا۔ اس وقت وہاں راجہ بالکھید (مانکیر) بلھرا کی طرف سے بانیا حاکم تھا، بانیا برہمن تھا اور اسے مناظرہ کا بڑا شوق تھا، جب کوئی زمستار (مسلم یا غیر مسلم عالم کیمبے (کنبایۃ) آتا تو بانیا اس سے مناظرہ کیا کرتا تھا۔ یہ شہر سمندر کی ایک خلیج پر واقع ہے، جو نیل یا دجلہ یا فرات سے زیادہ وسیع ہے۔ اس خلیج کے ہر دو جانب شہر، گاؤں، دیہات، بستیاں نیز باغ اور ناریل کے کنج موجود ہیں، جہاں مور، طوطے اور دوسرے پرندے پائے جاتے ہیں۔ کیمبے اور اس سمندر کے درمیان جس سے یہ خلیج نکلتی ہے، دو دن یا اس سے کچھ کم مسافت ہے۔

---

[1] مروج الذہب ۱/۱۱۷۔

ادریسی[1] :

سمندر سے تین میل کے فاصلہ پر ایک خوشنما شہر ہے، یہاں مختلف شہروں اور ملکوں کا تجارتی سامان اتارا جاتا ہے اور مختلف سمتوں کو بھیجا جاتا ہے، یہ بھی ایک خلیج پر واقع ہے، جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں، پانی کی فراوانی ہے، کھمبے (کنبایۃ) کے گرد ایک مضبوط شہر پناہ ہے جو سندھ کے گورنروں نے اس وقت بنوائی تھی جب جزیرۂ کیش[2] کے حاکم نے کھمبے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا۔

گندھار[3] (قندھار)

ادریسی[4] :

گندھار (قندھار) وسیع اور آباد شہر ہے، باشندے اپنی داڑھیوں کے اعتبار سے ایک امتیازی حیثیت کے مالک ہیں، وہ لمبی لمبی داڑھیاں رکھتے ہیں، اکثر لوگوں کی داڑھی گھٹنوں یا اس سے کچھ کم دراز ہوتی ہے خوب گھنی اور چوڑی بھی، ان کے چہرے گول ہوتے ہیں، ان کی لمبی چوڑی داڑھیاں ضرب المثل بن گئی ہیں، لباس اور ظاہری ہیئت میں ترکوں سے ملتے جلتے ہیں، گندھار (قندھار) اور اس کے ماتحت دیہاتوں میں گیہوں، چاول، دوسرے غلے، بکریاں اور گائیں پائی جاتی ہیں، یہ لوگ مردہ بکریاں کھاتے ہیں، گائے کا گوشت کلیۃً حرام ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، بیل گاڑی سے گندھار (قندھار) تا پاٹن (نہروارہ) پانچ مرحلے کے بقدر مسافت ہے، گندھاریوں کی

---

[1] نزہتہ المشتاق قلمی ۱/۱۱۷۔ [2] کیش یا قیس خلیج فارس کا ایک مشہور جزیرہ اور غالباً یہی یہاں مراد بھی ہے، ہودیوالا (ص ۵۹) کی رائے ہے کہ کیش سے کچھ مراد ہے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے عرب کچھ کو کیش نہیں کہتے، بلکہ کچھ کا معرب قُفّۃ لاتے ہیں خود ادریسی نے بھی دوسری جگہ خلیج فارس کے جزیرۂ قیس کو کیش لکھا ہے۔ [3] خلیج کھمبے سے ساڑھے چار میل دھادھر ندی کے بائیں کنارے۔ ہودیوالا کے مطابق ادریسی نے گجرات کے گندھار کو افغانستان کے قندھار سے خلط ملط کر دیا ہے، داڑھی اور لباس کے بارے میں اس نے جو باتیں لکھی ہیں وہ قندھاریوں ہی پر صادق آتی ہیں، اس کی اس تصریح سے بھی کہ ان کی کابل شاہ سے جنگ رہتی ہے صاف ظاہر ہے کہ گندھار سے افغانستان کا قندھار مراد ہے، نویں دسویں صدی میں کابل شاہ کی قندھاری رئیسوں سے جنگ رہتی ہے۔ [4] نزہتہ المشتاق قلمی ۱/ ۱۲۵-۱۲۶۔

کابل شاہ[1] سے جنگ رہتی ہے۔

بھڑوچ[2] (بروج، بروص)

ادریسی[3]:

ایک بڑا خوشنما اور باعظمت شہر ہے۔ عمارتیں اینٹ اور چونے کی ہیں، باشندے بلند حوصلہ ہیں، خوش حال اور دولت مند۔ ان کی تجارت دور دور مشہور ہے۔ بغرض تجارت پردیسوں کا سفر کرنا اور شہروں شہروں گھومنا ان کا خاص مشغلہ ہے۔ بھڑوچ سندھ اور چین کے تاجروں کا بندرگاہ ہے یہاں سے چول (سیمور) تک دو دن کی مسافت ہے اور پاتن (نہرواره) آٹھ مرحلے (شمال میں) واقع ہے۔ بھڑوچ سے پاتن (نہرواره) کا سارا راستہ جو ایسے میدانوں سے ہو کر گذرتا ہے جہاں پہاڑ نہیں، گاڑی کے ذریعہ طے کیا جاتا ہے۔ سامان بھی گاڑی پر ڈھویا جاتا ہے جسے بیل چلاتا ہے، ہر گاڑی پر ایک آدمی ہوتا ہے جو بیل ہانکتا ہے۔ یاقوت[4]: بھڑوچ سے نیل اور لاک برآمد کی جاتی ہے۔

ہندوستان کے مغربی اور جنوبی ساحل کے شہر
اوکھمن (اوتکین) اور کولیشار (کولی)

ابن خرداذبہ[5]:

سندھ دریا (کے ڈیلٹا) سے اوکھمن (اوتکین[6]) جہاں سے ہندوستان کی ابتدا ہوتی ہے، چار دن کی مسافت ہے، اوکھمن (اوتکین) کے پہاڑوں میں بانس پیدا ہوتا ہے اور میدانوں میں غلہ

---

[1] متن میں ملکہ کابل ہے جو ملک کی تصحیف معلوم ہوتی ہے۔ [2] بمبئی سے تقریباً دو سو میل شمال میں۔

[3] نزہۃ المشتاق قلمی ۱۲۲/۱۔ [4] معجم البلدان ۱۵۵/۲۔

[5] المسالک والممالک ص ۶۲۔ [6] ابن خرداذبہ کے اوتکین اور ادریسی کے اوبکین سے شاید اوکھا پورٹ مراد ہے جو جزیرہ نمائے کاٹھیاواڑ کے شمال مغربی سرے پر واقع ہے۔ اوکھا پورٹ کے آس پاس کی اراضی کو اوکھمنڈل کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور اوتکین غالباً اوکھمنڈل کی تحریف ہے۔ دیکھو حدود العالم ص ۱۷ و ڈاکٹر مقبول (ہندوستان اور متصلہ علاقے، لائیڈن ۱۹۶۲ء) ۱۱۹-۱۲۰۔

یہاں کے باشندے سرکش، باغی اور ڈاکو ہیں۔ اوکھمن سے علاقہ مید کا فاصلہ دو فرسخ (تقریباً سات میل) ہے، مید لوگ سمندری ڈاکو ہیں۔ اوکھمن سے کولیتار[1] (کولی) کا فاصلہ بھی دو فرسخ (تقریباً سات میل) ہے، کولینار (کولی) سے سنجان (سندان) تک اٹھارہ فرسخ (تقریباً ساٹھ میل) مسافت ہے سنجان (سندان) میں ساگون اور بانس کے جنگل ہیں۔

ادریسی[2]:

کیمبے (کنبایۃ) سے براہ سمندر جزیرہ اوکھمن (اوبکیش) تک ڈیڑھ مجری اور اوکھمن (اوبکیش) سے جزیرہ دیبل[3] تک دو مجری مسافت ہے۔ اوکھمن (اوبکیش) سے سندھ کی ابتدا ہوتی ہے، یہاں دھان اور دوسرے اناج پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کے پہاڑوں میں بانس کے جنگل ہیں۔ باشندے مورتی پوجا کرتے ہیں، اوکھمن سے جزیرۂ سند (گجرات) تک چھ میل فاصلہ ہے، سند کے باشندے ڈاکو ہیں، سند سے کولینار (کولی) بھی چھ میل دور ہے اور کولینار (مرلی) سے ساحل کے ساتھ ساتھ سوپارہ (شرتادہ) کا فاصلہ تقریباً پانچ مرحلے ہے۔

سوپارہ[4] (سوبارہ)

ادریسی[5]:

سوپارہ سمندر سے تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے، یہ ایک متمدن، آباد اور پھلتا پھولتا شہر ہے،

---

[1] بعض محققوں کی تجویز ہے کہ کولی کو کولی نار سمجھنا چاہیے جو موجودہ دیو UNA کے مغرب میں ساحل سمندر پر واقع ہے لیکن اس تجویز کو ماننے سے ایک مشکل یہ پیدا ہوتی ہے کہ اوکھا پورٹ سے اس کا فاصلہ حسب تصریح ابن خرداذبہ تیرہ چودہ میل (چار فرسخ) بنتا ہے حالانکہ یہ فاصلہ ایک سو میل سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ہماری رائے میں اس بات کا غالب قرینہ ہے کہ ابن خرداذبہ اور اس کے ناقل ادریسی کے دیئے ہوئے فاصلے غلط ہوں۔ دیکھو مائنارسکی (حدود العالم آکسفورڈ ۱۹۳۷ء) ص ۲۴۲ -

[2] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۷-۱۱۸۔ [3] دیبل اور اوکھا دونوں بندرگاہ ہیں، ادریسی نے یہاں بھی غلطی کی ہے۔ [4] بسین کے قریب بمبئی سے تقریباً چالیس میل شمال میں۔ [5] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۷-۱۱۸ -

سامانِ تجارت اور ضروریاتِ زندگی سے بھرپور، بحرِ ہند کے بندرگاہوں میں سے ایک اہم (تجارتی) بندرگاہ ہے، یہاں بڑے پیمانے پر مچھلی پکڑی جاتی ہے اور سمندر سے موتی نکالے جاتے ہیں۔

سنجان[1] (سندان)

ادریسی[2]:

سوپارہ (بارہ) سے (شمال میں) تقریباً پانچ[3] مرحلے پر واقع ہے۔ سنجان (سندان) کا فاصلہ سمندر سے ڈیڑھ میل ہے، یہ ایک متمدن شہر ہے، مختلف دستکاریوں میں باشندوں کو مہارت اور شہرت حاصل ہے، لوگ خوشحال تاجر ہیں اور تجارت کے میدان میں بڑے تجربہ کار، سنجان (سندان) بلند مرتبہ شہر ہے، بہت سے لوگ بغرضِ تجارت یہاں آتے ہیں، اسی طرح یہاں کے تاجر دوسرے ملکوں کو جاتے ہیں۔ اس شہر کے مشرق میں سندان نامی جزیرہ ہے جو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ کافی بڑا جزیرہ ہے[4] اور یہاں خوب زراعت ہوتی ہے، کھجور اور ناریل پیدا ہوتا ہے، بانس اور بید کے جنگلات بھی ہیں، اس جزیرہ کا شمار ہندوستان میں ہوتا ہے۔ سنجان (سندان) سے چیمول (صیمور) پانچ[5] مرحلے (جنوب میں) ہے۔

تھانہ[6] (تانہ)

ادریسی:

باعظمت شہر ہے، ایک وسیع خلیج کے کنارے واقع ہے جسمیں جہاز داخل ہوتے ہیں اور مختلف ملکوں اور شہروں کا سامان اتارا جاتا ہے، یہاں کے پہاڑوں اور میدانوں میں بانس پیدا ہوتا ہے، بانس کی جڑوں[7] سے بنسلوچن (طباشیر) نکالا جاتا ہے اور پورب پچھم کے سارے ملکوں کو بھیجا

---

[1] موجودہ سنجان بمبئی سے تقریباً نوے میل شمال میں۔ [2] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۷-۱۱۸۔ [3] یہ فاصلہ درست نہیں، سوپارہ سنجان (سندان) سے تقریباً پچاس میل جنوب میں واقع ہے، دیکھو حودیوالا ص ۶۹۔

[4] لگ بھگ ایک سو دس میل۔ حودیوالا ص ۶۹۔ [5] بمبئی سے بیس اکیس میل شمال میں۔ [6] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۲۴۔ [7] تحقیقی رائے یہ ہے کہ بنسلوچن بانس کی گانٹھوں میں پیدا ہوتا ہے جڑوں میں نہیں۔ دیکھو حودیوالا ص ۶۹۔

جاتا ہے (نقلی) بنسلوچن میں ہاتھی کی جلی ہوئی ہڈیاں ملادی جاتی ہیں لیکن خاص بنسلوچن اس کلنٹرلو ہندی بانس کی جڑوں ہی سے حاصل کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

چول (صیمور)[1]

مسعودی[2]:

میں ۳۰۴ھ (۹۱۶) میں سر زمین گجرات (لار) کے شہر چول (صیمور) آیا جو بلہرا کی قلمرو میں داخل ہے۔ اس وقت چول (صیمور) کا حاکم جانج تھا، شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی بستی تھی جو بیاسرہ قوم نیز سیراف، عُمان، بصرہ، بغداد اور بہت سے دوسرے ملکوں کے ان لوگوں پر مشتمل تھی جنہوں نے چول میں شادی بیاہ کر کے وہاں بود و باش اختیار کر لی تھی، ان میں خاصی تعداد ممتاز تاجروں کی تھی جن میں موسیٰ بن اسحاق صندالوری کا نام قابل ذکر ہے۔ اس وقت ہُنرمن کے منصب پر ابوسعید معروف بن زکریا فائز تھا، ہنرمن مسلمانوں کے مقدم یا سربراہ کو کہتے ہیں۔ ہندو حاکم کسی معزز اور وجیہ مسلمان کو اس کے ہم مذہبوں کا ناظم امور مقرر کر دیتا ہے جس کے ذمہ ان کے معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ بیاسرہ ان مسلمانوں کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوتے ہیں، اس کا واحد بیسر[3] ہے۔

ادریسی[4]:

سنجان (سندان) سے (جنوب میں) چول (صیمور) پانچ[5] مرحلے دور واقع ہے، یہ ایک فراخ اور خوشنما شہر ہے، جہاں شاندار عمارتیں پائی جاتی ہیں، ناریل اور بانس کی بہتات ہے، یہاں کے پہاڑوں میں خوشبودار پودے بکثرت ہوتے ہیں اور مختلف ملکوں کو برآمد کئے جاتے ہیں۔

---

[1] بمبئی سے تیس میل جنوب میں۔ ہوڈیوالا ص ۶۹۔ [2] مروج الذہب ۲/۸۵-۸۶۔

[3] بیاسرہ ایک ہندی نژاد مسلمان طبقہ تھا جو اسلامی جہازوں پر بحری دشمن سے لڑنے کے لئے فوجی خدمت انجام دیتا تھا۔ دیکھو تاج العروس۔ ۳/۴۲۔ [4] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۸۔ [5] ایک سو دس میل کے قریب۔

یاقوت[1]:

چول (صیمور) ہندوستان کے ان شہروں میں ہے جو سندھ سے متصل اور دیبل[2] کے قریب میں

چول ایک ہندو راجہ کی قلمرو میں ہے جسے بلہرا (بلہر) کہتے ہیں صیمور اور تھانہ (کشامہ[3]) ان غیر مسلم

شہروں میں سے ہیں جہاں مسلمانوں کی بستیاں ہیں، ان کے معاملات اور مفادات کی نگرانی صرف

وہ مسلمان کرتے ہیں جنہیں راجہ بلہرا مقرر کرتا ہے، چول (صیمور) میں ایک جامع مسجد ہے جہاں

باجماعت نماز ہوتی ہے، راجہ بلہرا ایک بڑی سلطنت کا تاجدار ہے اور شہر مالکھید (مانکیر) میں

قیام کرتا ہے۔

سندا پور[4]

ادریسی[5]:

بھڑوچ (بروج) سے سندا پور کا فاصلہ براہ ساحل چار مرحلے[6] ہے، سندا پور ایک بڑی کھاڑی

پر واقع ہے جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں، یہ ایک تجارتی شہر ہے، جہاں مختلف قسم کی تجارتی

عمارتیں، کاروبار، اور روزگار پائے جاتے ہیں۔

---

[1] معجم البلدان ۵/۴۰۷۔ [2] یاقوت کی یہ رائے صحیح نہیں، دیبل سندھ کا بندرگاہ تھا کراچی کے قریب اور صیمور موجودہ ریاست مہاراشٹرا کا بندرگاہ تھا بمبئی سے قریب پچیس میل جنوب میں۔

[3] بظاہر تھانہ کی تصحیف ہے، بلہرا کی قلمرو میں کشامہ نامی کوئی شہر عربی تحریروں میں دریافت نہ ہو سکا۔

[4] موجودہ گوا (Goa) سے قریب پچاس میل جنوب میں واقع تھا، بمبئی سے تقریباً دو سو پچاس میل کے فاصلہ پر۔ ڈاکٹر مینار کی رائے ہے کہ سندا پور، سندھاپور کی تصحیف ہے جو موجودہ شہر کاروار سے تین میل مشرق میں ایک بڑے میدان میں واقع تھا اور جہاں آجکل بھی اس نام کا ایک گاؤں موجود ہے۔ (عرب جغرافیہ نویس اور جنوبی ہندوستان، مدراس ۱۹۴۲ء ص ۹۷، ہود دلیوالا ۲۳-۲۴)۔ [5] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۴۴۔ [6] ادریسی نے سندا پور کو سندان سے خلط ملط کر دیا ہے، بھڑوچ سے سندا پور کا فاصلہ چار سو پچاس میل کے قریب ہے اور چار مرحلے تقریباً نوے میل کے بقدر ہوتے ہیں۔

فندرینہ[1]

ادریسی[2]:

تھانہ (تانہ) سے فندرینہ تک ساحل راست چار مرحلے[3] ہے۔ فندرینہ ایک خلیج کے دہانہ پر واقع ہے جو مالابار (منیبار) کی طرف سے آتی ہے، یہاں جزائر ہند و سندھ کے تاجروں کے جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں، باشندے مالدار ہیں، بازار بارونق ہے اور سامان سے بھرپور، تجارت نفع بخش ہے، فندرینہ کے شمال میں ایک بڑا اور اونچا پہاڑ ہے، یہاں بکثرت درخت آبادیاں اور مویشی پائے جاتے ہیں، اس[4] پہاڑ کے آس پاس الائچی پیدا ہوتی ہے اور دنیا کے تمام ملکوں کو برآمد کی جاتی ہے، الائچی کا پودا سنگ کے پودے کی طرح ہوتا ہے، الائچی کی بونڈیاں ہوتی ہیں جن میں دانے بھرے ہوتے ہیں۔

کیولان (کلی)

ابن خردادبہ[5]:

سندان سے (براہ سمندر) کیولان (ملی) پانچ دن کی مسافت ہے، کیولان (ملی) میں سیاہ مرچ اور بانس پیدا ہوتا ہے، سمندری مسافروں کا بیان ہے کہ سیاہ مرچ کے ہر خوشہ پر ایک پتہ ہوتا ہے جو اسے بارش کے پانی سے محفوظ رکھتا ہے اور جب بارش ختم ہوجاتی ہے تو پتہ خوشہ کے

---

[1] اہل تحقیق کی رائے ہے کہ فندرینہ پتلاینی Patalayini کی تعریب ہے جو مالابار ساحل (کیرالا) کا ایک شہر تھا اور اب بھی ہے۔ ابن بطوطہ چودھویں صدی میں یہاں سے گذرا تھا اور اس نے بھی اسے فندرینہ قلمبند کیا ہے۔ دیکھو ہودیوالا صلا۔ [2] نزہتہ المشتاق قلمی ۱/ ۱۲۴۔ [3] ادریسی نے حسب عادت یہاں بھی غلط فاصلہ دیا ہے، تھانہ سے فندرینہ کی مسافت ساڑھے چار سو میل سے زائد ہے، اس کے مقابلہ میں ادریسی کے چار مرحلے زیادہ سے زیادہ سوا سو میل کے بقدر ہوتے ہیں۔

[4] ڈیلی (ہالرملہ) پہاڑ مراد ہے جو فندرینہ سے اٹھارہ میل شمال میں ہے، اس کی بلندی صرف آٹھ سو پچیس فٹ ہے۔ ہودیوالا صلا۔ [5] المسالک والممالک ص۶۳۔

اوپر سے ہٹ جاتا ہے اور جب پانی برستا ہے تو پتہ پھر خوشہ کو ڈھک لیتا ہے۔

سلیمان تاجر[1]:

.... (عمان کے بندرگاہ) مسقط سے جہاز ہندوستان کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور کیولان (کوکم ملی) کا رخ کرتے ہیں، مسقط سے کیولان (کوکم ملی) کا فاصلہ معتدل ہوا میں ایک ماہ ہے[2] کیولان (کوکم ملی) میں حکومت کی طرف سے ٹیکس آفس ہے، جہاں چینی جہازوں سے ٹیکس لیا جاتا ہے، یہاں کنوؤں کا میٹھا پانی استعمال ہوتا ہے، چینی جہازوں پر پانچسو روپے (ہزار درہم)، چھوٹے جہازوں اور کشتیوں پر پچاس روپے (دس دینا) سے پانچ روپے (ایک دینار) تک ٹیکس ہے۔

مدوری پتن (مندورقین[3])

ابودلف[4]:

کابل سے میں نے ہندوستان کے مشرقی ساحل کے شہروں کا رخ کیا اور مدوری پتن (مندورقین) پہنچا، یہاں بانس نیز صندل کے بہت سے جنگل پائے جاتے ہیں اور یہاں سے بنسلوچن (طباشیر) برآمد کیا جاتا ہے، جب بانس خشک ہو جاتا ہے اور ہوا چلتی ہے تو بانس ایک دوسرے سے رگڑتے ہیں اور رگڑ کی گرمی سے ان میں آگ لگ جاتی ہے اور بعض اوقات یہ آگ لگ بھگ ایک سو ساٹھ میل (پچاس فرسخ) یا اس سے بھی زیادہ دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ بنسلوچن جو ساری دنیا کے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے وہ اسی بانس سے نکلتا ہے، عمدہ بنسلوچن جس کے ایک مثقال (تقریباً ساڑھے چار ماشے) کی قیمت سو مثقال سونا یا اس سے بھی زیادہ اٹھتی ہے، وہ بانس کے اندر سے نکلتا ہے جب اسے جھٹکا جاتا ہے، اس قسم کا بنسلوچن بہت کمیاب ہے۔ بانس سے حاصل کیا ہوا بنسلوچن ہر ملک کو ہندی توتیا کے نام سے برآمد کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ ہندی توتیا ہوتا نہیں ہے، ہندی توتیا تو رانگ کا دھواں ہوتا ہے جو ہر سال تین چار پونڈ (من) اور حد پانچ پونڈ سے زیادہ حاصل نہیں

---

[1] سلسلۃ التواریخ ۱/۱۶-۱۷۔
[2] براؤ ڈیل دھقانہ پندرہ سو میل سے زائد۔
[3] دیکھو نوٹ[۲] صفحہ ۱۲۹۔
[4] معجم البلدان (ذکر چین) ۵/۲۱۶-۲۱۷۔

ہوتا اور اس کے ایک پونڈ (من) کی قیمت ڈھائی ہزار روپئے (پانچہزار درہم) سے پانچہزار روپے (دہزار دینار) تک اٹھتی ہے۔

ابودلفؒ:

مدوری پتن (مندورقین[2]) سے روانہ ہو کر میں کیولان (کولم) پہنچا، یہاں کے باشندوں کا ایک عبادت خانہ ہے لیکن اس میں کوئی مورتی نہیں ہے۔[3] کولم میں ساگون اور بقم[4] کے جنگل پائے جاتے ہیں، بقم دو قسم کا ہوتا ہے ایک کیولانی جو گھٹیا ہوتا ہے اور دوسرا قامرونی[5] جس کی نظیر نہیں ہوتی، ساگون کا درخت خوب لمبا اور تناور ہوتا ہے، بعض ساگون کے درخت ڈیڑھ سو فٹ (سو ذراع) اور اس سے بھی زیادہ اونچے ہوتے ہیں، یہاں بانس (قنا) اور بید (خیزران) بہت پایا جاتا ہے، تھوڑی

---

[1] معجم البلدان (لائبزگ) ص ۴۵۵-۴۵۶۔

[2] مندورقین، مدوری نتن کی تصحیف معلوم ہوتی ہے جو مدوری پتن کی تعریب ہے، معبرکے پانڈیا راجاؤں کا اہم بندرگاہ تھا۔ بیرونی نے قانون مسعودی میں اس بندرگاہ کا وجود متذکرہ بالا مقام پر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ مدورا پتن ایک کھاڑی پر واقع تھا اور یہاں سے لنکا کا سفر کیا جاتا تھا۔ ماننا رکی مسعودی کی اس عبارت سے بھی مندورقین کی مذکورہ بالا جائے وقوع کی تائید ہوتی ہے:

وأخبار ملوك الصين وملك سرانديب مع ملك مندورقين وهي بلاد مقابلة لجزيرة سرانديب كمقابلة بلاد قمار لجزائر المهراج من الزانج وكل ملك يملك بلاد مندورقين يسمى القاندي (مروج الذهب مصر ۱/۱۰۵) بعض نسخوں میں القاندی بالنون ہے، یہ غالبًا الفاندی بالفاء کی تصحیف ہے اور الفاندی Pandyaa کی تعریب ہے۔

[3] قزوینی نے آثار البلاد میں ابودلف کی جو عبارت نقل کی ہے اس سے کیولان میں عبادتخانہ اور مورتی دونوں کی نفی ہوتی ہے۔ [4] بقم البادتشدید القاف، ایک درخت جس کی لال لکڑی سے کپڑے رنگے جاتے تھے۔

[5] متن میں والامرونی ہے جو ہمارے خیال میں والقامرونی کی تصحیف ہے، قامروب کامروپ کی تعریب ہے، پرانے زمانے میں آسام کو بزبانِ سنسکرت کامروپ کہتے تھے، اس میں پورا وادی برہمپتر داخل تھی، گوہاٹی اس کا پایۂ تخت تھا جیسا کہ آج بھی ہے۔

مقدار میں گھٹیا درجہ کا سندروس (گوند) بھی ہوتا ہے چینی سندروس اس سے بہتر ہوتا ہے .... یہاں ایک پتھر پایا جاتا ہے سنداتیہ نامی جو چھتوں میں لگایا جاتا ہے، گھروں کے ستون مردہ مچھلیوں کی ریڑھ کی ہڈی سے بنائے جاتے ہیں، باشندے نہ تو مچھلی کھاتے ہیں نہ جانور ذبح کرتے ہیں لیکن بیشتر شہری مردہ جانور کا گوشت کھالیتے ہیں، جب ان کا راجہ مرجاتا ہے تو وہ چین سے مصالحت رکھنے والا دوسرا راجہ منتخب کر لیتے ہیں[1]۔ کیولان (کولم) کے علاوہ ہندوستان میں کہیں طبیب[2] نہیں ہوتے، یہاں گہرے بڑے پیالے بنائے جاتے ہیں جو ہمارے ملکوں (فارس وعراق) میں چینی پیالوں کے نام سے بکتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ چینی ہوتے نہیں ہیں، چین کی مٹی کیولان (کولم) کی مٹی سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور آگ کی گرمی زیادہ دیر تک برداشت کر سکتی ہے۔ کیولان کی مٹی جس سے چینی طرز کے پیالے بنائے جاتے ہیں تین دن تک آگ پر بھونی جاتی ہے[3]، اس سے زیادہ دیر تک وہ آگ نہیں برداشت کر سکتی لیکن چینی مٹی دس دن تک بھونی جاتی ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک آگ کی متحمل ہو سکتی ہے۔ کیولان کے پیالے سیاہی مائل .... اور چینی سفید رنگ اور ہلکے بھاری ہوتے ہیں .... کیولان (کولم) سے عُمان کو بحری سفر کیا جاتا ہے۔ یہاں راوَند (دوا) پائی جاتی ہے لیکن وہ زیادہ موثر نہیں ہوتی، چینی راوَند بہتر ہوتی ہے، راوَند ایک قسم کا گول کدو ہے جو کیولان میں پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ ساج ہندی کا پتہ بھی یہاں ہوتا ہے۔

کیولان کی طرف مختلف قسم کی عود لکڑی، کافور، لوبان اور گہرے بڑے پیالوں کی طشت اور تجارت منسوب ہے۔ درخت عود کا اصلی وطن خط استوا کے عقبی جزیرے ہیں، کوئی شخص کبھی عود کے جنگلوں میں نہیں پہنچا اور نہ کسی کو معلوم ہے کہ کہاں سے اس کا پودا اگتا ہے اور کس شکل کا اس

---

[1] قزوینی (م): جب ان کا راجہ مرجاتا ہے تو وہ چین کے کسی بادشاہ کو اپنا راجہ بنا لیتے ہیں۔ [2] یہ تصریح بالکل بے بنیاد ہے، بظاہر متن کا "طب" کسی دوسرے لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ [3] متن میں یحمر بالنار الجمعۃ ہے جس سے کوئی مناسب مفہوم نہیں نکلتا، ہم نے اسے یجمر بالجیم قرار دیکر ترجمہ کیا ہے۔ [4] متن میں قشار ہے جو ہماری رائے میں عقصک کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

اس کا درخت ہوتا ہے اور نہ کسی انسان نے اس کے پتہ کی شکل وصورت ہی بیان کی ہے۔ سمندر کی لہریں عود کے گٹھے شمال کی طرف بہالاتی ہیں، جو درخت عود اپنے منبت سے اکھڑ کر پانی کے سیلاب کو سمندر میں آگرے اور تر حال میں اسے کُلہ بار (ملایا کا مغربی ساحل)، آسام (قامرون[1]) یا سرزمین مرج (شاید مالابار) یا کمبوڈیا (صنف) یا تھائی لینڈ (تماریان) یا دوسرے ساحلوں پر اٹھالیا جائے تو وہ عود لکڑی شمال کی خشک ہو لگنے پر بھی ہمیشہ تر رہتی ہے اور ایسی عود لکڑی کو قامرونی[2] مندلی عود کہتے ہیں اور اگر لکڑی سمندر میں خشک ہو یا خشک ہونے کے بعد سمندر میں آئے تو وہ عود ہندی کہلاتی ہے اور بھاری نیز ٹھوس ہوتی ہے، ایسے عود کی شناخت یہ ہے کہ اس کا برادہ پانی میں ڈالا جائے اور وہ نہ ڈوبے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عود بڑھیا نہیں ہے اور اگر برادہ ڈوب جائے تو عود بے نظیر ہے۔ جو عود لکڑی اپنی اگنے کی جگہ خشک ہو جائے اور سمندر میں اس کو کاٹا جائے تو وہ عود قماری کہلاتی ہے اور جو لکڑی اپنی اگنے کی جگہ بوسیدہ ہونے کے بعد سمندر میں آئے تو اسے عود صنفی کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا بندرگاہوں کے حاکم سمندر یا ساحل سے عود لکڑی جمع کرنیوالوں سے دس فیصد ٹیکس لیتے ہیں، رہا کافور تو وہ کیولان (کولم) اور مدوری تین (مندورقین) کے درمیان واقع ان پہاڑوں کے دامن میں ہوتا ہے جو سمندر کے کنارہ بلند ہیں، کافور ایک درخت کا گودا ہوتا ہے، جب درخت کا تنہ چیرا جاتا ہے تو اس میں چھپا ہوا ملتا ہے، کبھی کافور سیال ہوتا ہے اور کبھی منجمد، منجمد اس لئے کہ وہ ایک قسم کا گوند ہے جو درخت کے گودے میں محفوظ ہوتا ہے۔ کیولان (کولم) میں ہڑ بھی پائی جاتی ہے لیکن کم، کابلی ہڑ اس سے بہتر ہوتی ہے، کابل میں ہڑ کی تمام قسمیں اگتی ہیں، وجہ یہ ہے کہ کابل سمندر سے دور ہے، جو ہڑ درخت سے کچی گر جاتی[3] اس کا رنگ پیلا ہوتا ہے اور وہ ترش وسرد ہوتی ہے اور جو ہڑ پک کر درخت سے صحیح وقت پر اترے وہ کابلی کہلاتی ہے اور گرم وشیریں ہوتی ہے اور جو ہڑ جاڑے کے موسم میں درخت پر چھوڑ دی جائے یہاں تک

---

[1] قامرعب کی تحریف اور قامروب کامروب کی تعریب جو پرانے زمانہ میں آسام کا نام تھا۔ [2] متن میں ہے:

وکل شجرۃ مماتزتہ الریح نجاء علی نضیج، ہماری رائے میں فجار علی فجارۃ غیر کی تصحیف ہے [3] متن میں ہے: تلمون الثمرن

کر سیاہ پڑجائے وہ کڑوی حار ہوتی ہے۔ کیولان (کولم) میں گندھک اور تانبے کی کان ہے۔ تانبے کے دھوئیں سے عمدہ قسم کا توتیا بنایا جاتا ہے، تمام قسم کے توتیا تانبے کے دھوئیں سے ہی تیار ہوتے ہیں سوائے ہندی توتیا کے جو جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا رانگ کے دھوئیں سے بنتا ہے۔

کیولان (کولم) اور مدوری تین (مسند ورتین) میں بارش کا پانی استعمال ہوتا ہے جسے حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ کیولان میں اس گول کدو کے علاوہ جس سے راوند نامی دوا بنتی ہے کسی چیز کی کاشت نہیں ہوتی، یہ کدو جھاڑی اور کانٹوں میں اگایا جاتا ہے، اسی طرح خربوزہ بھی بہت کمیاب ہے۔ یہاں قنبیل[1] نامی خاک آسمان سے گرتی ہے، اسے گوبر میں ملایا جاتا ہے، عربی قنبیل اس سے بہتر ہوتی ہے۔

بصرہ سے گنگا کے دہانہ تک ساحلی راستہ

ابن خردادبہ[2]

بصرہ سے جزیرہ خارک[3] تک لگ بھگ ایک سو ساٹھ میل (پچاس فرسخ) مسافت ہے، خارک کی لمبائی چوڑائی تقریباً تین تین میل (ایک ایک فرسخ) ہے۔ یہاں زراعت ہوتی ہے اور انگور نیز کھجور پائی جاتی ہے، خارک سے جزیرہ لاوان (موجودہ شیخ شعیب) تقریباً دو سو ساٹھ میل (اسی فرسخ) دور ہے، لاوان کا طول و عرض سات سات میل (دو دو فرسخ) ہے، یہاں زراعت ہوتی ہے اور کھجور پائی جاتی ہے، لاوان سے (مشرق میں) جزیرہ ابرون[4] تیئس چوبیس میل (سات فرسخ) دور ہے، طول و عرض میں جزیرہ تقریباً سوا تین تین میل (ایک ایک فرسخ) ہے، یہاں بھی کھیتی باڑی ہوتی ہے اور نخلستان پائے جاتے ہیں۔ ابرون سے جزیرہ خین کا فاصلہ (مشرق میں) تیئس چوبیس میل ہے، اس کا طول و عرض نصف نصف میل ہے اور یہ غیر آباد ہے، جزیرہ خین سے جزیرہ قیس (کیس)

---

[1] قنبیل بر وزن زنبیل ایک قسم کی مٹی جسے آگ میں بھون کر کھانے سے معدہ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ برہان قاطع۔

[2] المسالک والممالک ص ۶۱-۶۲۔ [3] بلغتہ الرار، بوشہر سے تیس میل شمال مغرب میں۔ ہودیلولا ص ۱۴۳۔

[4] موجودہ جزیرہ ہندرابی، جزیرہ قیس کے مغرب میں۔ مشرقی خلافت کے ممالک لے اسٹرینج ص ۲۶۱۔

(مشرق میں) تئیس چوبیس میل ہے، اس کی لمبائی چوڑائی تقریباً تیرہ تیرہ میل ہے، یہاں زراعت ہوتی ہے، اور کھجور نیز مویشی پائے جاتے ہیں، اس کے سمندر سے عمدہ موتی نکلتے ہیں۔ جزیرہ قیس (کیس) سے جزیرہ ابن کاوان[1] (موجودہ قشم) کا فاصلہ ساٹھ میل (اٹھارہ فرسخ) ہے، یہ جزیرہ عرض وطول میں دس دس میل (تین تین فرسخ) ہے، یہاں کے باشندے اباضیہ فرقے کے جنگجو خارجی ہیں، جزیرہ ابن کاوان (قشم) سے (جزیرہ) ہرمز (ارموز) تئیس چوبیس میل (مشرق میں) ہے، ہرمز سے تارا (تیز؟) ساتھ دن کی مسافت ہے تارا (تیز؟) پر فارس کی حد ختم ہوتی ہے اور سندھ کی حد شروع ہوجاتی ہے، تارا (تیز؟) سے دیبل آٹھ دن کی بحری مسافت ہے۔ دیبل سے سندھ ڈیلٹا کا فاصلہ تقریباً سات میل (دو فرسخ) ہے۔

سندھ دریا (مہران) سے اوکمن[2] (اوکین) جہاں ہندوستان کی حد شروع ہوتی ہے چار دن کی مسافت ہے، اوکمن کے پہاڑوں میں بانس پیدا ہوتا ہے اور وادیوں میں زراعت ہوتی ہے، یہاں کے باشندے بڑے سرکش ہیں، نافرمان اور ڈاکو، اوکمن (اوکین) سے سات میل (مشرق) میں میدوں کی بستیاں ہیں، جو سمندری ڈاکو ہیں، مید علاقہ سے کولی نار (کولی) تک سات میل فاصلہ ہے، کولی نار سے سندان (موجودہ لبیین[3]) تک تقریباً ساٹھ میل (اٹھارہ فرسخ) ہے۔ سندان میں ساگون اور بانس ہوتا ہے، سندان سے کیولان (ملی) پانچ دن کی بحری مسافت ہے، کیولان (ملی) میں سیاہ مرچ اور بانس پیدا ہوتا ہے، جہاندان لوگ بتاتے ہیں کہ سیاہ مرچ کے ہر خوشہ پر بارش کے پانی سے حفاظت کے لئے ایک پتہ ہوتا ہے، جب بارش بند ہوجاتی ہے تو پتہ خوشہ سے ہٹ

---

[1] اس کا دوسرا نام لافت بھی ہے۔ معجم البلدان (لائبزگ) ۴/۲۴۲۔ [2] اس جزیرہ کا پتا اور دوسرے مستند جغرافیہ نویسوں نے ذکر نہیں کیا، نہ موجودہ اٹلسوں میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے، محقق ڈی غوئے کی رائے میں تارا، تیز کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو مکران کا مشہور جزیرہ اور بندرگاہ تھا۔ دیکھو حدود العالم ۱۹ و ڈاکٹر مقبول ص ۱۲۔ [3] جزیرہ نما کاٹھیاواڑ کے مشرقی سرے پر۔

جاتا ہے اور جب ہوتی ہے تو پھر اس کو ڈھک لیتا ہے۔ کیولان سے بلین[1] (مدوری تپن) دو دن کی مسافت ہے اور بلین سے بڑے سمندر (بحر ہند) تک بھی اسی قدر فاصلہ ہے۔ بلین سے سمندری شاہراہ کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں، ہندوستانی ساحل کے ساتھ جانیوالے جہاز بلین (مدوری تپن) سے دو دن کی مسافت طے کرکے نیگا پٹم (باتن[2]) پہنچتے ہیں، باتن چاول کا علاقہ ہے، لنکا کو اسی جگہ سے اناج بھیجا جاتا ہے۔ نیگا پٹم (باتن) سے کنجی (سنجلی[3]) اور کاریکال (کبشان[4]) کا فاصلہ ایک دن[5] کی مسافت ہے، کبشان میں بھی چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ کبشان سے گوداوری (کود افرید) دس میل[6] ہے، یہاں سے کاریگال (کیلکان) چیکاکول (لوار[7]) اور گنجم (کنجہ اڑیسہ) دو دن کی مسافت ہے، گنجم میں گیہوں اور چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ گنجم سے سمندر (چلکا جھیل[8]) تقریباً

---

[1] ایک مغربی محقق کی رائے ہے کہ بلین بادل کی تصحیف ہے جو خلیج منار کے موجودہ بندرگاہ Tuticorin کے نزدیک ایک بندرگاہ تھا۔ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، ۱۳۴/۲ ۔ ہمارے خیال میں بلین بتن کی تصحیف ہے اور بتن سے مدوری تپن مراد ہے موجودہ راما ناتھ پرم کی جگہ یا اس کے قریب ہندوستان کے جنوب اقصیٰ میں پانڈیا راجاؤں کا ایک اہم تجارتی بندرگاہ تھا۔ [2] ہماری رائے میں اس بات کا قرینہ ہے کہ باتن کو نیگا پٹم کی تحریف قرار دیا جائے جو جنوبی کارومنڈل ساحل کا ایک قدیم بندرگاہ تھا۔ کننگھم ص ۶۳۱ ۔
[3] بعض محققوں کی رائے میں سنجلی کنجی، کنجین یا کانچی کی تصحیف ہے، کانچی سے کانچی ورم یا کنجی ورم مراد ہے جو دریائے پیتر پر کرشنا ندی سے ڈھائی سو میل جنوب مشرق میں ریاست Dravida کا پایۂ تخت تھا۔ کننگھم ص ۵۴۸ ۔ [4] نزہۃ المشتاق ادریسی میں کیکسار قلمبند ہوا ہے، شاید کاریکال کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو نیگا پٹم کے مضافات میں بسمت شمال واقع ہے۔ [5] یہ فاصلہ غلط ہے، ہمارے خیال میں تین کا ثلاثۃ فراسخ، ثلاثۃ ایام (تین دن) ہونا چاہئے کنجی (سنجلی) اور کاریکال (کبشان) سے جو مدراس کے جنوب میں واقع تھے، گوداوری کا ڈیلٹا کئی سو میل دور ہے۔ [6] لوار شاید کول کی تصحیف ہے اور کول چیکاکول کی تعریب جو کالنگا کی قدیم راجدھانی کلنگا پٹم سے ۲۰ میل جنوب مغرب میں واقع تھا۔ کننگھم ص ۵۹۱ ۔ [7] چلکا جھیل (اڑیسہ) کے [illegible] ستانی کی [illegible]

تینتیس[1] میل دور ہے، یہاں بھی چاول پیدا ہوتا ہے۔ یہاں میٹھے پانی میں پندرہ میں دن کے دریائی سفر کے بعد کامروپ[2] (کامرون) اور دوسرے علاقوں سے صندل لایا جاتا ہے، سمندز (چلکا جھیل) سے اوڑلیسہ (اور نشیبن[3]) چالیس میل (؟) دور ہے۔ یہ ایک بڑی سلطنت ہے جہاں ہاتھی، مویشی، بھینس اور ہر قسم کا استعمالی سامان پایا جاتا ہے۔ یہاں کا راجہ عظیم المرتبت ہے۔ اڑلیسہ سے چار دن کا بحری سفر کر کے ابلینہ[4] پہنچتے ہیں، یہاں بھی ہاتھی پائے جاتے ہیں۔

---

[1] جہاں تک ہمیں معلوم ہے ابن خرداذبہ عربی کا پہلا مصنف ہے جس نے ہندوستان کے مغربی اور مشرقی ساحل کے شہروں کا اپنی کتاب المسالک والممالک میں ذکر کیا ہے، بعد کے لکھنے والوں نے ابن خرداذبہ کی محض نقالی کی ہے اور بغیر تحقیق اور کھوج کے اس کے ذکر کردہ مقامات نقل کر دیے ہیں۔ ابن خرداذبہ نے مغربی ساحل کے چار بندرگاہوں کے نام لئے ہیں ان میں دو (سندان اور کولم) کا یقینی طور پر اور دو (داوبحین اور کولی) کا نیم یقینی تشخص ہوگیا ہے، مصنف نے جنوبی اور مشرقی ساحل کے دس شہروں کے نام لئے ہیں جہاں سے تجارتی جہاز گزرتے تھے لیکن ان میں سے نصف کے سوا کسی شہر کا محققوں کی کوشش کے باوجود صحیح تشخص نہیں ہوسکا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان کے اصل نام عربی میں مسخ ہوگئے ہیں اور دوسرے ان کے باہمی فاصلوں کی صحیح حد بندی نہیں کی گئی ہے، ابن خرداذبہ نے ان مقامات کا خود سفر نہیں کیا تھا بلکہ مسافروں سے دریافت کر کے نام اور فاصلے دیئے تھے، مسافروں کے پاس فاصلوں کا کوئی تحقیقی ریکارڈ نہیں تھا بلکہ وہ یادداشت اور اندازہ پر مبنی تھے، محققوں کو دقت خاص طور سے مبینہ فاصلوں سے پیدا ہوتی ہے، متعدد شہروں کا تعین کسی حد تک اطمینان بخش ہوگیا ہے لیکن ان کے باہمی فاصلے ابن خرداذبہ نے اتنے کم دیئے ہیں کہ وہ معین کردہ مقامات پر پورے نہیں اترتے، اس لئے ہماری رائے ہے کہ فاصلوں کی تحدید و تقدیر میں رپورٹروں سے یقیناً سہو ہوا ہے۔

[2] آسام۔

[3] مانٹار سکی ص۱۴۱۔

[4] بظاہر گنگا کے دہانہ کا کوئی بندرگاہ معلوم ہوتا ہے۔

بحر ہند اور اس کے جزیرے

سلیمان تاجر[1]:

.... تیسرا سمندر (خلیج) بنگال (ہرکند) ہے، اس کے اور مشرقی بحر عرب (دلاروی[2]) کے درمیان بہت سے جزیرے[3] ہیں، باخبر لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار نو سو ہے اور یہ خلیج بنگال اور بحر عرب کے درمیان حد فاصل[4] ہیں۔ ان جزیروں پر ایک رانی کا راج ہے، جزیروں کے کنارے بڑی مقدار میں عمدہ قسم کا عنبر سمندر سے آکر جمع ہو جاتا ہے، عنبر پودا یا اس سے ملتی جلتی مخلوق ہے، عنبر کا پودا سمندر کی تہ میں اگتا ہے، جب سمندر میں طغیانی بڑھتی ہے تو وہ ان عنبری پودوں کو تہ سے اکھاڑ کر سانپ کی چھتری کی شکل میں سطح کی طرف پھینک دیتا ہے، رانی والے ان جزیروں میں ناریل کی بہتات ہے، جزیروں کا باہمی فاصلہ سات میل (دو فرسخ) دس میل (تین فرسخ) اور تیرہ چودہ میل (چار فرسخ) ہے، سارے جزیرے آباد ہیں اور ان سب میں ناریل پیدا ہوتا ہے، خرید و فروخت کوڑیوں کے ذریعہ ہوتی ہے، رانی اپنے خزانہ میں کوڑیاں جمع کر لیتی ہے، زندہ کوڑیاں پانی کی سطح پر آجاتی ہیں، ناریل کی ٹہنی پانی میں ڈال دی جاتی ہے اور کوڑیاں اس پر چمٹ جاتی ہیں، مقامی باشندے کوڑی کو کوریخ (کبج) کہتے ہیں۔

باخبر لوگ بتلاتے ہیں کہ ان جزیروں کے باشندے بے مثال کاریگر اور دستکار ہیں، ان کی مہارت کا یہ حال ہے کہ وہ پوری قمیص مع آستینوں، کلیوں اور گریبان کے بُن کر تیار کر لیتے ہیں، کشتیاں اور مکان بنا لیتے ہیں بلکہ اپنے سارے ہی کام سلیقہ اور مہارت سے انجام دیتے ہیں، ان جزیروں

---

[1] سلسلۃ التواریخ ۱/۲۲۰۵ -

[2] متن میں ہوال سے قلمبند ہوا ہے، عرب مغربی ساحل ہند کے شمالی و وسطی علاقوں سے متصل بحر عرب کو لاروی (بالوائی) سے یاد کرتے ہیں، پرانے زمانہ میں کاٹھیاواڑ سے موجودہ مہاراشٹر تک کی سرزمین لار دیش کہلاتی تھی، اس کے بالمقابل مشرقی بحر عرب کو عرب لاروی کہتے تھے۔

[3] ان جزیروں کو لکادیپ اور مالدیپ جزیرے مراد ہیں جنہیں عرب دیبجات کہتے ہیں۔

[4] متن میں [illegible] کی صحیح شکل فرز یا الفرار والزاى ہے جیسا کہ مروج الذہب میں قلمبند ہوا ہے۔

کو دِبیجات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ابن رستہ[1]:

سمندر سے باخبر لوگوں نے بحرِ ہند اور بحرِ فارس کی حد بندی کر دی ہے، ان کی رائے ہے کہ بحرِ فارس کی حد مغرب میں خلیج بصرہ سے شروع ہو کر مشرق میں جزیرہ تیز مکران تک وسیع ہے، تیز سے سندھی قلمرو کا آغاز ہوتا ہے۔

بحرِ ہند (بحر عرب) کی مشرقی (شمالی) حد تیز مکران سے شروع ہو کر (مشرق میں) چین تک چلی جاتی ہے اور (جنوب) مغرب میں خلیج عدن سے شروع ہو کر (مشرق میں) جاوا (رانج) تک وسیع ہے۔

سمندری حالات سے باخبر علماء کی رائے ہے کہ حقیقت میں بحرِ ہند اور بحرِ فارس ایک ہی سمندر کے دو حصے ہیں لیکن ان کا مزاج اور حال ایک دوسرے سے مختلف ہے، وہ اس طرح کہ بحرِ فارس میں جب تلاطم کے باعث جہاز رانی دشوار ہو جاتی ہے، اس وقت بحرِ ہند میں سکون ہوتا ہے اور جہازی سفر آسان اور پُر عافیت ہوتا ہے اور جب بحرِ ہند میں طغیانی ہوتی ہے اور سمندر پر سیاہ بادل اُمنڈ آتے ہیں جس کے سبب جہاز رانی دشوار ہو جاتی ہے، اس وقت بحرِ فارس نسبتہً پُر سکون ہوتا ہے، بحرِ فارس میں ہیجان اور جہاز رانی کی مشکلات کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب سورج برج سُنبلہ (آخر گرما) میں داخل ہوتا ہے اور استوائے خریفی (وسط ستمبر) کا وقت قریب آتا ہے، اس زمانہ میں برابر طغیانی بڑھتی رہتی ہے، سمندر میں اونچی اونچی موجیں تیزی اور تندی کے ساتھ اٹھتی ہیں اور جہاز رانی مشکل ہو جاتی ہے، یہ حالت اس وقت تک جاری رہتی ہے جب سورج برج حُوت (آخر سرما) میں داخل ہوتا ہے۔ بحرِ فارس میں سب سے زیادہ تلاطم خریف کے آخری ایام (دسمبر، اکتوبر) میں ہوتا ہے جب سورج برج قوس (آخر خریف) میں ہوتا ہے، (ماہ مارچ میں) جب استوائے ربیعی کا وقت قریب آتا ہے تو بحرِ فارس کا ہیجان کم ہو جاتا ہے اور جہاز رانی آسان ہو جاتی ہے، یہ کیفیت

---

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۸۶، ۸۷، ۸۹۔

اس وقت تک رہتی ہے جب سورج برج سنبلہ (آخر گرما) میں داخل ہوتا ہے، سب سے زیادہ بحری سکون اور جہازرانی کے لئے مساعد وقت موسم بہار کا آخر (اپریل) ہے جب سورج برج جوزا (آخر موسم بہار) میں ہوتا ہے۔

بحر ہند کا حال یہ ہے کہ جب سورج برج سنبلہ (آخر گرما) میں آتا ہے تو سمندر کی تاریکی اور طغیانی کم ہو جاتی ہے اور جہازوں کی آمد و رفت آسان ہو جاتی ہے، یہ حالت اس وقت تک رہتی ہے جب سورج برج حوت (آخر سرما) میں ہوتا ہے لیکن اس سمندر میں جہازرانی کے لئے سب سے زیادہ پرسہولت وہ زمانہ ہے جب سورج برج قوس (آخر خریف) میں ہوتا ہے۔

دونوں سمندروں میں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ بحر فارس میں سال کے ہر حصہ میں جہازوں کی آمد و رفت رہتی ہے لیکن بحر ہند میں موجوں کے بڑھے ہوئے تلاطم، تاریکی اور بارانی طوفانوں کے زمانہ میں جہازرانی بند ہو جاتی ہے۔

ہندوؤں کا خیال ہے کہ بصرہ سے چین تک سات سمندر ہیں اور ہر سمندر کے حدود اور علامتیں الگ الگ ہیں، ان کی رائے میں ان سات سمندروں میں سے ہر ایک کی ہوا، اس کے پانی کا رنگ اور مزہ مختلف ہوتا ہے اور ہر ایک میں ایک دوسرے سے مختلف جانور پائے جاتے ہیں اور ان سمندروں میں سے بعض کا مد و جزر واضح اور نمایاں ہوتا ہے اور بعض کا ہلکا اور دبا ہوا۔

مسعودی[1]:

تیسرے سمندر یعنی خلیج بنگال (ہرکند) اور دوسرے سمندر یعنی مشرقی بحر عرب (لاروی) کے درمیان جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، بہت سے جزیرے ہیں جو ان سمندروں کے مابین حد فاصل کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی تعداد دو ہزار اور صحیح تر قول کے بموجب انیس سو ہے اور یہ سارے کے سارے آباد ہیں، ان جزیروں پر ایک رانی حکمران ہے، قدیم زمانہ سے یہاں کا دستور رہا ہے کہ مرد کی بجائے عورت حکومت کرتی ہے۔ (جنوبی عرب اور مشرقی افریقہ کے ساحل کے علاوہ) ان جزیروں میں بھی

---

[1] مروج الذہب ۲۱۶/۱ - ۲۱۸ -

عنبر پایا جاتا ہے جسے سمندر اپنی تہ سے نکال کر سطح پر پھینک دیتا ہے اور ان جزیروں کے سمندر میں تو عنبر چٹانوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں کی شکل میں پایا جاتا ہے، مجھ سے سیراف، عُمان اور دوسرے بحری مرکزوں کے ایک سے زیادہ سیرافی اور عُمانی کپتانوں اور تاجروں نے جو ان جزیروں میں آتے جاتے رہتے تھے، بیان کیا کہ عنبر مشرقی بحر عرب (لاروی) کی تہ میں پیدا ہوتا ہے اور شکل وصورت میں سانپ کی کالی سفید چھتری (فطر) سے مشابہ ہوتا ہے۔ جب سمندر میں طغیانی بڑھتی ہے تو وہ اپنی تہ سے چٹانیں اور پتھر اور عنبر سطح پر لا پھینکتا ہے۔ ان جزیروں کے لوگ اتحاد اور اتفاق سے رہتے ہیں، ان کی تعداد شمار سے باہر ہے، اسی طرح ان کی رانی کا لشکر بھی۔ (جزائر دیبجات) ایک دوسرے سے تقریباً میل، سوا تین میل، چھ سات اور نو دس میل کے فاصلہ پر واقع ہیں، یہاں ناریل ہوتا ہے کھجور نہیں ہوتی.....

اس سمندر کے جزائر میں ہر قسم کی دستکاری نیز کپڑے اور آلات وغیرہ کی صنعتوں میں یہاں کے باشندوں سے زیادہ ماہر کاریگر نہیں پائے جاتے۔ کوڑیاں رانی کے خزانہ کی دولت ہیں، کوڑی ایک قسم کی جاندار مخلوق ہے، جب رانی کا خزانہ کم ہو جاتا ہے تو وہ ناریل کی شاخیں مع پتوں کے کاٹ کر سمندر میں ڈالنے کا حکم دیتی ہے، شاخوں پر اس جاندار مخلوق کے دَل لپٹ جاتے ہیں، شاخیں جمع کر لی جاتی ہیں اور انھیں ساحل کے ریت پر ڈال دیا جاتا ہے، دھوپ کی گرمی سے کوڑی کے اندر کی جاندار مخلوق جل جاتی ہے اور کوڑی اندر سے خالی ہو جاتی ہے، اب اسے رانی کے خزانوں میں بھر دیا جاتا ہے، یہ سارے جزیرے دیبجات کہلاتے ہیں۔[1]

ادریسی:

نقشہ میں دکھائے ہوئے جزیروں میں سے جزائر دیبجات ہیں جن کا ہم اس فصل میں ذکر کریں گے یہ ایک دوسرے سے قریب واقع ہیں اور ان کی تعداد شمار سے باہر ہے، ان میں سے اکثر غیر آباد ہیں اور ان میں سب سے بڑے جزیرہ کا نام الومہ (؟) ہے، یہ خوب آباد ہے اور اس کے آس پاس

---

[1] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۴۶-۴۷۔

کے جزیروں میں بھی انسانی بود و باش ہے جزیرہ مڈگاسکر (قمر) دیبجات سے متصل ہے۔[1]

ان سارے جزیروں کا ایک سردار ہے جو انھیں متحد رکھتا ہے، دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے متعلقہ جزائر کے رئیسوں کے ساتھ صلح و آشتی سے رہنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی رانی رعایا کے مقدموں کی سماعت کرتی ہے، ان سے ہمکلام ہوتی ہے اور پردہ نہیں کرتی، اس کا شوہر اس کے پاس موجود رہتا ہے لیکن اس کے کسی حکم یا فیصلہ میں مداخلت نہیں کرتا، دیبجات میں ہمیشہ عورتیں حکومت کرتی ہیں، یہاں کی یہ پرانی رسم ہے، رانی کا نام دمہرہ (؟) ہے، وہ زرد رنگ لباس پہنتی ہے، اس کا تاج سونے کا ہے جس میں مختلف قسم کے عمدہ یاقوت اور قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہیں، وہ سونے کے جوتے پہنتی ہے، اس کے سوا ان جزیروں میں کوئی جوتا نہیں پہنتا، اگر معلوم ہو جائے کہ کسی نے جوتا پہنا ہے تو اس کے پیر کاٹ دیے جاتے ہیں۔

رانی مذہبی تقریبوں اور تہواروں کے موقعوں پر سوار ہو کر محل سے نکلتی ہے، پورے شاہی ساز و سامان کے ساتھ جیسے ہاتھی، جھنڈے اور بگل، اس کے پیچھے کنیزیں ہاتھیوں پر سوار ہوتی ہیں، اس کا شوہر اور سارے وزیر ذرا دور عقب میں ہوتے ہیں۔ رانی جس کے خزانہ میں مقررہ مدوں سے وصول کیا ہوا روپیہ جمع ہوتا ہے، ان تقریبوں اور تہواروں کے موقع پر ملک کے ناداروں میں خود کھڑے ہو کر یہ روپیہ تقسیم کراتی ہے، لوگ اس کی گذرگاہ پر مختلف قسم کے ریشمی پرچم لٹکاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا رانی کی لباس اور ہیئت شاندار ہوتی ہے، دیبجات کا جزیرہ انبریہ (؟) رانی اور اس کے راجہ کا پایۂ تخت ہے۔

دیبجات کے باشندوں کا سامانِ تجارت ذَبل ہے، ذَبل (کچھوے سے مشابہ) ایک سمندری جانور کی پیٹھ ہوتی ہے، یہ جانور ساحل پر انڈے دیتا ہے اور ساحلی ریت میں انڈے چھپا کر چلا جاتا ہے اور ایک مقررہ وقت تک غائب رہتا ہے، پھر الہام خداوندی سے اس دن آتا ہے جب انڈے پھٹتے ہیں، مرغی اور پرندوں کے برخلاف اس کے انڈوں پر چھلکا نہیں ہوتا، وہ انڈے کی زردی کے ہمرنگ ہوتے ہیں، انڈوں کے گاہک اس جانور کا پیچھا کرتے ہیں، اس کی اور کچھوے کی بناوٹ

---

[1] حق یہ ہے کہ دونوں کے درمیان سیکڑوں میل لمبا سمندر حائل ہے۔

ایک سی ہوتی ہے، اس کا گوشت خوش ذائقہ ہوتا ہے، میں نے سرزمین عیذاب[1] میں کئی بار اس کا گوشت کھایا ہے، انڈے بھی کھاتے ہیں، بحر قلزم کے ساحل پر اس کا شکار کیا جاتا ہے اور بجہ[2] قوم کے لوگ اس کی پشت کے کڑے اور انگوٹھیاں بنا کر اپنی عورتوں کو پہناتے ہیں اور اس پر اظہار فخر کرتے ہیں۔ میں نے عیذاب میں اس کے انڈے ناپ سے بکتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ذبل ہڈی کچھوؤں کے جسم پر بھی ہوتی ہے اور اس کے سات قطعے ہوتے ہیں، کچھوؤں پر اس سے زیادہ تعداد میں نہیں ہوتے، چار قطعوں کا وزن دو سو ساٹھ درہم والے پونڈ (من[3]) کے برابر ہوتا ہے، دو بھاری قطعے زیادہ سے زیادہ ایک پونڈ (من) وزن کے ہوتے ہیں، ذبل سے جو موٹا ہوتا ہے زیورات اور کنگھیاں بنائی جاتی ہیں، اس میں بہت سے رنگوں کی جھلکیاں ہوتی ہیں اور سطح صاف اور چکنی ہوتی ہے۔

دیبجات کی عورتیں ننگے سر رہتی ہیں، ان کے بال گندھے ہوتے ہیں، ایک عورت کے سر میں دس یا اس کے لگ بھگ کنگھیاں اُڑسی ہوتی ہیں، یہ کنگھیاں ان کا زیور ہیں اور ان جزیروں کی ساری عورتیں اسی ہیئت سے باہر نکلتی ہیں، باشندے پارسی مذہب ہیں، ان کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔

یہ جزیرے آباد ہیں، یہاں ناریل اور گنے کی کاشت ہوتی ہے، لین دین اور تجارت کا ذریعہ کوڑی ہے، ایک جزیرہ سے دوسرے کا فاصلہ چھ میل یا اس کے لگ بھگ ہے، ان کا حاکم خزانہ میں کوڑیاں جمع کر لیتا ہے اور کوڑی ہی اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

دیبجات کے باشندے بڑے کاریگر ہوتے ہیں، مثلاً وہ مع آستینوں، کلیوں اور گریبان کے قمیص بُن لیتے ہیں، لکڑی کے چھوٹے چھوٹے تختوں سے کشتیاں بنا لیتے ہیں، عمدہ مکان اور ہر قسم کی انوکھی اور خوش سلیقہ عمارت سخت اور بھاری پتھروں سے تعمیر کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ لکڑی کے ایسے مکان بھی بنا لیتے ہیں جو پانی پر تیرتے ہیں اور کبھی بلند ہمتی اور شان دکھلانے کے لئے مکانوں میں عود کی خوشبودار

---

[1] بفتح العین، جدہ کے بالمقابل مغربی بحر قلزم پر جنوبی مصر کا ایک مشہور تجارتی بندرگاہ۔

[2] مشرقی سوڈان کی ایک قوم، بجہ کا صحیح املا بجاہ ہے بالفتح والھمزۃ فی الآخر۔

[3] من کا تشریحاً ظاہراً کی تصحیف ہے۔

(اور گران) لکڑی لگاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ کوڑیاں جنہیں حاکم جمع کر کے خزانہ میں بھر لیتا ہے پانی کی سطح پر نمودار ہوتی ہیں، لوگ ناریل کی ٹہنیاں پانی میں ڈال دیتے ہیں اور یہ کوڑیاں جو جاندار مخلوق ہیں اُن پر چمٹ جاتی ہیں، یہاں کوڑی کو کوبج (کنج) کہتے ہیں۔ دیبجات کے بعض جزیروں سے نارکول سے ملتا جلتا ایک سیال مادہ نکلتا ہے جو مچھلیوں کو جلا دیتا ہے اور ان کی لاشیں سطح سمندر پر تیرنے لگتی ہیں۔

لنکا (سرندیپ)

ابن خردادبہ[1]:

.... لنکا طول میں لگ بھگ دو سو ستر میل (اسّی فرسخ) اور عرض میں بھی اسی قدر ہے[2]، یہاں وہ پہاڑ ہے[3] جس پر آدم علیہ السلام آسمان سے اترے تھے، یہ اتنا اونچا ہے کہ بحری مسافروں کو کئی دن کی مسافت سے نظر آجاتا ہے۔ برہمنوں کی رائے ہے جو ہندوستان کے عبادت گذار طبقہ پر مشتمل ہیں کہ اس پہاڑ پر آدم[4] علیہ السلام کا نقش پا ایک پتھر پر دھنسا ہوا ہے اور اس کی لمبائی تقریباً ایک سو پانچ فٹ (ستر ذراع) ہے اور اس پہاڑ پر ہمیشہ بجلی کی طرح روشنی کوندتی رہتی ہے[5] نیز یہ کہ آدم نے دوسرا قدم سمندر میں رکھا تھا اور وہ سمندر میں دو یا تین دن کی مسافت کے بقدر تھا۔ اس پہاڑ پر اور اس کے آس پاس ہر رنگ کے یاقوت پائے جاتے ہیں اور ہر قسم کے دوسرے ملتے جلتے پتھر۔ پہاڑ کی وادی میں الماس اور پہاڑ کے اوپر صندل، سیاہ مرچ، عطر، مصالحے، مشکی چوہے اور زباد[6] بلی پائی جاتی ہے۔ لنکا میں ناریل

---

[1] المسالک والممالک ص۶۴۔ [2] صحیح لمبائی ۲۷۱ میل اور چوڑائی ۱۳۷ میل ہے۔ دیکھو کنگھم ص۳۰۹۔ [3] یعنی Adam's Peak۔ [4] برہمنوں کی رائے میں نقش پا آدم کا نہیں بلکہ شو کا تھا، بدھ مت کے پیرو اسے مہاتما بدھ کا نقش قدم بتاتے ہیں، عیسائی اپنی کسی مقدس ہستی کا۔ ڈاکٹر مقبول ص۱۰۸-۱۰۹۔ [5] یہ روشنی نہ تو آسمانی بجلی تھی، نہ کوئی معجزہ یا کرامات بلکہ جیسا کہ بیرونی نے تصریح کی ہے معمولی آگ تھی جو جہاز کی رہنمائی کے لئے پہاڑ کی چوٹی پر ہر وقت مشتعل رکھی جاتی تھی۔ ڈاکٹر مقبول ص۱۰۹۔ [6] اس کے جسم سے ایک خوشبودار مادہ نکالا جاتا تھا جس کی مہک مشک سے زیادہ دلکش ہوتی تھی، برہان قاطع و تاج العروس۔

بھی ہوتا ہے اور اس کی زمین سُنباذج نامی پتھر سے بنی ہے جس سے جواہرات صاف کئے جاتے ہیں، لنکا کے دریاؤں میں بلور ہوتا ہے اور گردوپیش کے سمندر سے موتی نکالے جاتے ہیں۔

سلیمان[1] تاجر:

دیبجات کے آخر میں (بسمت مشرق) لنکا کا جزیرہ ہے، جو خلیج بنگال (ہرکند) میں واقع ہے، یہ دیبجات کے سارے جزیروں سے بڑا ہے۔ لنکا کے سمندر سے موتی نکالے جاتے ہیں، (جنوب مغربی) لنکا میں ایک پہاڑ ہے جسے رُہون کہتے ہیں، اس پر آسمان سے آدم علیہ السلام اُترے تھے اور اس پہاڑ کی چوٹی پر ان کا نقش پا پتھر میں دھنسا ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے دوسرا پیر سمندر میں رکھا تھا، ان کے اس قدم کی لمبائی جس کا نشان پہاڑ پر ہے لگ بھگ ایک سو پانچ فٹ (ستر ذراع) ہے، اس پہاڑ کے گرد لال، پیلے اور آسمانی جواہرات اور یاقوت کی کانیں ہیں، لنکا میں دو راجہ حکومت کرتے ہیں، یہ ایک لمبا چوڑا جزیرہ ہے، یہاں صندل، سونا اور جواہرات پائے جاتے ہیں، اس کے سمندر میں موتی اور سنکھ (شنک) ہوتے ہیں، سنکھ ایک طرح کا بگل ہوتا ہے جسے پھونکنے سے آواز نکلتی ہے۔

ابوزید[2] سیرافی:

لال، پیلے اور نیلے قیمتی پتھر لنکا کے ایک پہاڑ سے نکلتے ہیں، یہ پتھر زیادہ تر مد کے ایام میں حاصل ہوتے ہیں، مد کا پانی پہاڑ کے غاروں، گڑھوں اور آبی راستوں سے ان کو باہر نکال لاتا ہے، ان جگہوں پر سرکاری پہرہ لگا رہتا ہے، کبھی جواہرات یہاں کی کانوں سے بھی نکالے جاتے ہیں، یہ پتھروں کے اندر چھپے ہوتے ہیں، پتھر کو توڑ کر جوہر الگ کر لیا جاتا ہے۔ لنکا کا راجہ دین و شریعت کا پابند ہے، اس کے دربار سے مذہبی عالم وابستہ ہیں، ان کے حلقے اور جلسے ہوتے ہیں جس طرح ہمارے محدثوں کے تعلیمی حلقے ہوتے ہیں، ان حلقوں میں ہندو شرکت کرتے ہیں اور مذہبی عالموں سے اپنے اوتاروں کے حالاتِ زندگی اور مذہبی قاعدے، ضابطے دریافت کر کے قلمبند کرتے ہیں۔ یہاں خالص سونے کی ایک بڑی مورتی ہے جس کا وزن جہاز ران لوگ بہت زیادہ بتاتے ہیں، اور ایسے عبادت خانے (ہیکل) بھی ہیں

---

[1] سلسلۃ التواریخ ۱/۵-۷۔ [2] ایضاً ۲/۱۲۲-۱۲۵۔

جن پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی گئی ہیں، یہاں بہت سے یہودی اور دوسرے مذاہب کے لوگ آباد ہیں جن میں پارسی بھی داخل ہیں۔ راجہ کی طرف سے ہر مذہبی اقلیت کو اپنے مسلک پر چلنے کی آزادی ہے۔

ابن الفقیہ ہمدانی[1]:

خلیج بنگال (ہرکند) میں لنکا کا جزیرہ واقع ہے، یہاں وہ پہاڑ ہے جس پر آدم اتارے گئے تھے، پہاڑ پر ان کے پیر کا نشان موجود ہے، یہ پہاڑ لمبا اور بڑا ہے اور اس میں مختلف قسم کے مصالحے اور خوشبودار پودے اور مشکی چوبے پائے جاتے ہیں۔ (اس سے متصل) سمندر میں موتیوں کے ذخیرے ہیں، اس جزیرہ میں تین راجہ راج کرتے ہیں، جب سب سے بڑا راجہ مرتا ہے تو اس کے چار ٹکڑے کئے جاتے ہیں اور انہیں آگ میں جلا دیا جاتا ہے، اس کے فدائیوں کی جماعت اس کے پیچھے پیچھے آگ میں کود کر جل مرتی ہے۔

ابن رستہ[2]:

بحر ہند میں آباد اور غیر آباد جزیروں کی تعداد تیرہ سو ستر ہے، ان میں سے ایک بڑا جزیرہ ہندوستان کے (جنوب مشرقی) سرے کے بالمقابل طبروبانی[3] (لنکا) ہے، اس کا دور تین ہزار میل[4] ہے۔ یہاں بڑے بڑے پہاڑ اور بہت سے دریا ہیں اور ان سے لال و آسمانی یاقوت نکلتے ہیں، اس جزیرہ کے آس پاس انیس آباد جزیرے ہیں جن میں شہر اور دیہات پائے جاتے ہیں۔

بزرگ بن شہریار[5]:

ان جزیروں میں جن کے حالات بیان کئے گئے ہیں اور جن کی نظیر نہیں ملتی لنکا کا جزیرہ ہے،

---

[1] مختصر کتاب البلدان ص۱۰۔ [2] الاعلاق النفیسہ ص۸۴۔

[3] طبروبانی سنسکرت کے تمراپی یا تمراپانی کی تعریب ہے۔ تمراپی کے معنی ہیں لال پتے والا، تمراپانی بڑے تالاب کو کہتے ہیں۔ دیکھو کننگھم ص۲۳۳۔

[4] یہ رائے حقیقت سے بہت دور ہے، لنکا کا دور صرف چھ سو پچاس میل ہے یعنی ابن رستہ کے دور سے تقریباً ۴/۵ حصہ کم۔ دیکھو کننگھم ص۲۳۔

[5] عجائب الہند ص۱۷۹ تا ۱۸۰۔

کانام سَیلان (سہیلانؔ[1]) بھی ہے، اس کی لمبائی تقریباً تین سو تیس میل (سو فرسخ) ہے اور دور تقریباً ایک ہزار میل (تین سو فرسخ) ہے، یہاں کے سمندر سے صاف چھوٹے موتی نکالے جاتے ہیں، یہاں کا بڑا موتی اچھا نہیں ہوتا، لنکا کا پہاڑ دشوار گذار ہے، اس میں یاقوت اور الماس پایا جاتا ہے، مشہور ہے کہ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر آدم علیہ السلام اترے تھے اور اس پر ان کے قدم کا نشان ہے، قدم کی لمبائی تقریباً ایک سو پانچ فٹ (ستر ذراع) ہے، لنکا کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ آدم کا نقش پا ہے، انہوں نے ایک قدم پہاڑ پر رکھا تھا اور دوسرا سمندر میں۔ لنکا میں سُنباذج نامی لال مٹی ہوتی ہے جس سے بلور اور شیشہ تراشا جاتا ہے، یہاں کی (بعض) درختوں کی چھال سے اعلیٰ قسم کا قرفہ (دارچینی) حاصل ہوتا ہے جو قرفہ سَیلانیہ (سہیلانیہ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس جزیرہ کی گھانس لال ہوتی ہے جس سے کپڑا اور سوت رنگا جاتا ہے، اس گھانس کا رنگ بَقَّمؔ[2]، زعفرانؔ[3]، عُصفر بلکہ ہر قسم کے لال رنگ سے اچھا ہوتا ہے۔ لنکا میں اور بھی انوکھی اور حیرت انگیز جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں، یہاں کے دیہاتوں کی تعداد لگ بھگ ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔[4]

ادریسیؔ:

خلیج بنگال (ہرکند) کے مشہور جزیروں میں لنکا کا بڑا جزیرہ ہے جس کا دور دور چرچا ہے، اس کی لمبائی تقریباً دو سو ستر میل (اسّی فرسخ) ہے، یہاں وہ پہاڑ ہے جس پر آدم علیہ السلام آسمان سے اترے تھے، یہ بہت اونچا پہاڑ ہے جو کئی دن کی مسافت سے سمندر کے مسافروں کو نظر آجاتا ہے، اس کا نام

---

[1] عربی تحریروں میں لنکا کے لئے زیادہ تر سرندیب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن بعض کتابوں میں سَیلان بالتحریک بھی قلمبند ہوا ہے، یہی سیلان انگریزی میں سیلون ہوگیا ہے، سَیلان شاید سنہالا کی بگڑی ہوئی شکل ہے، پالی زبان میں لنکا کا نام سنہالا دیپ ہے، متن کا سہیلان بظاہر سیلان کی تصحیف معلوم ہوتی ہے۔ [2] ایک درخت جس کی لال لکڑی سے کپڑے رنگے جاتے تھے۔

[3] زعفران اور عصفر دونوں پیلے رنگ ہیں اس لئے لال رنگ والی گھانس کا ان سے مقابلہ بے معنی معلوم ہوتا ہے۔

[4] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۸م۔ ۹م۔

رھون ہے، برہمنوں کی جو ہندوستان کے عبادت گذار لوگ ہیں، رائے ہے کہ اس پہاڑ کے ایک پتھر پر آدمؑ کے پیر کا نشان دھنسا ہوا ہے، قدم کی لمبائی تقریباً ایک سو پانچ فٹ (ستر ذراع) ہے، قدم کے نشان پر ہمیشہ بجلی کی طرح روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے، آدم کا دوسرا قدم پہاڑ سے دو یا تین دن کی مسافت کے بقدر سمندر میں پڑا تھا۔ اس پہاڑ پر اور اس کے آس پاس ہر قسم کے یاقوت اور مختلف اقسام کے پتھر اور دوسری اشیا پائی جاتی ہیں، پہاڑ کی وادی میں وہ الماس بھی ملتا ہے جس سے ان جواہرات کو رگڑا جاتا ہے جو انگوٹھیوں میں لگائے جاتے ہیں، پہاڑ پر مختلف قسم کی خوشبودار اشیا بھی ہوتی ہیں جیسے مصالحے، صندل، مشکی چوہا اور زبادؔ بلی، ان کے علاوہ لنکا میں چاول، ناریل اور گنا ہوتا ہے، لنکا کے دریاؤں میں عمدہ بڑے سائز کا بلور پایا جاتا ہے، لنکا کے سارے ساحلی سمندر میں عمدہ قیمتی موتی نکالے جاتے ہیںؔ۔ لنکا میں یہ مشہور بڑے شہر ہیں:

اغنا (پایہ تخت) مرقایا، برسقوری، ماطری، طلاوی، قلاقی، اسدونا، سری، کنبلی، برسلی، مرَدنہ لنکا

ؔ بفتح الزاء دیکھو فٹ نوٹ ؔ صفحہ ۲۰۳۔

ؔ گیارھویں صدی کے ربع ثانی میں بیرونی نے لکھا ہے (کتاب الہند ص۱۰۳) کہ لنکا کے سمندر میں موتیوں کے ذخیرے ختم ہونے کے باعث ہمارے زمانہ میں اب موتی نکالنے کا کام موقوف ہوگیا ہے۔ ادریسی کے بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے زمانہ یعنی بارھویں صدی کے ربع ثالث میں بھی لنکا کے سمندر سے موتی نکالے جاتے تھے کیونکہ اس کی معلومات تمام تر نویں اور دسویں صدی کی عربی تحریروں سے مستعار ہیں۔

ؔ لنکا سے متعلق ادریسی کے ذکر کردہ بیشتر اسمائے اماکن بطلیموس کے جغرافیہ سے ماخوذ ہیں، ان میں سے متعدد کی مغربی محققوں نے نشاندہی کی ہے اور متعدد ابھی تک عقدۂ لاینحل بنے ہوئے ہیں، بطلیموس نے اپنی کتاب دوسری صدی عیسوی میں لکھی اس لئے غالب قرینہ ہے کہ اس کے عہد سے مقامات ادریسی کے عہد تک یعنی ایک ہزار سال کے تاریخی انقلابات میں لنکا کے نقشہ سے محو ہوگئے ہوں، ذیل میں ہم ان اماکن کا ذکر کرتے ہیں جن کی صحیح شکل مغربی محققوں نے دریافت کر لی ہو یا جن کی جائے وقوع کی نشاندہی کر دی ہے: (باقی اگلے صفحہ پر)

کا راجہ اغنا میں رہتا ہے جہاں اس کا محل اور پایۂ تخت ہے۔ یہ ایک منصف، بڑا باتدبیر، مستعد اور چوکنا حاکم ہے، رعایا کے معاملات سے دلچسپی لیتا ہے، ان کا حامی اور محافظ ہے، اس کے سولہ وزیر ہیں، چار اس کے ہم مذہب، چار عیسائی، چار مسلمان اور چار یہودی، راجہ نے ایک مخصوص جگہ مقرر کر دی ہے جہاں مختلف ملتوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے مذہبوں کے بارے میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں، ہر عالم اپنے دعویٰ اور مذہب کے حق میں دلیلیں پیش کرتا ہے، راجہ کی طرف سے اس کو ایسا کرنے کی پوری اجازت ہوتی ہے، وہ اس کی دلیلیں اور بیان قلمبند کرا لیتا ہے، ہر مذہب یعنی ہندو، عیسائی، مسلمان اور یہودی عالموں کے پاس کافی تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کے رسولوں کی سیرت اور ان کے بادشاہوں کے حالات دریافت کر کے قلمبند کرتے ہیں، ہر ملت کے عالم اپنے ہم مذہبوں کو اپنے مذہب کے قاعدے ضابطے لکھاتے ہیں اور ان کو ایسی باتیں بتلاتے ہیں جن سے وہ واقف نہیں ہوتے۔

راجہ کے مندر میں ایک سونے کی مورتی ہے، اس میں اتنے موتی اور مختلف قسم کے جواہرات اور یاقوت مرصع ہیں کہ ان کی قیمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، راجہ کے پاس جتنے بڑھیا قسم کے جواہرات، موتی اور شاندار یاقوت اور قیمتی پتھر ہیں اتنے ہندوستان کے کسی راجہ کے پاس نہیں کیوں کہ ان میں سے بیشتر خود اس کے جزیرہ (لنکا) کے پہاڑوں، وادیوں اور سمندر ہی میں پائے جاتے ہیں۔ لنکا میں چین اور پڑوسی راجاؤں کے جہاز آتے ہیں، لنکا کے راجہ کے پاس عراق اور فارس سے شراب

بقیہ صفحہ گذشتہ: اغنا: Iogana (بطلیموس) اَرِیوپو Anuradhapura کی تصحیف ہے جو لنکا کے شمال مغرب ساحل پر واقع تھا۔

مرقایا: مرغنا (بطلیموس)۔ منتوٹ کی تصحیف جو لنکا کے شمال مغربی ساحل کا شہر تھا۔

برسقوری: پردکوری (بطلیموس) جائے وقوع مشرقی کنارہ کا موجودہ Batticaloa۔

ثلمانی: تلکوری (بطلیموس)۔ جائے وقوع شمال مغربی کنارہ کا ٹرنڈی منار اور بقول بعض شمال مشرقی کنارہ کا Challa۔

سندونا: سندوکندا (بطلیموس) جائے وقوع۔ وسطی مغربی ساحل کا شہر Chilaw ہے۔

مرونہ: جائے وقوع جنوب مشرقی ساحل کا پتوولا Patuwila ڈاکٹر مقبول ص ۱۲۲-۱۲۶۔

لائی جاتی ہے، راجہ اپنے پیسہ سے شراب خریدتا ہے، اپنے ملک میں فروخت کراتا ہے اور خود بھی پیتا ہے لیکن اس کی طرف سے زنا کی ممانعت ہے۔

لنکا سے ریشمی کپڑا، فیروزی رنگ کا یاقوت، بلور، الماس، سُنباذج اور طرح طرح کے عطر برآمد کیے جاتے ہیں۔ لنکا اور ہندوستان کی قریب ترین سرزمین کے درمیان آدھے دن کی مسافت ہے (بحری سفر)۔ لنکا سے جزیرہ بلین[1] (بلیق؟) تک جو ساحل سے متصل ہے ایک دن کی بحری مسافت ہے، لنکا کے بالمقابل ہندوستانی سرزمین میں کھاڑیاں ہیں جن میں (جنوبی ہندوستان کے متعدد چھوٹے) دریا گرتے ہیں اور جنہیں اعباب سرندیپ کہا جاتا ہے، ان کھاڑیوں میں کشتیاں داخل ہوتی ہیں اور ایک یا دو ماہ تک ان کے مسافر ساحلی کنجوں، باغوں اور معتدل ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے گذرتی ہیں۔ اعباب کے علاقہ میں ایک بکری چار آنے (نصف درہم) میں مل جاتی ہے اور اتنے ہی میں شہد کا شربت جس میں ہری الائچی کے دانے ہوتے ہیں اور جو ایک پوری پارٹی کے لیے کافی ہوتا ہے۔

لنکا کے باشندے شطرنج، چوسر اور مختلف قسم کا جوا کھیلتے ہیں، باشندے اُن چھوٹے جزیروں میں ناریل کے درخت لگانے سے بھی دلچسپی لیتے ہیں، وہ ان درختوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ثواب کی خاطر آنے جانیوالے مسافروں کو مفت ناریل کھانے کی اجازت دیتے ہیں۔

عمّان اور بربا طہ[2] (مربیاط) کے لوگ کبھی ناریل والے ان جزیروں کا سفر کرتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں ناریل کی لکڑی کاٹتے ہیں اور ناریل کے ریشوں سے رسیاں بنا کر کاٹی ہوئی لکڑی کو باندھتے ہیں، لکڑی سے کشتیاں بھی بنالیتے ہیں اور ناریل کے تنوں سے کشتیوں کے مستول بھی تیار کرلیتے ہیں، ناریل کے پتوں سے بھی رسیاں بنالیتے ہیں، پھر وہ ان کشتیوں پر ناریل کی لکڑی لاد کر اپنے وطن کا رخ کرتے ہیں اور وہاں لکڑی بیچ ڈالتے ہیں اور اپنے کاموں میں لاتے ہیں۔

---

[1] رامیشورم کے قریب۔

[2] متن کا مربیا غلط ہے، مربا ط اعراب کے وزن پر حضر موت یمن کا ایک ساحلی شہر تھا اور آج بھی موجود ہے، تاج العروس بسیط۔

یاقوت[1]:

ہندوستان کے آخری سرے (کے قریب) خلیج بنگال (زہر کند) میں یہ بڑا جزیرہ واقع ہے لمبائی میں تقریباً دو سو ستر میل (اسی فرسخ) اور عرض میں بھی اسی قدر، یہ جزیرہ خلیج بنگال (زہر کند) اور بحر انغباب میں ابھرا ہوا ہے، یہاں رہون نامی پہاڑ ہے جس پر آدم علیہ السلام (آسمان سے) اترے تھے، یہ خوب اونچا پہاڑ ہے، سمندری مسافر اس کو دنوں کی مسافت سے دیکھ لیتے ہیں، اس پر آدم علیہ السلام کا نقش پا ہے، یہ پتھر میں دھنسا ہوا ہے اور اس کی لمبائی تقریباً ایک سو پانچ فٹ (ستر ذراع) ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ آدمؑ نے دوسرا قدم سمندر میں رکھا تھا اور یہ پہاڑ سے چوبیس گھنٹہ کی مسافت کے بقدر دور تھا، اس پہاڑ پر ہر رات بغیر بادل کے بجلی سی چمکتی نظر آتی ہے اور ہر دن لازمی طور پر بارش ہوتی ہے جس سے آدمؑ کا نقشِ پا دھلتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے لال رنگ کا یاقوت رہون پہاڑ پر پایا جاتا ہے، بارش اور باڑھ کا پانی یاقوت کو اس پہاڑ[2] کے دامن میں بہا لاتا ہے اور وہاں اسے جمع کر لیا جاتا ہے۔ اس پہاڑ پر الماس بھی ملتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لنکا سے صندل لکڑی برآمد کی جاتی ہے، یہاں ایک خوشبودار پودا ہوتا ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں پایا جاتا۔ لنکا میں تین راجہ ہیں، جن کی آپس میں نہیں بنتی، جب وہاں کا سب سے بڑا راجہ مرتا ہے تو اس کے جسم کے چار ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ہر ٹکڑا صندل اور عود سے بنے ہوئے صندوق میں رکھ کر آگ میں جلا دیا جاتا ہے۔ راجہ کی رانی بھی آگ میں کود کر اس کے ساتھ جل مرتی ہے۔

دمشقی[3]:

بحرِ ہند کے جنوب میں لنکا واقع ہے، اس کا دور بارہ سو[4] میل ہے، (جنوب مغرب میں) رہون نامی پہاڑ اس کو پھاڑتا ہوا چلا گیا ہے، یہ وہی پہاڑ ہے جس پر آدم علیہ السلام آتارے گئے تھے، پہاڑ سمندر میں جزیرہ بلجرام (؟) سے متصل ہے، اس کی بعض وادیوں میں یاقوت، الماس اور سنباذج

---

[1] معجم البلدان ۵/۶۔ [2] متن میں قل ہذہ الجبال ہے، ہم نے اس کو ہذا الجبل قرار دیکر ترجمہ کیا ہے کیونکہ پہلے صرف ایک ہی پہاڑ کا ذکر ہوا ہے۔ [3] نخبۃ الدہر ص ۱۶۰۔ [4] دیکھو فٹ نوٹ[9] ص ۲۰۵

پایا جاتا ہے، پہاڑی لمبائی دو سو ساٹھ میل ہے، لنکا کے سب سے بڑے شہر (اَغنا) میں مسلمان عیسائی یہودی، پارسی اور ہندو رہتے ہیں، یہ سب کسی ایک ملت کے تابع نہیں ہیں، ہر مذہبی اقلیت کا ایک حاکم ہوتا ہے، ایک مذہب والا کسی دوسرے مذہب کے ساتھ زیادتی یا بدسلوکی نہیں کرتا، تمام مذاہب کے لوگ مسلمان حاکم کی بات مانتے ہیں اور وہ ان سب کو متحد رکھتا ہے۔ لنکا سے متصل تقریبًا ستر میل کے بقدر میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا سمندر ہے جس میں (جنوبی ہندوستان کی) چار وادیوں (دریاؤں) کا پانی آتا ہے، ان وادیوں کو اَغباب کہتے ہیں۔ لنکا میں زرافہ پایا جاتا ہے جس کی ساخت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ گردن اونٹ کی سی، جلد چیتے اور بارہ سنگھے کی سی، سینگ ہرن کے سے، دانت گائے کے سے، سر اونٹ کا سا، پیٹھ مرغے کی سی۔ اس کی گردن اور ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، دونوں ملا کر پندرہ فٹ (دس ذراع) سے زیادہ، اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں اور ران میں جوڑ نہیں ہوتا، جوڑ دوسرے تمام چوپاؤں کی طرح بس اس کے ہاتھ کی ہڈی میں ہوتا ہے۔

جنوبی ہند کے اَغباب میں مرغوں سے قماربازی

ابوزید سیرافی[1]:

لنکا کے بالمقابل (جنوبی ہند کے ساحل پر) وسیع کھاڑیاں پائی جاتی ہیں جنہیں اَغباب کہتے ہیں یہ غُب وہ خوب لمبی چوڑی وادی کہلاتی ہے جس کا پانی سمندر میں گرتا ہے، ان کھاڑیوں میں جو غُبِ سرندیپ کے نام سے مشہور ہیں بہت سے سیاح اس کے کنجوں، باغوں اور معتدل موسم میں دو یا زیادہ ماہ تک سیاحت کرتے ہیں، اس وادی (کھاڑی) کے دہانہ پر مشہور سمندر ہرکند (خلیج بنگال) واقع ہے، یہ غُب ستھری اور نزہت بخش جگہ ہے، یہاں چار آنے (نصف درہم) میں بکری مل جاتی ہے اور اتنی ہی قیمت میں ناریل کے رس کا شربت جس میں درخت تاڑ کے خوشبودار ہرے بیج ہوتے ہیں اور جو پوری ایک ٹولی کے لئے کافی ہوتا ہے۔

---

[1] تکملۃ سلسلۃ التواریخ ۲/۱۲۳ - ۱۲۵ -

غب کے باشندوں کا خاص مشغلہ چوسر نیز مرغوں کے ذریعہ قمار بازی ہے، ان کے مرغے جسیم ہوتے ہیں اور بڑے بڑے کیس والے، باشندے چھوٹے چھوٹے تیز خنجر ان کے کیسوں میں باندھ دیتے ہیں اور پھر ان کو لڑنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ جوا سونے چاندی، اراضی (ناریل کے) پودوں اور دوسری اشیاء سے کھیلا جاتا ہے، غالب مرغا کافی سونا جیت لیتا ہے۔ باشندے چوسر کے ذریعہ بھی جوا کھیلتے ہیں جس میں ہمیشہ بڑے خطرے لگے رہتے ہیں، نادار لوگ جن کا رجحان غلط کاری اور خراجی کیطرف ہوتا ہے، بسا اوقات اپنی انگلیوں تک کی بازی لگا دیتے ہیں، جب وہ چوسر کھیلنے بیٹھتے ہیں تو ان کے پاس ایک برتن میں ناریل یا تل کا تیل رکھا ہوتا ہے، زیتون کا تیل یہاں بالکل معدوم ہے، برتن کے نیچے آگ جلتی رہتی ہے اور چوسر کھیلنے والوں کے درمیان ایک چھوٹی تیز کلہاڑی ہوتی ہے، جب دونوں میں سے کوئی ایک ہارتا ہے تو وہ اپنا ہاتھ پتھر پر رکھ دیتا ہے اور جیتنے والا کلہاڑی سے اس کی انگلیاں کاٹ کر الگ کر دیتا ہے، ہارنے والا کٹا ہاتھ جلتے ہوئے تیل میں ڈال کر داغ دیتا ہے، انگلیاں کھو کر بھی وہ باز نہیں آتا، پھر کھیلتا ہے اور بسا اوقات دونوں کھیلنے والوں کو اپنی انگلیوں سے محروم ہونا پڑتا ہے بعض لوگ ایک بتی لیتے ہیں اور اسے تیل میں بھگو کر اپنے کسی عضو پر رکھ لیتے ہیں اور اس میں آگ لگا دیتے ہیں، گوشت جلتا ہے اور اس کی چراند ہوا میں پھیلتی ہے لیکن وہ برابر کھیلے جاتا ہے اور کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کرتا۔

ابن خردادبہ[1]:

سماترا

لنکا کے بعد (خلیج بنگال پار کر کے) جزیرہ سماترا (رامی) آتا ہے، جہاں گینڈا پایا جاتا ہے، یہ ہاتھی سے چھوٹا اور بھینس سے بڑا ہوتا ہے۔ گھاس کھاتا ہے، گائے بکری کی طرح جگالی کرتا ہے، یہاں ایسی بھینسیں ہیں جن کے دُم نہیں ہوتی، بید (خیزران) پیدا ہوتا ہے اور بقم جس کی جڑ اگر گھس کر فوراً مارگزیدہ کے لگا دی جائے تو وہ اچھا ہو جاتا ہے، جہازرانوں نے اسے سانپ کاٹوں پر آزما کر دیکھا ہے۔

---

[1] المسالک والممالک ص ۶۵ - ۶۶ -

یہاں کے جنگلوں میں ایک قسم کے ننگے آدمی پائے جاتے ہیں جن کی بات سمجھ میں نہیں آتی، وہ سیٹی بجا کر اپنا مانی الضمیر ادا کرتے ہیں، ان کا قد چار بالشت کے بقدر ہوتا ہے، یہ انسان کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں، مرد اور عورت دونوں کی شرمگاہیں چھوٹی ہوتی ہیں، ان کے سر پہ لال رواں ہوتا ہے اور یہ صرف ہاتھ کے بل پیڑوں پر (اس پھرتی سے) چڑھ جاتے ہیں کہ ان کے پیر درخت کو نہیں چھوتے۔

(سماترا کے) سمندر[1] میں ایسے سفید فام آدمی پائے جاتے ہیں جو تیر کر جہازوں کو آ پکڑتے[2] ہیں جبکہ جہاز ہوا کی طرح سمندر میں رواں ہوتے ہیں، ان کے منہ میں عنبر ہوتا ہے جسے وہ لوہے کے بدلے بیچتے ہیں، یہاں ایک جزیرہ ہے جس کے باشندے کالے ہیں، ان کے بال گھنگرالے ہوتے ہیں اور وہ آدمی کے ٹکڑے کر کے کچا کھا جاتے ہیں، اس جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے جس کی مٹی آگ میں جل کر چاندی بن جاتی ہے۔

جاوا

جاوا (زابج) کے پہاڑوں میں اتنے بڑے بڑے اژدہے ہوتے ہیں کہ آدمی اور بھینس کو نگل جاتے ہیں اور بعض اژدھے ہاتھی تک کو چٹ کر لیتے ہیں، یہاں درخت کافور پایا جاتا ہے، وہ اتنا گھنا ہوتا ہے کہ کم و بیش سو آدمی اس کے سایہ میں بیٹھ سکتے ہیں، اس کے تنہ کے بالائی حصہ میں شگاف لگا دیا جاتا ہے جس سے کئی گھڑے کافور کا رس نکل آتا ہے، پھر اس شگاف سے ذرا نیچے بیچ تنے میں ایک دوسرا شگاف لگا دیا جاتا ہے، اس سے کافور کی ڈلیاں نکل پڑتی ہیں اور یہ درخت کا گوند ہوتی ہیں اور یہ کافور کے تنہ کے اندر سے خارج ہوتا ہے، اس کے بعد درخت میں کافور دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی اور وہ خشک ہو جاتا ہے، یہ جزیرہ بے شمار عجائب کا مظہر ہے۔

---

[1] نزہۃ المشتاق قلمی ۵/۱ سمندر کی جگہ ساحل۔

[2] متن کا یلحقون بالقار الجمۃ، یلحقون بالقاف کی تصحیف ہے۔

جزائر نکوبار (لنگبالوس)

جو لوگ چین جانا چاہتے ہیں وہ (جنوبی ساحل ہند کے بندرگاہ) بلین[1] سے لنکا کو داہنی طرف چھوڑ کر سمندر میں مڑ جاتے ہیں، لنکا سے نکوبار (لنگبالوس) دس سے پندرہ دن کی مسافت ہے۔ نکوبار کے باشندے ننگے رہتے ہیں، ان کی غذا کیلا، تازہ مچھلی اور ناریل ہے، لوہا ان کی دولت ہے۔ وہ (بیرونی) تاجروں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ربط و ضبط رکھتے ہیں، جزیرہ نکوبار سے ملایا (جزیرہ کلہ) تک چھ دن کی مسافت ہے۔ ملایا پر جابہ ہندی کی حکومت ہے، یہاں ٹن[2] کی کانیں ہیں اور بید کے جنگل پائے جاتے ہیں، ملایا کے بائیں (مغربی) جانب دو دن کی مسافت پر جزیرہ بالوس[3] ہے، یہاں کے باشندے آدم خور ہیں، یہاں عمدہ قسم کا کافور ہوتا ہے، اس کے علاوہ کیلا، ناریل، گنا اور چاول کی کاشت ہوتی ہے، بالوس سے جزیرہ جابہ، شلاہط (تنگنائے ملکا میں) اور ہرنج ساٹھ میل (دو فرسخ) دور ہے، ہرنج بڑا جزیرہ ہے، اس کا راجہ سونے کا زیور اور ٹوپی پہنتا ہے اور مورتی پوجا کرتا ہے۔ ہرنج میں ناریل، کیلا اور گنا پایا جاتا ہے، شلاہط میں صندل، بالچھڑ اور لونگ (قرنفل) ہوتی ہے، جابہ میں ایک چھوٹا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر ڈیڑھ سو فٹ (سو ذراع) طول اور اتنے ہی عرض میں آگ جو بقدر نیزہ بلند ہوتی ہے ہر وقت جلتی رہتی ہے، دن میں وہاں سے دھواں اٹھتا ہے اور رات میں آگ چمکتی ہے۔۔۔۔ جابہ سے

---

[1] راملیشورم کے قریب۔

[2] متن میں "من یبارہ" ہے ہم نے عن یمینہ قرار دیکر ترجمہ کیا ہے، ہمارے تصرف کی توثیق ادریسی سے بھی کی جاسکتی ہے۔ دیکھو نزہتہ المشتاق قلمی ۱/۵۱۔

[3] متن کے الرصاص القلعی سے ٹن مراد ہے جس کا پالش لوہے کو گھسنے اور زنگ آلود ہونے سے باز رکھتا تھا۔ قلعی کلہی کی تعریب ہے اور کلہی میں ی نسبت کی ہے۔

[4] جزائر نکوبار کا کوئی جزیرہ شاید بڑا نکوبار مراد ہے۔

[5] عجائب الہند ص ۸، ۲ پر نالوش قلمبند ہوا ہے۔

جزیرۂ مائیط[1] قریب ہے۔ مایط کے بائیں طرف جزیرہ تیومن[2] (تیومہ) واقع ہے، یہاں عود ہندی اور کافور ہوتا ہے۔ تیومن (تیومہ) سے قماری لینڈ (قمار) پانچ دن کی بحری مسافت ہے، قماری لینڈ میں عود قماری اور چاول ہوتا ہے، یہاں سے سمندر کے کنارہ کنارہ کمبوڈیا (صنف) تین دن کی مسافت ہے، یہاں مشہور صنفی صندل پایا جاتا ہے، یہ قماری صندل سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ یہ اپنے ثقل اور عمدگی کے باعث پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ کمبوڈیا میں گائے اور بھینس پائی جاتی ہے۔ یہاں سے ہان کنگ[3] (لوقین) تک جو چین کے اولین بندرگاہوں میں سے ایک بندر ہے، سمندر اور خشکی دونوں راستوں سے تقریباً سوا تین سو میل (سو فرسخ) فاصلہ ہے، یہاں چینی پتھر، چینی ریشم اور اعلیٰ قسم کے چینی پیالے پائے جاتے ہیں اور چاول کی زراعت ہوتی ہے۔ ہان کنگ (لوقین) سے کینٹن Canton (خانفو) جو سب سے بڑا چینی بندرگاہ ہے بذریعہ سمندر چار دن کی اور براہِ خشکی بیس دن کی مسافت ہے، یہاں ہر قسم کا پھل، سبزی، گیہوں، جو، چاول اور گنا پایا جاتا ہے۔

سماترا

سلیمان تاجر[4]:

لنکا کے بعد خلیج بنگال (ہرکند) میں سفر کرنے پر متعدد جزیرے نمودار ہوتے ہیں جو شمار میں تو

---

[1] یہاں عبارت صحیح نہیں ہے، ادریسی کے بیان مندرجہ نزہۃ المشتاق قلمی سے اس کی تصحیح کی جاسکتی ہے، لکھا ہے: جزیرہ ساترا سے متصل جزیرہ جابہ، سلاہط اور ہرنج ہیں اور ان میں سے ہر ایک دو دو فرسخ یا اس کے لگ بھگ وسیع ہے اور ان تینوں پر راجہ جابہ کی حکومت ہے۔ ابن رستہ نے الاعلاق میں لکھا ہے کہ ہرنج، مہراج کا سپہ سالار تھا جس کی طرف یہ جزیرہ منسوب ہے۔ [2] عجائب الہند بزرگ بن شہریار میں اس کے فرانسیسی ایڈیٹر کا چھاپا ہوا جو نقشہ ہے اس میں مایط کی نشاندہی موجودہ جزیرہ بنگا BANGKA کی جگہ کی گئی ہے جو جنوبی سماترا کے پاس مشرق میں واقع ہے۔ [3] Tioman جنوبی ملایا کے مشرقی سمندر کا ایک جزیرہ۔ [3] شاید خلیج ٹانکنگ (Gulf of Tonking) میں واقع شمالی ویتنام کا پایۂ تخت ہینوئے (Hanoi) یا اس جگہ یا اس کے آس پاس کوئی دوسرا بندرگاہ مراد ہے۔ [4] سلسلۃ التواریخ ا/۱۰۰۸ ء۱۸۹۳

زیادہ نہیں لیکن سائز میں بڑے ہیں، ان کی تعداد قطعی طور پر متعین نہیں کی جا سکتی، ان میں سے ایک جزیرہ سماترا (رامنی) کہلاتا ہے، یہاں کئی راجہ حکومت کرتے ہیں، اس کا رقبہ تین یا پونے تین ہزار میل (آٹھ سو یا نو سو فرسخ) بتایا جاتا ہے، یہاں سونے کی کانیں ہیں اور اس کے جنوبی ساحل پر ایک معدنی علاقہ ہے، جسے پنچور (فنصور) کہتے ہیں، یہاں اعلیٰ قسم کا کافور ہوتا ہے، سماترا سے متصل کئی اور جزیرے ہیں، ان میں سے (جنوب مغرب میں) ایک کا نام نیاسؔ[1] (اسنیان) ہے، یہاں بڑی مقدار میں سونا نکالا جاتا ہے۔ باشندے ناریل کھاتے ہیں اور اس کا تیل اور تیل میں پکے ہوئے کھانے استعمال کرتے ہیں، جب کوئی شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اسی وقت لڑکی مل سکتی ہے جب وہ قتل کردہ دشمن کا سر پیش کر دے، اگر وہ دشمن کے دو سرے آئے تو دو شادیاں کر سکتا ہے، اگر پچاس آدمی قتل کر دے تو پچاس عورتوں سے شادی کر سکتا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کے دشمن بہت ہوتے ہیں اور جو شخص زیادہ دشمن مارنے پر قادر ہوتا ہے اس سے شادی کرنے کی طرف ان کا میلان زیادہ ہوتا ہے۔

سماترا (رامنی) میں ہاتھی بہت ہوتے ہیں، (سرخ لکڑی) بقم اور بید (خیزران) کی بھی بہتات ہے، یہاں ایسے لوگ ہیں جو آدمی کا گوشت کھا جاتے ہیں، سوماترا خلیج بنگال (ہرکند) اور نگاتے نکا (سلاہط) کے سمندروں میں ابھرا ہوا ہے، سماترا کے بعد (مغرب میں) جزائر نکوبار (لنجبالوس) آتے ہیں، یہاں کافی بڑی آبادی ہے، مرد بالکل ننگے رہتے ہیں اور عورتیں شرمگاہ پر پتوں سے آڑ کر لیتی ہیں، جب یہاں کے جہاز گذرتے ہیں تو نکوباری چھوٹی بڑی کشتیوں میں سوار ہو کر آتے ہیں اور عنبر نیز ناریل کے بدلے لوہا، ضرورت کا کپڑا اور دوسری چیزیں خریدتے ہیں، چونکہ یہاں نہ سردی ہوتی ہے نہ گرمی، اس لئے نکوباریوں کو کپڑے کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔

جزائر انڈمان

نکوباریوں کے عقب میں (بسمت شمال) دو جزیرے ہیں جن کے درمیانی سمندر کو انڈمان

---

[1] عجائب الہند میں نیان تلفظ ہوا ہے جو اسنیان کی نسبت نیاس سے قریب تر ہے۔

(انڈامان) کہتے ہیں، ان جزیروں کے باشندے آدم خور ہیں، ان کا رنگ کالا ہوتا ہے، بال گھنگرالے صورتیں مکروہ، آنکھیں بھدی، پیر ہاتھ ہاتھ بھر کے جسم برہنہ، ان کے پاس کشتیاں نہیں ہوتیں، اگر ہوں تو وہ اِدھر سے گذرنے والے سمندری مسافروں کو کھا جائیں، کبھی ہوا کے نامساعد یا ہلکا ہونے سے سمندر میں جہاز کی رفتار سست ہو جاتی ہے اور پانی کا ذخیرہ قبل از وقت ختم ہو جاتا ہے تو جہاز والے انڈامانیوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے میٹھا پانی مانگتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اہلِ جزیرہ ان سمندری مسافروں کو پکڑ لیتے ہیں اور بیشتر قتل کر ڈالتے ہیں۔

ان سمندروں (خلیج بنگال، بحر نکوبار و انڈمان) میں سے ہر سمندر میں زور دار ہوائیں اٹھتی ہیں جن سے سمندر میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور وہ آگ پر رکھی ہوئی ہانڈیوں کی طرح کھولنے لگتا ہے، سمندر کی موجیں آس میں واقع ہونے والے جزیروں پر شدت سے پڑنے لگتی ہیں اور جہازوں کو توڑ پھوڑ ڈالتی ہیں اور سمندر بڑی مقدار میں عنبر اپنی تہوں سے سطح پر نکال پھینکتا ہے، بعض اوقات موجیں اتنی بڑی اور زوردار ہوتی ہیں کہ چٹانوں اور پتھروں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی ہیں جس طرح کمان تیر کو پھینکتی ہے۔

خلیج بنگال (ہرکند) کے اس حصہ کی ہوائیں جو مغرب اور شمال (بنات النعش) کے درمیان واقع ہے، سماترا کے آس پاس کے سمندر کی ہواؤں سے زیادہ سخت ہوتی ہیں، ان ہواؤں سے سمندر میں ایسی کھلبلی مچ جاتی ہے جیسی آگ پر رکھی ہوئی ہانڈی میں، سمندر بڑی مقدار میں اپنی تہوں سے عنبر نکال کر سطح پر لا ڈالتا ہے، سمندر جتنا گہرا ہوتا ہے اور پانی سے بھرپور اتنا ہی عنبر زیادہ عمدہ ہوتا ہے خلیج بنگال (ہرکند) میں جب طغیانی آتی ہے تو وہ آگ کی طرح جلنے لگتا ہے، اس سمندر میں لخم نامی ایک مچھلی پائی جاتی ہے، یہ درحقیقت ایک درندہ ہے جو انسان کو نگل جاتا ہے۔

جزائر نکوبار

.... کیولان (کولم ملی) سے جہاز خلیج بنگال (ہرکند) کی طرف روانہ ہوتے ہیں، اسے پار کر کے جزائر نکوبار (لنج بالوس) پہنچتے ہیں، یہاں کے باشندے نہ تو عربی سمجھتے ہیں اور نہ کوئی دوسری زبان

جملے سمندری تاجر واقف ہوں، یہ لوگ کپڑے نہیں پہنتے، ان کا رنگ صاف اور داڑھی گھپا ہوتی ہے، تاجروں کا بیان ہے کہ ہم نے ان کی عورتیں نہیں دیکھیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نکوباریوں کے مرد چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر جو ایک لکڑی کو کھوکلا کر کے بنائی جاتی ہے گذرنے والے جہازو کے پاس ناریل، گنا، کیلا اور ناریل کا رس لیکر آتے ہیں، یہ رس سفید ہوتا ہے، اگر اسی وقت پی جب ناریل سے نکلتا ہے تو شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے اور اگر تھوڑی دیر تک چھوڑ دیا جا نشہ آور شراب بن جاتا ہے اور اگر کئی دن تک رکھا جائے تو سرکہ ہو جاتا ہے۔ نکوباری یہ چیز لوہے کے بدلے بیچتے ہیں۔ کبھی ان کے جزیروں کے کنارے تھوڑا عنبر جمع ہوتا ہے تو اسے بھی لو ٹکڑوں کے عوض فروخت کر دیتے ہیں، ان لوگوں کی تجارت اشاروں سے دست بدست ہو ہے، وجہ یہ ہے کہ وہ جہازی تاجروں کی زبان سے ناآشنا ہوتے ہیں، ان کو تیراکی کی خوب مہار ہے۔ کبھی یہ سمندری تاجروں کا لوہا چھین لیتے ہیں اور اس کی قیمت نہیں ادا کرتے۔ بحری تاج کا بیان ہے کہ لنکا اور (مغربی) ملایا (ملکہ بار) کے درمیان ملحان نامی ایک جزیرہ ہے، جس شمار ہندوستان کی سرزمین میں ہوتا ہے اور مشرقی خلیج بنگال میں واقع ہے۔ اس جز میں ایک کالی قوم آباد ہے جو برہنہ رہتی ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھ اگر کوئی اجنبی لگ جاتا ہے اس کو الٹا لٹکا دیتے ہیں اور اس کے ٹکڑے کر کے کچا کھا جاتے ہیں، ملحانیوں کی خاصی بڑی جمعیت ہے اور یہ سب ایک ہی جزیرہ میں رہتے ہیں، ان کا کوئی راجہ نہیں ہوتا، غذا مچھلی، نا، کیلا اور گنا ہے۔

ملایا

نکوبار جزیروں سے چل کر جہاز (مغربی) ملایا (ملکہ بار) پہنچتے ہیں۔ ملایا کی سلطنت اور سا میت سے ہر ایک کو بار کہتے ہیں، یہ سلطنت جاوا (زابج) کہلاتی ہے اور سرزمین ہند کے داہنی طرف واقع ہے، اس سلطنت پر ایک راجہ کی حکومت ہے۔ ملایا کے باشندے تہبند باندھتے ہیں، امیر

لے یہ خاصیت تاڑی کی بیان کی جاتی ہے۔ غالباً ناریل سے تاڑی ہی مراد ہو، دونوں کے پیڑ ہم شکل ہوتے ہیں۔

غرض سب میٹھا پانی کنوؤں سے نکالا جاتا ہے اور کنوؤں کے پانی کو چشموں اور بارش کے پانی پر ترجیح دی جاتی ہے۔

کیولان (کولم) سے جو خلیج بنگال سے قریب ہے (مغربی) ملایا (کلہ بار) تک ایک ماہ کی مسافت ہے (تقریباً پندرہ سو اسی میل) یہاں سے دس دن کی مسافت طے کر کے جہاز تیومۂ (تیومہ) پر لنگر انداز ہوتے ہیں، یہاں میٹھا پانی مل جاتا ہے، تیومہ (تیومہ) سے دس دن کی مسافت پر ایک مقام ہے جسے کدرنجؔ کہتے ہیں، یہاں بھی میٹھا پانی ملتا ہے۔ جزائر ہند کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہاں کنویں کھودے جاتے ہیں تو میٹھا پانی مل جاتا ہے۔ کدرنج میں ایک پہاڑ ہے ساحل پر ابھرا ہوا یہاں بسا اوقات غلام اور ڈاکو بھاگ کر پناہ لیتے ہیں۔ دس دن چلنے کے بعد جہاز کدرنج سے کمبوڈیا (صنف) پہنچتے ہیں، یہاں بھی میٹھا پانی ملتا ہے، کمبوڈیا سے بڑھیا صنفی صندل برآمد کیا جاتا ہے، یہاں ایک راجہ حکمران ہے، باشندے سانولے ہوتے ہیں، ہر شخص دو تہبندوں میں ملبوس رہتا ہے، یہاں سے میٹھے پانی کا ذخیرہ لے کر دس دن سفر کے بعد جہاز صندر فولات پہنچتے ہیں، یہ ایک سمندری جزیرہ ہے، یہاں میٹھا پانی ہوتا ہے، یہاں سے روانہ ہو کر جہاز بحر چین

۱؎ ندوی صفحہ ۱۱۱۔ ۲؎ جنوبی ملایا کے مشرقی ساحل کے قریب ایک جزیرہ۔ ۳؎ غالباً تھائی لینڈ کی راجدھانی کرنگ کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کا موجودہ نام بینکاک Bangkok ہے۔

۴؎ بظاہر کمبوڈیا کا پایۂ تخت مراد ہے، جسے آجکل سائگان (Saigon) کہتے ہیں۔

۵؎ ندوی نے اپنی کتاب ARAB SEA FARING صفحہ ۶۱ پر صندر فولات کو صنف فولاؤ SANF FULAW کی تصحیف قرار دیکر اسے جنوبی ویتنام کے مشرقی سمندر کا ایک جزیرہ بتایا ہے، بدرالدین چینی نے چین و عرب کے تعلقات صفحہ ۱۹۶ پر اسے جزیرۂ ہینان قرار دیا ہے جو HANOI (پایۂ تخت شمالی ویتنام) کے مشرقی سمندر میں واقع ہے، قرائن سے دوسرے تشخص کی تائید ہوتی ہے۔

۶؎ INDO-CHINA SEA مراد ہے۔

آتے ہیں اور وہاں سے ابواب چین کی طرف روانہ ہوتے ہیں، ابواب چین[1] سمندر میں واقع پہاڑوں کا ایک (خطرناک) سلسلہ ہے، ہر دو پہاڑوں کے درمیان راستہ ہے جس سے ہو کر سات دن تک جہاز گذرتے ہیں، جب جہاز یہ چٹانی سلسلہ پار کر لیتے ہیں اور کینٹن کے ڈیلٹا میں داخل ہوتے ہیں تو میٹھے پانی میں چل کر وہ اس چینی بندرگاہ پر آجاتے ہیں جہاں بیرونی جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں اور اس بندرگاہ کا نام کینٹن (خانفوا) ہے، سارے چین میں دریاؤں سے میٹھا پانی دستیاب ہوتا ہے اور حکومت کے دفاتر اور بازار پائے جاتے ہیں چین کے سمندر میں چوبیس گھنٹے میں دو بار مد و جزر ہوتا ہے لیکن بصرہ سے لیکر جزیرہ قشم (بنی کاوان) کے سمندر (مشرقی خلیج فارس) میں اس وقت مد ہوتا ہے جب چاند بیچ آسمان پر آتا ہے اور جزر چاند نکلنے اور چھپنے کے وقت ہوتا ہے، بحر چین سے لیکر جزیرہ قشم (بنی کاوان) کے قریب تک مد طلوعِ قمر کے وقت سے ہوتا ہے اور جب چاند وسط آسمان پر آتا ہے تو جزر شروع ہو جاتا ہے اور جب چاند غروب ہوتا ہے تو مد شروع ہوتا ہے۔

بزرگ بن شہریار[2]:

جزائر نکوبار

مجھ سے محمد بن بابشاد نے بیان کیا کہ جزائر نکوبار جو کثیر التعداد ہیں اور جن کی مجموعی لمبائی قریب دو سو ستر میل (اسی فرسخ) ہے، ان کے باشندے اِدھر سے گذرنے والے جہازوں کے پاس آتے ہیں اور ان سے ضرورت کا سامان دست بدست خریدتے ہیں لیکن اگر اپنی چیز دینے سے پہلے یہ اہل جہاز کی کسی چیز پر قابض ہو جائیں تو اس کے بدلہ میں کچھ دئے بغیر فرار ہو جاتے ہیں اور ان سے وہ چیز واپس لینا ناممکن ہو جاتا ہے، کبھی جہاز (طوفان میں گھر کر یا پہاڑ سے ٹکرا کر) ٹوٹ جاتا

---

[1] ہورانی کی رائے میں ان سے (سمندری چٹانیں) PARACEL REEFS مراد ہیں جو جنوبی بحر چین میں پندرہ اور سولہ ڈگری طول البلد کے مابین شمالاً جنوباً دور تک پھیلی ہوتی ہیں۔

[2] عجائب الہند ص ۱۲۷، ۱۲۸۔

ہے اور کوئی مرد یا عورت ان کے ہاتھ آجاتی ہے اور اس کے پاس روپیہ پیسہ یا کوئی کپڑا محفوظ رہ جاتا ہے تو نکوباری اس سے یہ چیزیں چھینتے نہیں ہیں کیونکہ ہاتھ آئے آدمی کی کوئی چیز لینا ان کی نظر میں عیب ہے، اُسے وہ اپنے گھر لے جاتے ہیں اور وہی کھانا اسے کھلاتے ہیں جو خود کھاتے ہیں اور اسے کھلانے سے پہلے خود نہیں کھاتے، جب اُن کا مہمان کھانا کھا لیتا ہے تو وہ اس کا بچا ہوا کھاتے ہیں؛ مہمان اس طرح ان کے یہاں رہتا ہے یہاں تک کہ کوئی جہاز ادھر آنکلتا ہے، نکوباری مہمان کو لے کر جہاز کے پاس جاتے ہیں اور جہازیوں سے کہتے ہیں کہ اسے لیکر بدلہ میں ہمیں کچھ دیدو، جہازیوں کو کچھ نہ کچھ دے کر اس آدمی کو لینا پڑتا ہے، بعض اوقات یہ شخص کافی ہوشیار ہوتا ہے اور ان کی خدمت کرتا ہے اور رسیاں (کنبار) بٹتا رہتا ہے اور ان کے ہاتھ عنبر کے بدلہ بیچ دیتا ہے اور جہازوں کے آنے تک کچھ روپیہ پیسہ (زرِ مخلصی ادا کرنے کے لئے) جمع کر لیتا ہے۔

ادریسی[1]:

سماترا

جزیرہ سماترا (دواہی)، کی مٹی عمدہ، آب و ہوا معتدل اور پانی میٹھا ہے، یہاں بہت سے شہر، دیہات اور قلعے پائے جاتے ہیں، یہاں بقم لکڑی ہوتی ہے اس کا پودا تحر زہرہ (دِفلی) سے ملتا جلتا ہے اور لکڑی لال ہوتی ہے، اس کی جڑ اژدھے اور سانپ کے زہر کی دوا ہے، کامیاب تجربوں سے اس بات کی توثیق ہو چکی ہے، سماترا میں ننگے آدمی پائے جاتے ہیں جن کی بولی نا قابلِ فہم ہوتی ہے، یہ انسانوں سے بھاگتے ہیں، ان کا قد چار بالشت ہوتا ہے اور مرد و عورت کی شرمگاہ چھوٹی ہوتی ہے، ان کے سر پر لال رواں ہوتا ہے، بغیر پیر لگائے درختوں پر ہاتھوں کے بل چڑھ جاتے ہیں، دوڑنے میں اتنے تیز کہ ان کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ سماترا کے ساحل پر ایک قوم آباد ہے جو جہازوں کو جب وہ اچھی رفتار سے سمندر میں رواں ہوتے ہیں آپکڑتے ہیں اور جہازیوں کے ہاتھ لوہے کے بدلہ عنبر بیچتے ہیں اور اسے اپنے منہ میں دبا کر لیجاتے ہیں، سماترا میں بہت سی کانیں ہیں جن سے سونا

---

[1] نزہتہ المشتاق قلمی ۱/۵۰۔ [2] نزہتہ المشتاق قلمی ۱/۵۰-۵۶۔

نکالا جاتا ہے، یہاں سے عمدہ کافور بھی برآمد کیا جاتا ہے اور مختلف قسم کے خوشبودار مصالحے اور اور اعلیٰ قسم کے موتی۔

جزیرہ نکوبار

جو شخص جزیرہ ملتین (ملیق) سے جس کا ذکر ہو چکا ہے چین کا سفر کرنا چاہے تو وہ لنکا کو اپنے داہنے طرف چھوڑ کر خلیج بنگال (ہرکند) کی طرف مڑ جاتا ہے۔ لنکا سے جزیرہ نکوبار (نکنکیالوس) کا فاصلہ دس دن ہے۔ اسے لنجبالوس بھی کہا جاتا ہے، یہ ایک بڑا جزیرہ ہے اور یہاں بہت سے سفید فام آدمی بستے ہیں، مرد اور عورتیں دونوں برہنہ رہتے ہیں، کبھی عورتیں اپنی شرمگاہ پر پتوں سے آڑ کر لیتی ہیں۔ بحری تاجر چھوٹے بڑے جہازوں میں نکوبار کے ساحل پر آتے ہیں اور لوہے سے عنبر اور ناریل کا تبادلہ کر لیتے ہیں، بیشتر باشندے کپڑا خریدتے ہیں اور بعض (مخصوص) موقعوں پر اسے استعمال کرتے ہیں، یہ جزیرہ خط استوا سے قریب ہے اس لئے یہاں گرمی اور سردی زیادہ نہیں ہوتی۔ باشندوں کی غذا کیلا، تازہ مچھلی اور ناریل ہے، ان کی دولت لوہا ہے، سمندری تاجروں کے ساتھ ان کی نشست و برخاست رہتی ہے۔

جزیرہ نیاس

ساترا کے جنوب (مغرب) میں ایک آباد جزیرہ ہے جسے نیاس (السان) کہتے ہیں، یہاں ایک بڑا شہر ہے، باشندے ناریل کھاتے ہیں، اس کے تیل سے کھانا پکاتے ہیں اور اس کے رس کا شربت پیتے ہیں، طاقتور اور بہادر لوگ ہیں، ان کی ایک رسم جوان کے پرکھوں کے وقت سے چلی آرہی ہے یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس عورت کے والی وارث اس وقت تک اس سے شادی نہیں کرتے جب تک وہ کسی شخص کا سر اتار کر نہ لے آئے، وہ اس کے آس پاس کے علاقوں میں نکل جاتا ہے اور کسی کو قتل کر کے اس کا سر لے آتا ہے، اب اس کی شادی اس لڑکی سے ہو جاتی ہے جس کے لئے اس نے پیغام دیا تھا اور اگر وہ دو سر لے آئے تو دو عورتوں سے بیاہ کر سکتا ہے تین لے آئے تو تین سے اور اگر پچاس سر اتارنے پر قادر ہو جائے تو پچاس عورتوں کو بیوی بنا سکتا ہے۔ اہالی

شہر کی نظر میں اسے خاص عزت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کی بہادری کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس جزیرہ میں بکثرت ہاتھی ہوتا ہے، بقم، بید اور گنا بھی۔

جزیرہ بالوس

نیاس کے قریب دو دن[1] کی مسافت پر ایک دوسرا جزیرہ ہے جسے بالوس (جالوس) کہتے ہیں، اس کے باشندے کالے اور مردم خور ہیں، اگر کوئی اجنبی ان کے ہاتھ لگ جائے تو اس کو اُلٹا لٹکا دیتے ہیں اور اس کے ٹکڑے کر کے کھا جاتے ہیں، ان لوگوں کا کوئی راجہ نہیں ہے۔ مچھلی، کیلا، ناریل اور گنا ان کی غذا ہے، یہ بیشتر بید کی جھونپڑیاں بنا کر جنگلوں اور جھاڑیوں میں رہتے ہیں، بالکل برہنہ، کسی چیز سے شرمگاہ نہیں ڈھکتے۔ جنسی ضرورت پوری کرتے وقت بھی کسی آڑ کا سہارا نہیں لیتے بلکہ کھلم کھلا کرتے ہیں اور اس کو معیوب نہیں سمجھتے، اور بغیر کسی شرم و عار کے لڑکی اور بہن سے مباشرت کر لیتے ہیں، سیاہ فام ہیں، مکروہ شکل اور گھنگرالے بال، ان کی گردنیں اور ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں۔

ابو دُلف[2]:

کلہ[3]

چین کے پایۂ تخت (سندابل سے) کلہ جانے کے لئے میں نے ساحل کا رخ کیا، کلہ سے ہندوستان کی ابتدا ہوتی ہے اور وہ جہازوں کا آخری نقطۂ سفر ہے اس سے آگے نہیں جا سکتے اگر جانے کی کوشش

---

[1] ادریسی کی بالوس سے منسوب کردہ تفصیلات سلیمان تاجر نے جزیرہ لنجبالوس اور انڈمان کی طرف منسوب کی ہیں جیسا کہ ہم اوپر پڑھ آئے ہیں، ابن خُردادبہ نے جزیرۂ بالوس طلایا کے مغرب میں دو دن کی مسافت پر بتایا ہے (ص ۶۱)، سلیمان تاجر کی رائے میں بھی بالوس طلایا کے مغرب کا جزیرہ ہے (غالباً بڑا نکوبار)۔ ادریسی کا اسے نیاس سے دو دن کے فاصلہ پر قرار دینا بظاہر سہو معلوم ہوتا ہے۔

[2] معجم البلدان یاقوت (مصر) ۵/۲۱۴۔ [3] اس شہر کا اب تک متفقہ تشخص نہیں ہو سکا ہے، ایک رائے ہے کہ اس سے کرا (جنوب مغربی تھائی لینڈ) مراد ہے، دوسری رائے کی رو سے وہ کیدھا (شمالی طلایا) کی جگہ پر بھی آتی شکل ہے اور تیسری تجویز کے مطابق وہ کیلانگ کی جگہ (وسطی طلایا کو الالمپور کے مغرب میں) واقع تھا، ڈاکٹر مقبول ص ۱۱۶-۱۱۷

کریں تو ڈوب جائیں، جب میں کلہ پہنچا تو وہ مجھے ایک بڑا شہر نظر آیا، اس کی فصیل خوب اونچی ہے، باغ بکثرت ہیں اور پانی فراواں ہے، یہاں ٹن کی کان ہے، یہ اس شہر کے علاوہ دنیا میں کسی دوسری جگہ نہیں پایا جاتا، اس شہر میں عمدہ نکلدار تلواریں بنائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے اعلیٰ اسٹیل کی ہوتی ہیں، اس شہر کے باشندے جب چاہتے ہیں اپنے راجہ سے بگڑ بیٹھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اس کے مطیع ہو جاتے ہیں، چین کی طرح یہاں بھی جانور ذبح نہیں کیے جاتے۔ کلہ کی مسافت چین کے پایہ تخت سندابل سے تقریباً ایک ہزار میل (تین سو فرسخ) ہے، کلہ کے آس پاس شہر، قصبے اور دیہات ہیں حکومت کی طرف سے قاعدے قانون نافذ ہیں، فوجیں موجود ہیں اور ٹیکس محصول وصول کیا جاتا ہے.... باشندوں کی غذا گیہوں اور کیلا ہے ساری ترکاریاں وزن سے بکتی ہیں اور روٹیاں عدد سے، یہاں حمام نہیں ہوتے بلکہ ایک نہر ہے جس کے پانی سے لوگ غسل کرتے ہیں، ان کا درہم ⅔ معیاری درہم کے بقدر ہوتا ہے اور اسے فہری کہتے ہیں، سیپیوں سے بھی خرید و فروخت ہوتی ہے، باشندے چینیوں کی طرح قیمتی ریشمی کپڑا پہنتے ہیں، یہاں کا راجہ شاہِ چین سے مرتبہ میں کم ہے، اس کے نام پر خطبہ پڑھتا ہے اور اس کے ملک کی طرف منہ کر کے اظہارِ تعظیم کرتا ہے۔

ادریسی[2]:

جزائر لنکوبار سے طلایا (جزیرہ کلہ) پانچ دن کی مسافت پر ہے، یہ ایک بڑا جزیرہ ہے، اس پر ایک راجہ کی حکومت ہے جسے جابہ ہندی کہتے ہیں، یہاں عمدہ قسم کے ٹن کی بہت سی کانیں ہیں، یہ دھات ساری دنیا کو سپلائی کیا جاتا ہے، باشندے مرد اور عورت ایک تہبند باندھتے ہیں، یہاں بید کے جنگل ہیں اور عمدہ قسم کا کافور ہوتا ہے، کافور کا درخت بڑا ہوتا ہے صفصاف[3] سے ملتا جلتا اس کے سایہ میں

---

[1] متن میں حبوس و خبایات ہے جسے ہم نے جیوش و جبایات قرار دیکر ترجمہ کیا ہے۔

[2] متن کا التور، المونز کی تحریف ہے۔ [3] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۵۵۔

[3] صفصاف کو انگریزی میں ولو WILLOW کہتے ہیں اس کی لکڑی نرم ہوتی ہے اور خاص طور سے کھیل کا سامان بنانے کے کام آتی ہے۔

میں سو سے زیادہ آدمی بیٹھ سکتے ہیں، درخت سے کافور اس طرح نکلتا ہے کہ اس کے تنے کے بالائی حصہ میں سوراخ کر دیا جاتا ہے جس سے رس رس کر کئی گھڑے بھر جاتے ہیں اور جب رسنا بند ہو جاتا ہے تو تنہ کے وسط میں سوراخ کر دیا جاتا ہے جس سے کافور کی ڈلیاں نکل پڑتی ہیں، یہ ڈلیاں درخت کا گوند ہوتی ہیں جو اس کے اندر جم جاتا ہے، کافور دینے کے بعد درخت بیکار ہو کر خشک ہو جاتا ہے، کافور کے لئے پھر دوسرے درخت سے رجوع کیا جاتا ہے، کافور کی لکڑی سفید اور ہلکی ہوتی ہے۔

جابہ، سلاہط، ہرنج[1]

ملایا (جزیرہ کلہ) سے متصل (جنوب میں) جزائر جابہ (جابہ) سلاہط اور ہرنج (ہرنج) ہیں، ان میں سے ہر ایک کم و بیش سات میل (دو فرسخ) ہے، ان تینوں پر راجہ جابہ کی حکومت ہے۔

جابہ ہندی

جابہ طلائی لباس پہنتا ہے اور طلائی ٹوپی اوڑھتا ہے جس پر موتی اور یاقوت ٹکے ہوتے ہیں، اس کے سکوں پر اس کی تصویر بنی ہوتی ہے، وہ بدھ (بدو) کی پوجا کرتا ہے، بدھ کا اطلاق ہندوؤں کی زبان میں مندر پر ہوتا ہے، راجہ کا ایک خوشنما مندر ہے جس میں خوب کاریگری کی گئی ہے، اندر کی طرف سے مندر کی دیواروں پر چہار سمت مرمر کی سلیں لگی ہوئی ہیں اور اس کے گرد بہت سے مرمر کے بت رکھے ہوئے ہیں اور ان کے سروں پر سونے اور اسی طرح کے قیمتی دھاتوں کے تاج ہیں، اس سب سے بڑے مندر میں عبادت گانے، آہستہ آہستہ تالی بجانے اور خوبصورت لڑکیوں کے ناچ اور رتھرک کی شکل میں ہوتی ہے، یہ ناچ اور گانا مندر کے حاضرین اور عبادت کرنے والوں کے سامنے ہوتا ہے، ہر مندر سے لڑکیوں کی ایک جماعت وابستہ ہوتی ہے، ان کے کھانے اور لباس کا خرچ

---

[1] قرائن سے ان تینوں کے تنگنائے ملکا MALACCA STRAIT اور جزیرہ بنگکا Bangka کے درمیان واقع ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ ابن رستہ نے لکھا ہے کہ ہرنج مہراج کا سپہ سالار تھا اور اس کے نام پر یہ جزیرہ ہرنج کہلانے لگا تھا۔ الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۸۔

مندر کی آمدنی سے ادا کیا جاتا ہے، جب کسی عورت کے کوئی حسین اور خوش قامت لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ اسے مندر پر صدقہ کر دیتی ہے۔ یہ لڑکی جب سیانی ہوتی ہے تو اس کی ماں اسے اپنے مقدور بھر بڑھیا لباس پہناتی ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر عورتوں اور مردوں کے جلوس میں منتخبہ مندر میں لیجاتی ہے اور لڑکی کو مندر کے پروہتوں کے حوالہ کر کے لوٹ آتی ہے، وہ لڑکی کو ایسی عورتوں کے سپرد کر دیتے ہیں جو ناچنے، اتھرگنے اور بجانے میں مہارت رکھتی ہیں۔ جب لڑکی کی تربیت مکمل ہو جاتی ہے تو وہ نہایت عمدہ کپڑے اور قیمتی زیور پہنتی ہے اور خود کو ساری زندگی کے لیے مندر پر وقف کر دیتی ہے اور کبھی مندر سے باہر نہیں جاتی۔ ہندوستان میں بُت پرستوں میں بھی لڑکیوں کو مندر پر صدقہ کرنے کی رسم پائی جاتی ہے، جزیرۂ جابہ میں بکثرت ناریل اور نہایت لذیذ کیلا پیدا ہوتا ہے، چاول اور گنا بھی پایا جاتا ہے۔

مایطؐ

جابہ کے قریب جزیرۂ مایط (ساط) واقع ہے، اس پر بھی راجہ جابہ کی حکومت ہے، یہاں ناریل، کیلا، گنا اور چاول ہوتا ہے، جزیرہ سلاہط میں صندل کی فراوانی ہے، اس کے علاوہ بابھر اور لونگ (قرنفل) پائی جاتی ہے۔ لونگ کے درخت کی شاخیں مہدی کے پودے کی طرح پتلی ہوتی ہیں، اس کا پھول نارنگی کے پھول کی طرح بونڈی میں کھلتا ہے، جب پھول گر جاتا ہے تو اس کی بونڈیاں چُن لی جاتی ہیں اور ان کو پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، ایک مناسب وقت تک پانی میں رکھنے کے بعد پھولوں کو نکال کر سکھا لیتے ہیںؐ اور باہر سے آئے ہوئے تاجروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں اور یہ تاجر لونگ جہازوں میں بھر کر دنیا کے ملکوں کو سپلائی کر دیتے ہیں۔ شلاہط کے آخر میں ایک آتش فشاں پہاڑ ہے جس سے ڈیڑھ سو فٹ اونچی آگ نکلتی ہے، دن میں اس سے دھواں خارج ہوتا ہے اور رات کو آگ چمکتی ہے۔

---

[۱] موجودہ جزیرہ Bangka جنوبی سماترا کے مشرقی ساحل کے قریب۔

[۲] اس کے بعد دو محرف لفظ ہیں جن کی اصلی شکل نہیں معلوم ہو سکی۔

مہراج

ابن خرداذبہ[1]:

جاوا (زانج) کے راجہ کا نام مہراج ہے، اس کی قلمرو میں برطایل[2] نامی ایک جزیرہ ہے، جہاں سے رات بھر گانے بجانے اور ڈھولوں کی آواز آتی ہے، جہاز راں لوگوں کی رائے ہے کہ اس جزیرہ میں دجال رہتا ہے۔ (جاوا) کے سمندر سے ہمارے گھوڑوں کی طرح ایک گھوڑا خشکی پر آتا ہے جس کی ایال اتنی لمبی ہوتی ہے کہ وہ اس کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا ہے، مہراج کی ٹیکسوں سے یومیہ آمدنی کا اوسط دو سو پونڈ (من) سونا ہے، اس سونے کی وہ ہر دن ایک اینٹ بنوا کر پانی میں ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرا خزانہ ہے۔ مہراج کی یومیہ آمدنی صرف جوئے کے مرغوں سے لگ بھگ پچاس پونڈ (من) سونا ہوتی ہے، یہ اس طرح کہ وہ جیتنے والے مرغے کی ران کا حقدار ہوتا ہے جب مرغے کا مالک کافی رقم دیکر چھڑا لیتا ہے۔

ابو زید سیرانی[3]:

جاوا (زانج) کا راجہ مہراج کہلاتا ہے۔ جاوا کا رقبہ تقریباً تین ہزار مربع میل (نو سو فرسخ) بتایا جاتا ہے، یہ راجہ بہت سے جزیروں پر حکمران ہے، اس کی سلطنت کی مسافت سوا تین ہزار میل (ہزار فرسخ) سے زیادہ ہے، اس کی قلمرو میں ایک جزیرہ سَریُزہ[4] نامی ہے، جس کا رقبہ باخبر لوگ

---

[1] المسالک والممالک ص۶۰۔ [2] غالباً جزیرہ بالی مراد ہے جو آج بھی گانے بجانے اور ناچ کے لئے مشہور ہے، یہ جزیرہ جاوا سے بسمت مشرق بالکل ملا ہوا ہے۔ [3] سلسلۃ التواریخ ۸۹/۲--۱۰۰۔ [4] عجائب الہند، ابو الفداء اور دوسری متعدد کتابوں میں سریرہ بایاء التحتانیہ والراء المہملۃ (بروزن جزیرہ) قلمبند ہوا ہے، صحیح شکل سَرُبُزہ بفتح السین وسکون الراء وضم الباء ہے، سربزہ، سری وجایا کی تعریب ہے جو ساتویں آٹھویں اور نویں صدیوں میں ایک عظیم بدھ سلطنت تھی، ملایا، ساترا، جاوا اور بہت سے قریبی جزیروں پر مشتمل۔ چونکہ اس سلطنت کے سری وجایا حکمرانوں کا پایہ تخت ایک عرصہ تک جاوا رہنے کے بعد پلیمبنگ (Palembang) ہو گیا تھا جو جنوب مشرق ساترا کے ایک بحری دریا پر سمندر سے متصل واقع تھا، عربوں نے جنوب مشرقی ساترا کا نام ہی سربزہ رکھ دیا تھا او

سواتیرہ سو مربع میل (چار سو فرسخ) بتاتے ہیں، ایک اور جزیرہ (وسطی و مغربی) سماترا (رامی) ہے، اس کا رقبہ ڈھائی ہزار مربع میل (آٹھ سو فرسخ) سے زیادہ ہے، (وسطی و مغربی) سماترا میں بقم نامی سرخ لکڑی، کافور اور دوسری خوشبودار اشیاء کے جنگل ہیں، مہراج کی قلمرو میں طلایا (جزیرہ کلہ) داخل ہے[1] جو سرزمین چین و عرب کے وسطی میں واقع ہے، اس کا رقبہ رپورٹروں کی حسب تصریح تقریباً دو سو ستر مربع میل (اسی فرسخ) ہے۔ کلہ میں عود، صندل، ہاتھی دانت، تن نامی سفید چمکدار دھات، آبنوس، بقم اور سارے مصالحے اور دیگر اشیاء کے جن کی فہرست بہت لمبی ہے گودام ہیں، موجودہ وقت میں عمان سے صرف کلہ تک جہاز آتے جاتے ہیں۔

ان سارے جزیروں میں مہراج کی حکومت ہے، جس جزیرہ میں وہ خود رہتا ہے (جاوا) بے حد آباد ہے اور اس میں مسلسل کھیت اور گاؤں ہیں، معتبر رپورٹروں کا بیان ہے کہ مرغا جب صبح کو بانگ دیتا ہے تو سوا تین سو میل سے زیادہ لمبے علاقہ میں ایک دوسرے کی آواز سن کر بانگیں دینے لگتے ہیں، یہ اس لئے کہ اس علاقہ میں دیہات ایک دوسرے سے متصل پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں نہ کہیں جنگل ہیں نہ ویرانے، اس علاقہ میں سفر کرنیوالا سواری پر بیٹھ کر جب چاہے سفر کر سکتا ہے اور جب اس کا جی بھر جائے یا اس کی سواری کا جانور تھک جائے تو وہ جہاں چاہے ٹھہر سکتا ہے۔

جاوا (زابج) کے بارے میں جو حیرت انگیز قصے ہمیں معلوم ہیں ان میں سے ایک قصہ یہ ہے کہ عہدِ قدیم میں ان کا ایک راجہ تھا الملقب بمہراج، اس کا محل تلاج کے کنارہ واقع تھا جس میں سمندر کا پانی آتا تھا، تلاج دجلۂ بغداد و بصرہ میں پانی جانیوالی خلیجوں کی طرح ایک خلیج (وادی) ہوتا ہے جس میں بوقت مد سمندر کا پانی بھر آتا ہے اور جزر کے وقت میٹھا پانی بہتا ہے، اس خلیج (وادی) سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا تالاب راجہ کے محل سے متصل تھا، ہر صبح راجہ کا خزانچی سونے کی ایک اینٹ لاتا سیروں وزن کی اور اسے راجہ کے سامنے اس تالاب میں ڈال دیتا، اگر مد ہوتا تو اینٹ پانی میں ڈوب

---

[1] نخبۃ الدہر دمشقی (لیبزگ) ص ۱۵۵ پر جزیرہ کلہ کا طول اور عرض ساڑھے تین سو میل بتایا گیا ہے اور بظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کر دوسری اینٹوں کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور جزر کے وقت تالاب کا پانی اترتا تو اینٹیں سورج کی روشنی میں چمکنے لگتیں اور راجہ اپنے دربار سے بیٹھا ان کو دیکھ لیتا۔ جب تک وہ راجہ جیتا اس تالاب میں ہر دن ایک نئی سونے کی اینٹ کا اضافہ ہوتا رہتا اور ان کو کسی کا ہاتھ تک نہ لگتا۔ جب راجہ کا انتقال ہوتا تو اس کا جانشین اینٹوں کو ایک ایک کر کے نکال لیتا، انہیں گِنا جاتا پھر پگھلایا جاتا اور سونا شاہی خاندان کے مردوں، عورتوں، بچوں، فوجی افسروں اور خدمتگاروں پر ان کے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق تقسیم کر دیا جاتا، اس کے بعد جو سونا بچتا وہ غریبوں اور ناداروں میں بانٹ دیا جاتا۔ اینٹوں کی تعداد اور وزن قلمبند کر لیا جاتا اور اعلان کر دیا جاتا کہ فلاں راجہ اتنے سال حکمران رہا اور اس نے شاہی تالاب میں اتنی اتنی تعداد میں سونے کی اینٹیں چھوڑیں، جنہیں اس کی وفات پر رعایا میں تقسیم کر دیا گیا، جاوا کے باشندے اُس راجہ پر فخر کرتے ہیں جس کی مدتِ حکومت دراز ہو اور اسی تناسب سے اس کا ترکہ زیادہ اینٹوں پر مشتمل ہو۔

جاوا کے راجاؤں کا ایک (دلچسپ اور سبق آموز) قصہ یہ ہے کہ عہدِ قدیم میں تھائی لینڈ (قمار) میں ایک نوعمر اور شر پسند راجہ حکمران تھا، قمار وہ سرزمین ہے جہاں سے قماری صندل برآمد ہوتا ہے اور وہ کوئی جزیرہ نہیں ہے بلکہ اس رقبۂ ارض پر واقع ہے جو (مغرب کی طرف پھیلتا ہوا) عراق و عرب تک چلا گیا ہے۔ تھائی لینڈ (قمار) سے زیادہ کسی دوسرے ملک میں آبادی نہیں ہے، یہاں کے باشندے سفر کے بہت عادی ہیں، زنا اور ہر قسم کے مسکر شربت سے پرہیز کرتے ہیں، چنانچہ ان کا ملک ان دونوں برائیوں سے قطعاً پاک ہے۔ قمار، مملکت مہراج اور مشہور جزیرہ جاوا (زابج) کے بالمقابل واقع ہے اور ان دونوں کے مابین معتدل ہواؤں میں دس سے بیس دن کی بحری مسافت شمالاً جنوباً پائی جاتی ہے۔ ایک دن یہ نوعمر راجہ اپنے محل میں بیٹھا ہوا تھا جو ایک خلیج (وادی) کے کنارہ واقع تھا اور جس میں دجلہ کی طرح میٹھا پانی بہتا تھا، اس کے محل سے سمندر کا فاصلہ ایک دن کی مسافت کے بقدر تھا اس وقت مہراج کی سلطنت، اس کی عظمت و رونق اور مہراج کے ماتحت کثیر التعداد جزیروں کا ذکر چھڑا ہوا تھا، راجہ نے اپنے وزیروں سے کہا:

میری ایک دلی تمنا ہے جس کی میں تکمیل چاہتا ہوں۔ وزیر جو خیر اندیش آدمی تھا اور راجہ کی شر پسندی سے واقف، بولا: مہاراج وہ تمنا کیا ہے؟ راجہ نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ مہراج، راجہ جاوا کا سر ایک تھال میں اپنے سامنے دیکھوں! وزیر کو معلوم ہوگیا کہ حسد نے راجہ کے دل میں یہ آرزو پیدا کی ہے، اس نے کہا: میری رائے میں یہ مناسب نہیں کہ آپ اس خیال کو اپنے دل میں جگہ دیں جب کہ ہمارے اور راجہ جاوا کے درمیان نہ تو قولاً اور نہ فعلاً کوئی ایسی بات ہوئی ہے جس کا انتقام لیا جائے، نہ ان کی طرف سے ہمیں کوئی نقصان یا ایذا پہنچی ہے، وہ ہم سے الگ تھلگ ایک دور افتادہ جزیرہ میں رہتے ہیں اور انہوں نے کبھی ہماری سلطنت پر لالچ کی نظر نہیں ڈالی ہے، مناسب نہیں کہ آپ کی اس بات کا کسی کو علم ہو اور بہتر ہے کہ آپ پھر کبھی اس ارادہ کا زبان سے اعادہ نہ فرمائیں۔ راجہ ناراض ہوگیا اور خیر اندیش وزیر کی بات نہ مانی اور اپنے ارادہ سے اپنے فوجی افسروں اور دوسرے اکابر کو مطلع کیا، اس کے ارادہ کی خبر اڑ گئی اور ہر طرف اس کے چرچے ہونے لگے، مہراج کو بھی اس کا علم ہوگیا، وہ دانا، مستعد، پختہ کار اور ادھیڑ عمر آدمی تھا، اس نے اپنے وزیر کو طلب کیا اور راجہ قمار کے ارادہ سے اس کو باخبر کرکے کہا: اس نو عمر اور ناتجربہ کار جاہل نے جو آرزو دل میں بسائی ہے اس سے ہمارے ملک کی ساکھ، عزت اور آبرو کو بٹا لگے گا اس لیے ضروری ہے کہ اس کی آرزو باطل کرنے کے لیے مؤثر تدبیر کی جائے۔ مہراج نے وزیر کو تاکید کی کہ اس کی گفتگو صیغۂ راز میں رکھے اور ہزار متوسط درجہ کے جہاز تیار کرائے اور ہر جہاز کو ضروری ہتھیاروں اور بہادر سپاہیوں سے مسلح کرے۔ مہراج نے ظاہر کیا کہ وہ اپنی قلمرو کے جزیروں کو سیر و سیاحت کے لیے جا رہا ہے، اس نے ان ماتحت راجاؤں کو لکھا جو ان جزیروں میں حکمران تھے کہ وہ ان سے ملاقات اور ان کے جزیروں میں سیر و تفریح کے لیے آرہا ہے، یہ خبر مشتہر ہوگئی اور ہر جزیرہ کے حاکم نے مہراج کے شایانِ شان تیاری کرلی، جب جہاز تیار ہوگئے اور سارے فوجی انتظام مکمل تو مہراج ان کے ساتھ سرزمین قمار کی طرف[1] چل دیا، مہراج اور اس کے ساتھیوں کو ہمیشہ

---

[1] یہاں مہراج کے قول میں کچھ تشنگی پائی جاتی ہے، جسے ہم نے ترجمہ میں اپنی صوابدید سے پورا کر دیا ہے۔

مسواک کرنے کی عادت تھی، ہر شخص دن میں کئی بار مسواک کرتا تھا اور ہر شخص کی مسواک اس کے پاس کے غلام کے پاس رہتی تھی۔ [1] راجہ قمار کو مہراج کی آمد کا اس وقت علم ہوا جب وہ اس خلیج (وادی) میں آپہنچا جو راجہ کے محل کو جاتی تھی، مہراج نے فوجیں اتار دیں جنہوں نے راجہ کو بے خبری کی حالت میں گرفتار کر لیا اور محل پر قابض ہو گئے۔ راجہ کے اکابرِ مملکت بھاگ گئے۔ مہراج نے منادی کرا کے سب کو امان دیدی۔ اس کے بعد وہ راجہ قمار کے تخت پر جا بیٹھا، راجہ قمار اور اس کے وزیر کو مہراج کے سامنے حاضر کیا گیا، مہراج نے راجہ سے پوچھا: تم نے ایسی تمناکیوں کی جس کا حاصل کرنا تمہارے بس سے باہر تھا اور جسے اگر تم حاصل کر بھی لیتے تب بھی تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا! راجہ قمار کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مہراج نے کہا: اگر تم میرا سر اپنے سامنے تھال میں دیکھنے کے علاوہ میری سلطنت پر ہاتھ ڈالنے یا اسے ذرا بھی نقصان پہنچانے کی آرزو کرتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا لیکن تم نے صرف میرا سر چاہا تھا اس لئے میں بھی صرف تمہارا سر ہی اتاروں گا اور تمہارے ملک کی کسی چیز کی طرف چھوٹی ہو یا بڑی نظر اٹھائے بغیر اپنے ملک کو لوٹ جاؤں گا تاکہ تمہارے جانشین عبرت پکڑیں اور ہر شخص اپنی حد سے نہ بڑھے اور جو اس کو ملا ہے اس پر اکتفا کرے اور عافیت کو غنیمت خیال کرے۔ یہ کہہ کر اس نے راجہ کا سر اتار لیا، پھر اس کے وزیر کی طرف متوجہ ہو کر بولا: خدا تمہیں جزائے خیر دے منتری جی، مجھے معلوم ہے کہ تم نے راجہ کو نیک مشورہ دیا تھا، کاش وہ اس پر عمل کرتا، اس جاہل کے بعد حکومت کے لئے جو شخص مناسب ہو اس کو راجہ بنا دو، یہ کہہ کر مہراج بے درنگ اپنے ملک کو واپس لوٹ گیا، اس نے یا اس کے کسی امیر نے تھائی لینڈ کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔

اپنے ملک واپس جا کر وہ تخت پر بیٹھا، سونے کی اینٹوں والے تالاب پر نظر ڈالی اور وہ تھال جس میں راجہ قمار کا سر تھا اپنے سامنے رکھوایا، مملکت کے اعیان واکابر کو جمع کیا اور انہیں سارا ماجرا سنایا، سب نے درازیٔ عمر اور جزائے خیر کی اس کو دعا دی، مہراج کے حکم سے راجہ کے سر کو غسل دیا گیا اور خوشبو لگائی گئی، پھر اس نے ایک صندوق میں سر کو بند کر کے جانشین راجہ کے

[1] یہاں یہ تصریح بے محل معلوم ہوتی ہے۔ شاید کچھ عبارت نقل ہونے سے رہ گئی ہے۔

پاس اس خط کے ساتھ بھیجدیا۔ جہارے پیش رو کے ساتھ ہمارے اس سلوک کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ہم پر ناحق دست درازی کا ارادہ کیا تھا، ہم اس کا سر تمہیں لوٹا رہے ہیں، ہمیں اس کے روکنے سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اس کا سر اتارنے میں ہمیں کامیابی ہوئی ہے۔

یہ خبر ہندوستان اور چین کے راجاؤں کو پہنچی تو مہراج کا وقار ان کی نظر میں بہت بڑھ گیا، اور راجگان قمار تو اس واقعہ کے بعد مہراج کا احترام ظاہر کرنے کے لیے ہر صبح اس کے ملک کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا کرتے تھے۔

ابن رستہ[1] :

جاوا (زانج) کے بڑے راجہ کا لقب مہراج ہے۔ جس کے معنی ہیں راجاؤں کا راجہ، ہندوستان[2] کے راجاؤں میں کوئی دوسرا راجہ اس سے بڑا نہیں مانا جاتا، وجہ یہ ہے کہ وہ (بہت سے چھوٹے بڑے) جزیروں کا مالک ہے اور ایسا کوئی دوسرا راجہ معلوم نہیں جو دولت، طاقت اور آمدنی میں اس سے زیادہ ہو۔ مشہور ہے کہ جوئے کے مرغوں سے اسے ہر دن پچاس پونڈ (من) سونا حاصل ہوتا ہے اور یہ اس طرح کہ غالب مرغے کی ملک کا وہ حقدار ہوتا ہے لیکن مرغے کا مالک ایک مثقال (تقریباً ساڑھے چار ماشے) یا اس کے لگ بھگ سونا دیکر مرغا چھڑا لیتا ہے، مرغا لڑانے کا اس کی حکومت میں بہت رواج ہے۔

مہراج کی قلمرو میں لوگ آگ کے ذریعہ حلف لیتے ہیں، ہندوستان میں ایک شہر قنصور[3] ہے

---

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۱۳۷، ۱۳۸۔ [2] عرب جغرافیہ نویس اور سمندری تاجر ہندوستان کی مشرقی سرحد ویتنام تک وسیع بتاتے ہیں اور موجودہ ہندوستان اور ویتنام کے درمیان جتنے ملک ہیں۔ برما، ملایا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ اور کمبوڈیا ان سب پر ہندوستان کا اطلاق کرتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان سارے ملکوں پر قدیم زمانہ میں ہندی برہمن اور بدھ مہاجروں نے حکومتیں قائم کر لی تھیں جن کے زیر سایہ ہندی تہذیب، رسوم، فلسفہ اور مذہب ان ملکوں میں پھیل گیا تھا۔ [3] بظاہر ہندوستان کی جگہ یہاں ساترا (رامی) ہونا چاہیے کیونکہ فنچور (قنصور) اس کے جنوب مغربی ساحل کا ایک شہر ہے، راوی نے مجازاً ساترا کے لئے ہندوستان کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ جاوا اور ساترا پر ہندوستانی تہذیب و تمدن کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی۔

یہاں کا رواج ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے پر حاکم کے حضور مقدمہ دائر کرتا ہے تو مدعی علیہ کہتا ہے کہ میں آگ اٹھانے کے لئے تیار ہوں، یہ ایسے مقدموں میں جن کا تعلق قرض یا شادی شدہ عورت سے زنا یا چوری یا کسی دوسرے واجب القتل جرم سے ہوتا ہے، حاکم کے حکم سے ایک پونڈ یا زیادہ لوہا آگ میں تپایا جاتا ہے، اس کے بعد سات پتے لیتے ہیں جو موٹائی اور مضبوطی میں درختِ غار کے پتوں کی طرح ہوتے ہیں، ان کی تہ مدعی علیہ کی ہتھیلی پر رکھدی جاتی ہے اور چمٹے سے ان پر جلتا ہوا لوہا رکھدیا جاتا ہے اس حالت میں وہ سات بار سو قدم کے بقدر آگے پیچھے چلتا ہے اگر پتے مع ہاتھ کے جل جائیں تو مجرم ٹھہرتا ہے اور قتل کے جرم میں ماخوذ ہو تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور اگر اس پر قرضہ کا دعویٰ ہو تو اس سے قرض ادا کرایا جاتا ہے، اگر وہ قلاش ہو تو حاکم اسے بیچ ڈالتا ہے، اگر اس کا ہاتھ نہیں جلتا تو مقدمہ منسوخ کر دیا جاتا ہے اور مدعی کو جھوٹا قرار دیکر اس سے وہ رقم وصول کی جاتی ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا

بزرگ بن شہریار :

بلاد ذہب اور جاوا (زانج) کے راجاؤں کی درباری رسوم میں سے ایک رسم یہ تھی کہ ان کے سامنے ہر پردیسی مسلمان کو چاہے وہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہوتا اس کی رعایا کے ہر فرد کی طرح دو زانو ہو کر بیٹھنا پڑتا تھا، اس رسم کا نام بریسلا ہے، اگر کوئی شخص راجہ کے سامنے پیر پھیلا دے یا دو زانو ہو کر نہ بیٹھے تو حسب حیثیت اس پر بھاری جرمانہ کیا جاتا ہے، اتفاق ایسا ہوا کہ جاوا (زانج) کے ایک راجہ کے دربار میں جس کا نام سرناکلہ تھا جہور کوتاد نامی ایک بڑا جہاز کپتان آیا، یہ بہت سن رسیدہ آدمی تھا، اسے راجہ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھنا پڑا، راجہ حاضرین سے باتیں کر رہا تھا، دیر ہو گئی لیکن راجہ نے جلسہ ختم نہیں کیا اور یہ بوڑھا کپتان بہت دیر تک دو زانو بیٹھنے سے شل ہو گیا، اس نے راجہ

---

۱ متن میں المثانۃ بالتاء المثناۃ الفوقانیہ کی جگہ غلطی سے المثانۃ بالثاء المثلثہ قلمبند ہوا ہے۔

۲ لمبے اور خوشبودار پتوں والا ایک درخت جس کا ہندی نام ہمیں معلوم نہیں ہوسکا۔

۳ متن میں المدعی کی جگہ المدعیٰ علیہ ہے۔ ۴ عجائب الہند (لائیڈن) ص ۱۵۶، ۱۵۵ و ۱۳۷۔

۵ بلاد ذہب سے مغربی ہندوستان، سماترا اور متعلقہ جزیرے مراد لئے جاتے ہیں جہاں سونے کی کانیں تھیں۔

کے سامنے ایک نئے موضوع پر گفتگو چھیڑ دی اور اپنی باتوں میں کنعد مچھلی کے حالات بیان کرنے لگا۔ اس نے کہا: ہمارے ہاں عمان میں ایک مچھلی ہوتی ہے جسے کنعد کہتے ہیں، اس کی لمبائی اتنی ہوتی ہے، یہ کہہ کر اس نے اپنا پیر پھیلا دیا اور اپنی نصف ران پکڑ لی، اور بعض کنعد مچھلیاں اتنی لمبی ہوتی ہیں اور یہ کہہ کر اس نے دوسرا پیر پھیلا دیا اور اپنی کمر پکڑ لی۔ راجہ نے اپنے وزیر سے کہا: ضرور کوئی وجہ ہے کہ اس شخص نے ایسا کیا ہے، ہماری گفتگو میں اس کا مچھلی کا ذکر چھیڑ دینا خالی از علت نہیں۔ وزیر نے کہا: مہاراج یہ شخص بوڑھا اور کمزور ہے اور (دیر تک) دوزانو بیٹھنا اس کے لیے مشکل ہے، جب تھک گیا تو اس نے پیر پھیلانے کا بہانہ تلاش کر لیا۔ راجہ: مناسب ہے کہ ہم دوزانو بیٹھنے کی پابندی سے پردیسی مسلمانوں کو معافی دیدیں، چنانچہ مسلمانوں کے لیے یہ پابندی اٹھا دی گئی اور وہ آج تک یہاں کے راجاؤں کے سامنے جس طرح چاہتے ہیں بیٹھتے ہیں۔

یوسف بن مہران سیرانی تاجر نے جو جاوا (زابج) کا سفر کر چکا تھا مجھ سے بیان کیا کہ میں نے مہاراجہ جاوا کے دارالسلطنت میں اتنے شاندار بازار دیکھے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہیں نے اس شہر کے صرافہ میں آٹھ سو صراف گنے، یہ ان کے علاوہ ہیں جو باقی بازاروں میں موجود ہیں، یوسف نے جزیرہ جاوا کی غیر معمولی آبادی اور رونق اور وہاں کے کثیر تعداد شہروں اور دیہاتوں کے بارے میں ایسی باتیں بتائیں جن کی تفصیلات بیان کرنا مشکل ہے۔

ہندوستان کے جانور

گینڈا

ابن خرداذبہ[۱]:

گینڈا ایک چوپایہ ہے جس کی پیشانی پر ڈیڑھ فٹ (ذراع) لمبا اور دو مٹھی چوڑا سینگ ہوتا ہے، اس پر شروع سے آخر تک ایک شکل بنی ہوتی ہے، جب سینگ کاٹا جاتا ہے تو کالی

---

[۱] المالک والممالک ص ۶۷۔

سفید چادر[1] کی طرح اس کی کالی زمین پر سفید شکل نظر آتی ہے، یہ شکل کبھی انسان سے ملتی جلتی ہوتی ہے، کبھی کسی چوپایہ سے، کبھی مچھلی، مور یا کسی دوسرے پرندے سے۔ چین کے لوگ سینگ سے پٹکے بناتے ہیں، ایک پٹکے کی قیمت پندرہ سو روپے (تین سو دینا) سے پندرہ اور بیس ہزار روپے (تین اور چار ہزار دینار) تک ہوتی ہے۔

سلیمان[2] تاجر:

(راجۂ بنگال و آسام) دھرما (رہمی)[3] کی قلمرو میں بشان[4] معلم (اندر سے منقوش سینگ والا) گینڈا پایا جاتا ہے، اس کی پیشانی کے اگلے حصہ پر ایک سینگ ہوتا ہے جس پر انسان سے ملتی جلتی شکل بنی ہوتی ہے، پورا سینگ کالا ہوتا ہے اور اس کے وسط میں شکل سفید ہوتی ہے۔ گینڈے کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے، جسامت میں ہاتھی[5] سے چھوٹا اور بھینس سے ملتا جلتا ہے، جسمانی قوت میں کوئی جانور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے ہاتھوں اور گھٹنوں میں جوڑ نہیں ہوتے، پیر سے بغل[6] تک صرف ایک ہڈی ہوتی ہے، ہاتھی اس سے بھاگتا ہے۔ گائے اور اونٹ کی طرح گینڈا جگالی کرتا ہے، اس کا گوشت حلال ہے، ہم نے کھایا بھی ہے۔ اس مملکت (بنگال و آسام) کے جنگلوں میں بکثرت پایا جاتا ہے، ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی موجود ہے لیکن بنگال و آسام والے گینڈے کے سینگ زیادہ عمدہ ہوتے ہیں، کبھی سینگ پر مرد کی تصویر بنی ہوتی ہے، کبھی مور کی، کبھی مچھلی کی، ان کے علاوہ ہر قسم کے دوسرے خاکے بھی ہوتے ہیں۔ چین کے باشندے اس کے پٹکے بناتے ہیں، ان کے ملک میں گینڈے کے سینگ کے ایک پٹکے

---

[1] متن کا لسیج بالجیم المعجمۃ ہمارے خیال میں السیح بالحاء المہلۃ کی تحریف ہے، سیح ایسی چادر یا عبا کو کہتے ہیں جس پر کالی سفید دھاریاں یا بوٹے بنے ہوں۔ [2] سلسلۃ التواریخ ۱/۳۰

[3] دھرم پال مراد ہے جس نے ۸۰۰ء تا ۸۲۵ء اور بقول بعض ۷۶۹ء تا ۸۰۱ء حکومت کی۔

[4] پیش نظر کسی عربی یا فارسی قاموس میں یہ لفظ نہیں ملا بعض کتابوں میں ب کی بجائے ن سے مکتب ہے۔

[5] متن کا الخیل بالخاء المعجمۃ الفیل بالفاء کی تصحیف ہے۔

[6] متن میں من لدن رجلہ الی ابطہ ہے، ہمارے خیال میں یہاں ابطہ کی جگہ فخذ ہونا چاہیے۔

کی قیمت دس ہزار روپے (دو ہزار دینار) اور کبھی پندرہ ہزار روپے (تین ہزار دینار) ہوتی ہے، سینگ پر مرتسم شکل کی خوبصورتی کے لحاظ سے کبھی قیمت اس سے بھی زیادہ اٹھتی ہے، سینگ دھرما (رہمی) کی قلمرو سے کوڑیوں کے عوض جو یہاں کا سکہ ہے خرید لے جاتے ہیں۔

مسعودی[1]:

دھرما (رہمی) کی قلمرو میں مشہور چوپایہ نشان مُعَلَّم پایا جاتا ہے، جسے عوام گینڈا (کرکدن) کہتے ہیں، اس کی پیشانی کے اگلے حصہ پر ایک سینگ ہوتا ہے، جسامت میں ہاتھی سے چھوٹا اور بھینس سے بڑا ہوتا ہے، رنگ سیاہی مائل، گائے اور دوسرے جگالی کرنیوالے جانوروں کی طرح جگالی کرتا ہے، ہاتھی اس سے دور بھاگتا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے لیکن (جہاں تک ہمیں معلوم ہے، جانوروں کی دنیا میں) اس سے زیادہ مضبوط اور طاقتور کوئی دوسرا جانور نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بیشتر ہڈیاں سخت ہوتی ہیں اور اس کی ٹانگوں میں جوڑ نہیں ہوتے، سونے کے لئے لیٹتا بیٹھتا نہیں ہے، درختوں اور جھاڑیوں میں رہتا ہے اور ان کا سہارا لے کر سو لیتا ہے، ہندو اس کا گوشت کھاتے ہیں اور رود مسلمان بھی جو ان کے ملک میں موجود ہیں کیونکہ وہ گائے کی جنس کا جانور ہے۔ ہندوستان اور سندھ دونوں میں بھینسیں بہت ہوتی ہیں۔

گینڈا یعنی نشان ہندوستان کے اکثر جنگلوں میں پایا جاتا ہے لیکن راجہ دھرما (رہمی) کی قلمرو (بنگال و آسام) میں زیادہ ہوتا ہے۔ نیز بنگالی گینڈا کے سینگ زیادہ صاف اور خوشنما ہوتے ہیں، اور یہ اس طرح کہ اس کا سینگ سفید ہوتا ہے اور اس کے وسط میں کالی تصویر ہوتی ہے اور یہ تصویر یا تو انسانی شکل سے مشابہت رکھتی ہے یا مور سے مع اس کے نقش و نگار کے یا مچھلی یا خود اس کی اپنی شکل سے یا اس علاقہ کے کسی دوسرے جانور سے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ سینگ آری سے کاٹا جاتا ہے اور اس سے سونے چاندی کے زیورات کی طرح کے پٹکے بنائے جاتے ہیں، چین کے بادشاہ یہ پٹکے باندھتے ہیں اور وہاں کے بڑے لوگوں میں اس طرح کے پٹکے استعمال کرنے کی ایک دوڑ سی رہتی ہے اور ان کی خوب خوب قیمت

---

[1] مروج الذہب (مصر) ۱/۱۷۱۔

ادا کرتے ہیں، چنانچہ ایک پٹکے کی قیمت دس ہزار سے تیس ہزار روپے (چار ہزار دینار) تک اٹھتی ہے۔ اس میں سونے کے کنڈے بڑے سلیقہ اور خوبصورتی سے لگے ہوتے ہیں اور کبھی پٹکوں میں مختلف قسم کی جواہرات جڑی سونے کی ڈنڈیاں لگی ہوتی ہیں۔ سینگ کی شکلوں کے چہرے سفید زمین پر سیاہ خطوط سے بنے ہوتے ہیں بعض اوقات سینگ کالا ہوتا ہے اور اس پر شکل سفید خطوط سے بنی ہوتی ہے (دھرما دیہی) کی سلطنت کے علاوہ) ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں گینڈے کے سینگ پر ہمیشہ ایسے خاکے نہیں ہوتے جیسا ہم نے ابھی بیان کئے۔

عمرو بن بحر جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) نے تصریح کی ہے کہ گینڈے کا بچہ ماں کے پیٹ میں سات سال رہتا ہے نیز یہ کہ وہ اپنا سر ماں کے پیٹ سے باہر نکال کر گھاس چرتا ہے اس کے بعد پھر سر اندر کر لیتا ہے، جاحظ نے یہ بات اپنی کتاب الحیوان میں بطور روایت بیان کی ہے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے، میرے دل میں جاحظ کے اس بیان کی تحقیق کا داعیہ پیدا ہوا چنانچہ میں ذیسراف اور عمان کے ان باشندوں سے جو ہندوستان آتے جاتے رہتے ہیں نیز ان (عرب) تاجروں سے جن سے ہندوستان میں میری ملاقات ہوئی جاحظ کی رائے کا ذکر کیا تو سب حیران ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ گینڈے کا بچہ اتنے ہی عرصہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اور اتنے ہی عرصہ دودھ پیتا ہے جتنا گائے اور بھینس کا بچہ۔

بیرونی:

گینڈا (گندا) ہندوستان میں بہت ہوتا ہے اور خاص طور پر گنگا کے آس پاس شکل و ہیئت میں بھینس سے ملتا جلتا ہے، اس کی کھال سیاہ اور کھردری ہوتی ہے اور اس کی ٹھوڑی کے نیچے گوشت کی جھالر لٹکتی ہے، اس کے ہر پیر میں تین زرد رنگ کے کھر ہوتے ہیں جن میں سے ایک بڑا آگے کی طرف ابھرا ہوتا ہے اور باقی دو دائیں اور بائیں جانب، اس کی دم لمبی نہیں ہوتی آنکھیں مقررہ جگہ سے ہٹ کر نیچے کلوں کی طرف جھکی ہوتی ہیں۔ ناک کے سرے پر ایک سینگ ہوتا ہے اوپر کی طرف مڑا ہوا، گینڈے کا گوشت خاص طور پر برہمن کھاتے ہیں؛ میں نے ایک جوان گینڈے کو دیکھا کہ اس نے اپنے سینگ

---

[1] کتاب الہند ص ۱۰۰-۹۹۔ [2] متن کا صفر بالصاد المہملۃ حضر بالحاء المہملۃ کی تصحیف ہے۔

سے ایک ہاتھی کا جو اس کے سامنے آگیا تھا یا زو زخمی کر دیا اور اس کے سینگ مارے۔ میں خیال کرتا تھا کہ گینڈے ہی کو کرکدن کہتے ہیں لیکن (مشرقی افریقہ کے شہر) سُفالہ سے آئے ہوئے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ افریقہ کا کرک (گینڈا) جس کے سینگ سے وہاں چھریوں کے دستے بنائے جاتے ہیں، ہندوستانی گینڈے سے مشابہت رکھتا ہے اور حبشی زبان میں اسے اِنپیلا کہتے ہیں، وہ مختلف رنگوں کا ہوتا ہے، اس کے سر پر ایک مخروطی سینگ ہوتا ہے جس کا زیریں حصہ چوڑا کم اونچا اور اندر سے کالا ہوتا ہے لیکن باقی حصہ سفید ہوتا ہے۔ اس کی پیشانی پر پہلے سینگ سے لتا جلتا لیکن اس سے زیادہ بڑا ایک دوسرا سینگ ہوتا ہے۔ جو استعمال اور مقابلہ کے وقت سیدھا ہوجاتا ہے یہ سینگ اِنپیلا پتھروں پر اس قدر رگڑتا ہے کہ اس میں چمک اور کاٹنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اِنپیلا کے کھر ہوتے ہیں اور گدھے کی طرح بال بھری دم۔

شَرَو

لوگ بتاتے ہیں کہ کونکن[1] کے جنگلوں میں جو وانک کے نام سے مشہور ہیں شرو نامی ایک جانور پایا جاتا ہے جس کے چار پیر ہوتے ہیں اور اس کی پیٹھ پر بھی پیروں سے ملتے جلتے چار مزید ابھار پائے جاتے ہیں۔ شرو کی ایک چھوٹی سونڈ ہوتی ہے اور دو بڑے سینگ جن سے وہ ہاتھی کو مار کر دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ شکل وصورت میں بھینس کی طرح اور جسامت میں گینڈے سے بڑا ہوتا ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ وہ کبھی کسی چوپائے پر سینگ سے حملہ کرتا ہے اور اسے یا اس کے کسی حصہ کو پیٹھ کی طرف اٹھا لیتا ہے اور وہ بالائی پیروں میں پھنس کر سڑ گل جاتا ہے اور اس کے زخموں سے بدبو آنے لگتی ہے اور ان میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور پھر یہ کیڑے اس کی پیٹھ (کے گوشت) میں پھیل جاتے ہیں۔ شرو پیٹھ کو درختوں سے رگڑتا پھرتا ہے یہاں تک کہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ کبھی بادل کی گرج سنتا ہے تو اسے جانور یاد کر کے اس کی طرف لپکتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے گھاٹیوں کی چوٹی تک چلا جاتا ہے اور وہاں اسے (بادل کی آواز سن کر) اس کی طرف کودتا ہے اور گر کر ہلاک اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔

---

[1] بمبئی سے منگلور تک کا علاقہ۔

گھڑیال ۔ بَرلُو ۔ گراہ

ہندوستان کے دریاؤں میں نیلِ مصر کی طرح گھڑیال پائے جاتے ہیں (اس مماثلت کے باعث جاحظ نے اپنی سادہ لوحی اور دریاؤں کی رہگذر اور سمندروں کی شکل وصورت سے ناواقفیت کی بنا پر خیال کر لیا کہ دریائے سندھ (مہران) نیلِ مصر کی ایک شاخ ہے۔ ہندوستانی دریاؤں میں عجیب و غریب جانور پائے جاتے ہیں جیسے مگر اور طرح طرح کی حیران کن مچھلیاں اور ایک جانور مشک کی طرح ہوتا ہے جو کشتیوں کے سامنے آکر تیرتا اور کھیلتا ہے اسے بَرلو کہتے ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ دلفین (DOLPHIN) یا اس کی کوئی قسم ہو کیونکہ لوگ بتاتے ہیں کہ اس کے سر پر سانس لینے کے لئے ایک شگاف ہوتا ہے جیسا کہ دلفین مچھلی کے سر پر ہوتا ہے ۔

گراہ

ہندوستان کے جنوبی دریاؤں میں گراہ نامی ایک جانور پایا جاتا ہے جسے کبھی جلتت اور تندو بھی کہتے ہیں ، یہ پتلا اور خوب لمبا ہوتا ہے ، باخبر لوگوں کا بیان ہے کہ گراہ پانی میں داخل ہونے والے کی خواہ وہ انسان ہو یا جانور تاک میں رہتا ہے اور دور رہتے ہوئے اس کے جسم میں لپٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا سارا لمبا جسم لپٹ جاتا ہے تو وہ سمٹتا اور سکڑتا ہے اور اپنے شکار کے پیروں پر لپٹ جاتا ہے اور اسے گرا کر ہلاک کر دیتا ہے ۔ ایک عینی شاہد نے مجھے بتایا کہ گراہ کا سر کتے کی مانند ہوتا ہے اور اس کی دم میں بہت سی لمبی لمبی شاخیں ہوتی ہیں ، جنہیں وہ جانور پر اسے غافل پا کر لپیٹ دیتا ہے (اس طرح شکنجہ میں کس کر) وہ اسے دم کی طرف کھینچتا ہے اور دم کو اس مضبوطی سے اپنے شکار پر کستا ہے کہ اس کا نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے ۔

بزرگ بن شہریار[1]:

زہریلے سانپ

مجھ سے منصورہ (سندھ) کے ایک باشندے نے بیان کیا جس نے مالکبید[2] (مارکین) کا سفر کیا تھا

---

[1] عجائب الہند ص۔ [2] الکبید راشٹرا کوٹا راجاؤں کا پایہ تخت مراد ہے نربدا سے تین سو پچاس میل جنوب میں

یک شہر ہے جس کے اور ساحل لاڑ (الاؤ) کے درمیان سینکڑوں فرسخ مسافت ہے اور یہاں
(لہوا) کی حکومت ہے کہ مالکھید کے بعض پہاڑوں میں چھوٹے زہریلے چتکبرے اور مٹیالے سانپ
۔ اگر یہ سانپ انسان کو دیکھ لے قبل اس کے کہ انسان اس کو دیکھے تو سانپ مرجاتا ہے اور اگر
دیکھ لے قبل اس کے کہ سانپ اس کو دیکھے تو انسان مرجاتا ہے اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے
کو دیکھ لیں تو دونوں مرجاتے ہیں۔ یہ سانپ بیحد زہریلا اور موذی ہوتا ہے۔

مجھ سے جعفر بن راشد معروف بہ ابن لاکیس نے جو بلاد ذہب (جنوب مغربی ہندوستان و سماترا)
کا مشہور بحری کپتان تھا بیان کیا کہ چول (صیمور) کی کھاڑی میں ایک سانپ آیا اور ایک بڑا
حصہ بل گیا۔ یہ خبر چول (صیمور) کے گورنر کو موصول ہوئی تو اس نے سانپ پکڑنے پر آدمی مامور
کئے جن کی تعداد بڑھتے بڑھتے تین ہزار سے زیادہ ہوگئی۔ انہوں نے سانپ پکڑ لیا اور اس کی
گردن میں رسیاں باندھیں، بہت سے سپیرے بھی جمع ہوگئے اور انہوں نے سانپ کے دانت اکھاڑ
کر اسے رسیوں سے باندھ دیا (اس عمل میں) اس کے سر سے کان تک کا حصہ زخمی ہوگیا۔ اس کی
لمبائی ناپی گئی تو ساٹھ فٹ (چالیس ذراع) نکلا۔ لوگ اسے گردنوں پر اٹھا کر لے گئے۔ اس کے وزن کا اندازہ
ایک ہزار من کیا گیا۔ یہ سنہ ۹۵۱ء کا واقعہ ہے۔[۳]

ایک ملاح نے کیولان (کولم ملی کیرالا) کے سانپوں کے حالات بیان کئے جنہیں سن کر حیرت ہوتی
ہے۔ اس نے بتایا کہ وہاں ناغراتی نامی ایک سانپ ہوتا ہے جس کے جسم پر نقطے ہوتے ہیں اور سر پر ہرے
رنگ کی صلیب بنی ہوتی ہے، یہ حسب جسامت اپنا سر زمین سے ایک یا دو ہاتھ (ذراع) اونچا اٹھاتا
ہے، پھر سر اور کنپٹیوں کو اتنا پھلاتا ہے کہ وہ کتے کے سر کی طرح ہوجاتا ہے، یہ سانپ اتنا تیز بھاگتا
ہے کہ کوئی نہیں پکڑ سکتا اور جس چیز کو وہ خود پکڑنا چاہے اسے پکڑ لیتا ہے اور جب کسی کو ڈستا ہے
تو وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ کیولان (کولم ملی) میں ابن خالد نامی ایک مسلمان ہے صوم وصلوٰۃ کا پابند، جسے

---

[۱] یہ اڑے گو آنک کا ساحلی علاقہ اور بقول بیرونی بھڑوچ سے تھانہ تک۔ [۲] چول موجودہ ضلع کولابا کا ایک مشہور
بندرگاہ۔ [۳] سلسلۃ التواریخ ص ۱۴۳-۱۴۴۔ [۴] غالباً ناگ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

مقامی زبان میں بنجی کہتے ہیں، وہ سانپ کے کاٹے کا منتر جانتا ہے۔ کبھی کبھی اگر مارگزیدہ کے خون میں زہر جڑ پکڑ لیتا ہے تو منتر کا اثر نہیں ہوتا لیکن زیادہ تر وہ لوگ بچ جاتے ہیں جن پر بنجی منتر کرتا ہے، ناغزان اور دوسرے سانپوں کے کاٹے کا اس علاقہ کے بہت سے ہندو بھی منتر کرتے ہیں لیکن بنجی کا منتر کم ہی خطا کرتا ہے[1]۔

مجھ سے ابوالحسن نے اور ان سے محمد بن بابشاد (سیرانی) نے بیان کیا کہ میں نے غُب سرندیپ لنکا کے بالمقابل ہندوستان کے ساحلی علاقے میں سانپوں کے انوکھے[2] اور سانپ کا منتر کرنیوالوں کے حیرت انگیز مشاہدات کئے۔ میں نے برسٹ[3] (؟) سے قریب ایک شہر میں دیکھا کہ جب کسی کو زہر یلا سانپ کاٹ لیتا ہے تو وہاں کے لوگ سانپ کٹے پر منتر پڑھتے تھے، اگر سانپ کٹا منتر سے ٹھیک نہ ہوتا تو اسے لکڑی کے ایک تخت پر لٹا کر سمندر میں گرنیوالے دریا میں چھوڑ دیتے، یہاں کے سارے یا اکثر[4] باشندوں کے مکان دریا کے کنارے واقع ہیں اور سب جانتے ہیں کہ سانپ کٹے کو تخت پر ڈال کر پانی میں ڈالا جاتا ہے۔ باشندوں میں سے جس جس کو سانپ کاٹے کا منتر آتا ہے وہ تخت روک کر سانپ کٹے پر منتر پڑھتا ہے، اگر منتر کارگر ہو جاتا ہے تو سانپ کٹا کھڑا ہو کر پیروں پیروں اپنے گھر چلا جاتا ہے اور اگر فائدہ نہیں ہوتا تو منتر کرنیوالا اُسے پانی میں چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح سارے شہر کے ہوشیار منتر والے مارگزیدہ پر اپنے علم کی آزمائش کرتے ہیں، اگر منتر کارگر ہو جاتا ہے تو وہ کھڑا ہو جاتا ہے ورنہ منتر کرنیوالا مارگزیدہ کو پانی میں چھوڑ دیتا ہے، اس طرح وہ سانپ کٹا شہر کے آخر تک چلا جاتا ہے، اگر کسی کا بھی منتر کارگر نہیں ہوتا تو دریا سانپ کٹے کو بہاتا ہوا سمندر میں لا ڈالتا ہے، جہاں وہ ڈوب جاتا ہے[5]۔

---

[1] عجائب الہند ص۱۲۰۔ [2] متن کا ظریفۃ بالظاء المعجمۃ ہماری رائے میں طریفۃ بالطاء المہملۃ کی تحریف ہے۔ [3] شاید مدوری متن کی بگڑی ہوئی شکل ہے، مدورا کے پانڈیا راجاؤں کا عظیم بندرگاہ، موجودہ راماناتھا پورم یا اس کے قریب۔

[4] متن کا اکبرھم اکثرھم کی تصحیف ہے۔

[5] عجائب الہند ص۱۲۱-۱۲۲۔

ابن فضل اللہ عمری[1]:

شیخ بہاء الدین بن سلامہ خطیب نے ہندوستان کے دیگر حالات کے ضمن میں مجھ سے بیان کیا کہ ہم نے ایک بندرپر لنگر ڈالا جس کے ایک جانب کھیتی تھی، ہم کھیت کے کنارہ فرد کش ہو گئے، ہمارے ساتھ ایک ممتاز سمندری تاجر تھا، وہ آرام کرنے کے لئے پیٹ کے بل لیٹ گیا، اس کا پیر پھیلا ہوا تھا، کھیت کے آخر سے ایک سانپ نکلا اور اس کے پیر میں کاٹ لیا! اس کے بعد جہاں سے آیا تھا وہاں چلا گیا، تاجر بیہوش ہو گیا، ہم نے اسے پلانے کے لئے تریاق نکالنا چاہا کہ ایک مقامی ہندو نے کہا: تریاق سے کام نہیں چلے گا اگر اپنے ساتھی کی زندگی چاہتے ہو تو سانپ کے منتر والے کو بلاؤ۔ ہماری خواہش پر وہ ایک شخص کو جو سانپ کاٹے کا منتر جانتا تھا بلا لایا۔ منتر والے نے سو دینار (پانچسو روپے) فیس مانگی، ہم دینے کے لئے تیار ہو گئے، اس نے ابھی منتر کے چند بول بھی پوری طرح زبان سے ادا نہیں کئے تھے کہ سانپ آ گیا، منتر والے نے کہا: اس سے کوئی کچھ تعرض نہ کرے، سانپ پیر کے پاس گیا اور وہ جگہ چوسی جہاں کاٹا تھا اس کے بعد لوٹ گیا، مار گزیدہ کھڑا ہو گیا گویا اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، ہم نے سو دینار ادا کر دیئے، ہمیں منتر کی کرامات پر حیرت ہوئی، ہم نے جلد ہی وہ جگہ چھوڑ دی اور بندر گاہ لوٹ آئے۔

ہاتھی

مسعودی[2]:

ہندو ہاتھی پالتے ہیں اور ہندوستان میں ہاتھی پیدا بھی ہوتا ہے لیکن یہاں جنگلی ہاتھی نہیں ہوتے بلکہ یا تو لڑائی کے لئے سدھائے ہوئے ہوتے ہیں یا ایسے جو گائے اور اونٹ کی طرح بار برداری کا کام کرتے ہیں، ممالک اسلامیہ کی بھینسوں کی طرح بیشتر ہاتھی مرغزاروں اور زیر آب نشیبی جنگلوں میں رہتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے ہاتھی اس جگہ سے بھاگتا ہے جہاں گینڈا موجود ہو، وہ ایسی جگہ چرتا تک نہیں جہاں سے اسے گینڈے کی بو آتی ہو۔ حبشیوں کے ملک میں ہاتھی تقریباً چار سو برس جیتا ہے، یہ دلیے جبشی

---

[1] مسالک الابصار قلمی ۲/۲۹۔ مجھ کو اشارہ عمری کی طرف نہیں بلکہ نویں دسویں صدی کے اس مؤلف کی طرف ہے جس سے عمری نے یہ اقتباس لیا ہے۔ [2] مروج الذہب (مصر) ۲/۸۰۔ ۱۳۔

اقوام کی ہے جن کے ملک اور جنگلوں میں ہاتھی پایا جاتا ہے ، بڑے ہاتھی کو جان سے مارنا بہت مشکل ہوتا ہے ، بعض ہاتھی کالے .... ہوتے ہیں بعض سفید اور بعض چتکبرے اور بعض خاکستری ، ہندوستان میں کچھ ہاتھی سو سے دو سو برس تک زندہ رہتے ہیں ۔ ہاتھی کے سات برس میں بچہ پیدا ہوتا ہے ۔

ہندوستان میں ہاتھی کو ایک قسم کے جانور سے جسے زبرق کہتے ہیں سخت خطرہ کا سامنا رہتا ہے ، یہ لال روئیں والا جانور تیندوے سے چھوٹا ہوتا ہے ، اس کی دو عجیب سی چمکدار آنکھیں ہوتی ہیں اور بڑی تیزی سے کودتا ہے ، ایک جست میں پینتالیس ، ساٹھ اور پچھتر فٹ تک بلکہ اس سے بھی زیادہ چھلانگ لگالیتا ہے ، ہاتھی کے پاس پہنچ کر وہ اس پر دُم سے اپنا پیشاب چھڑکتا ہے اور ہاتھی کو جلا دیتا ہے ، کبھی کسی آدمی کو آلیتا ہے اور اسے ختم کر ڈالتا ہے ۔ بعض لوگ زبرق کو دیکھ کر ساگون کے بلند ترین درخت پر چڑھ جاتے ہیں ، یہ درخت کھجور اور ناریل سے زیادہ اونچا ہوتا ہے ، اگر آدمی ساگون کے سب سے اونچے گدّے پر چڑھ جائے اور زبرق اس تک نہ پہنچ سکے تو وہ زمین سے چپٹ کر گدّے کی طرف جست لگاتا ہے اور اگر اب بھی آدمی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو گدّے پر اپنے پیشاب کی بوچھار کر دیتا ہے اور اگر پیشاب کی بھی آدمی تک رسائی نہیں ہوتی تو وہ زمین پر اپنا سر رکھ دیتا ہے اور ایک عجیب انداز سے چیختا ہے جس کے زیرِ اثر خون کے لوتھڑے اس کے منہ سے خارج ہوتے ہیں اور وہ فوراً مر جاتا ہے ، درخت کے جس حصہ پر بھی اس کا پیشاب گر جائے وہ حصہ جل جاتا ہے اور اگر آدمی پر اس کے پیشاب کی چھینٹ پڑ جائے تو وہ بھی نہیں بچتا اور یہی حال باقی جانداروں کا ہے ہندوستان کے راجہ زبرق کا پِتّا ، خصیہ اور جسم کے کچھ حصے اپنے خزانوں میں رکھتے ہیں ۔ ان اشیاء میں فوراً ہلاک کر دینے والا زہر ہوتا ہے اور جس ہتھیار کو ان کا زہر پلا دیا جائے اس سے مارا ہوا فوراً مر جاتا ہے ۔

ہاتھی کی طرح زبرق بھی اس جگہ نہیں ٹھہرتا جہاں گینڈا ہو ۔ ہاتھی بلّی سے بھی بھاگتا ہے ، بلّی کو دیکھ کر وہ اس کے سامنے بالکل نہیں ٹھہر سکتا ۔ فارسی بادشاہوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں دشمن کی چالوں کو بے کار کرنے اور پیادہ فوج سے گھرے اس کے جنگی ہاتھیوں سے اپنی مدافعت

کے لئے ان پر بلیاں چھوڑ دیتے تھے اور ہندوستان و سندھ کے راجہ بھی آج تک یہی حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض وقت ہاتھی سور سے بھی بھاگتا ہے۔ ایک شخص ہارون بن موسیٰ اَزد[1] ملتان میں رہتا تھا جو سندھ کی سرزمین میں واقع ہے، وہ شاعر تھا اور بڑا بہادر، وہ اپنی قوم کا رئیس بھی تھا اور سندھ کے اس حصہ میں حکومت کرتا تھا جو ملتان کی عملداری سے متصل ہے، وہ اپنے ایک قلعہ میں تھا کہ اس کا ہندوستان کے ایک راجہ سے مقابلہ ہوا، ہندوؤں نے اپنی فوج کے سامنے ہاتھیوں کا ایک دستہ بڑھا دیا، ہارون اپنی فوج کی صف سے نکلا اور دشمن کے بڑے ہاتھی کا رخ کیا۔ اس نے اپنے کپڑوں میں ایک بلی چھپا رکھی تھی، اپنے حملہ کے دوران جب وہ ہاتھی کے پاس پہنچا تو اس نے اس پر بلی چھوڑ دی ہاتھی بلی کو دیکھتے ہی منہ موڑ کر بھاگا۔ باقی لشکر کے بھی پیر اکھڑ گئے، راجہ مارا گیا اور مسلمان فتحیاب ہوئے۔

ہاتھی صرف ہندوستان اور افریقہ میں پیدا ہوتا ہے لیکن ہندی اور سندھی ہاتھیوں کے دانت اتنے بڑے نہیں ہوتے جتنے افریقہ کے ہاتھیوں کے ہوتے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان کے لوگ ہاتھی کی کھال سے ڈھال بناتے ہیں جو مضبوطی اور پائیداری میں چین، تبت اور بجاؔ[2] کی ڈھالوں سے بہتر ہوتی ہیں۔۔۔ ہاتھی کی سونڈ اس کی ناک کا کام دیتی ہے، اس کے ذریعہ وہ کھانا اور پانی پیٹ تک پہنچاتا ہے۔ سونڈ نرم ہڈی گوشت اور پٹھوں سے مرکب ہوتی ہے، اس کے ذریعہ ہاتھی لڑتا ہے، اس سے ضرب لگاتا ہے اور چیختا ہے لیکن اس کی آواز اس کی جسامت کے مطابق بڑی نہیں ہوتی ہر زبان دار جانور کی زبان کی جڑ اندر کی طرف ہوتی ہے اور زبان کا سرا باہر کی طرف لیکن ہاتھی کی زبان کا سرا اندر کی طرف ہوتا ہے اور جڑ باہر کی طرف۔ ہندوؤں کی رائے ہے کہ اگر ہاتھی کی زبان مقلوب نہ ہوتی اور اسے بولنا سکھایا جاتا تو وہ سیکھ لیتا۔ ہندو سب جانوروں سے زیادہ ہاتھی کو افضل سمجھتے ہیں اور ہر جانور سے زیادہ اس کی قدر و منزلت کرتے ہیں کیونکہ اس میں عمدہ

---

[1] قبیلۂ اَزد مراد ہے جس کے کسی ممتاز شخص نے ہارون یا اس کے باپ دادا کو بالمعاوضہ یا بلامعاوضہ آزاد کر دیا تھا۔ [2] مشرقی سوڈان۔

خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ بلند قامت جسیم، وجیہ اور خوش منظر ہوتا ہے۔ اس کی آواز دھیمی ہوتی ہے، سونڈ لمبی، کان چوڑے، آلۂ تناسل بڑا، اس کی آہٹ ہلکی ہوتی ہے، عمر دراز، جسم بھاری، زیادہ سے زیادہ بوجھ کو خاطر میں نہیں لاتا، اتنا بھاری بھرکم ہونے کے باوجود اس کی چال اتنی ہلکی اور متوازن ہوتی ہے کہ آدمی کے پاس سے گزر جاتا ہے اور اسے ہاتھی کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ الا یہ کہ وہ اس کے بالکل پاس آجائے۔

بزرگ بن شہریار[1]:

ایک باخبر شخص نے مجھے بتایا کہ اس نے ہندوستان کے کسی شہر میں ہاتھی دیکھے جو اپنے مالکوں کے کام کاج کرتے تھے۔ ہاتھی کو سودے کا برتن دے دیا جاتا ہے اور اس میں کوڑیاں جن کے ذریعہ باشندے خرید و فروخت کرتے ہیں رکھ دی جاتی ہیں اور مطلوبہ چیز کا نمونہ۔ برتن لے کر ہاتھی بنیے کی دوکان پر جاتا ہے۔ بنیا اسے دیکھ کر سارے کام چھوڑ دیتا ہے اور کسی گاہک کو سودا نہیں دیتا چاہے وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو۔ ہاتھی سے برتن لیتا ہے، کوڑیاں گنتا ہے اور نمونے دیکھتا ہے، پھر ہاتھی کو نہایت سستے داموں اور نہایت عمدہ چیز دیتا ہے اور اگر ہاتھی کسی چیز کی مقدار بڑھوانا چاہے تو بنیا بڑھا دیتا ہے، کبھی بنیا کوڑیاں گننے میں غلطی کرتا ہے تو ہاتھی سونڈ سے کوڑیوں کو الٹ پلٹ دیتا ہے، بنیا دوبارہ کوڑیاں گنتا ہے، سودا لے کر ہاتھی لوٹ جاتا ہے۔ کبھی اس کا مالک خریدی ہوئی چیز کو کم سمجھ کر ہاتھی کو مارتا ہے تو وہ پھر بنیے کی دوکان پر جاتا ہے اور اس کا سامان الٹ پلٹ اور گڈمڈ کر دیتا ہے یا کوڑیاں لوٹا دیتا ہے، ایسا سدھا ہوا ہاتھی جھاڑو دیتا ہے، چھڑکاؤ کرتا ہے۔ موسلی سونڈ میں پکڑ کر اوکھلی میں دھان کوٹتا ہے اور ایک آدمی اوکھلی میں دھان ڈالتا رہتا ہے، اس کے علاوہ وہ چاول پیستا ہے، (دریا یا کنویں سے) پانی بھر لاتا ہے، پانی کے برتن میں ایک رسی پڑی ہوتی ہے جس میں سونڈ ڈال کر وہ اٹھائے جاتا ہے، گھر کے سب کام کاج کر لیتا ہے، کسی کام کیلئے اگر اس کے مالک کو دور جانا ہو تو اس پر سوار ہو کر جاتا ہے، لڑکا اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر اسے جنگل میں لے جاتا ہے، ہاتھی سونڈ

---

[1] عجائب الہند ص۱۹۳۔۱۹۴۔

سے گھاس اور پتے توڑتا ہے اور لڑکے کو دیتا ہے اور وہ انہیں کسی برتن میں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ ہاتھی گھاس اور پتے لاد کر گھر لے جاتا ہے اور وہاں کھاتا ہے۔ ایسے سدھے ہاتھی کی قیمت بہت ہوتی ہے اور بعض لوگ پانچہزار روپے (دس ہزار درہم) بتاتے ہیں۔

ادریسی[1]:

اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ ہاتھی کا شکار کس طرح کیا جاتا ہے اور اس موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ہاتھی کا شکار کرنیوالے اس جگہ جاتے ہیں جہاں ہاتھی رات گذارتے ہیں اور جو ان کے پسندیدہ ٹھکانے ہوتے ہیں، وہاں وہ اس طرح کے گڑھے کھودتے ہیں جیسے (شمالی افریقہ کے) بربر (البزاس) لوگ شیر کا شکار کرنے کے لئے کھودتے ہیں، یہ گڑھے اوپر سے فراخ اور نیچے سے تنگ ہوتے ہیں۔ شکاری ان پر ٹہنیاں اور گھاس پھونس ڈال دیتے ہیں اور اوپر سے مٹی پھیلا کر ان کی سطح برابر کر دیتے ہیں، اس طرح گڑھا نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ جب ہاتھی اس جگہ آتے ہیں جہاں رات گذارنے کے عادی ہوتے ہیں یا ان راستوں سے گزرتے ہیں جن سے ہو کر عادۃً پانی پینے جاتے ہیں اور گڑھے پر پہنچتے ہیں تو ان میں سے اگلا سر کے بل گڑھے میں گر جاتا ہے اور باقی ہاتھی بھاگ جاتے ہیں، شکاری ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں سے گزرنے والے ہاتھی انہیں نظر آجائیں چنانچہ وہ ہاتھی کو گرتا دیکھتے ہی بھاگ کر گڑھے میں گھس جاتے ہیں اور اس کے ہاتھ پیر، بغلوں اور رانوں سے الگ کر کے پیٹ چاک کر دیتے ہیں۔ جب وہ مر جاتا ہے تو سب مل کر اسے کاٹتے[2] ہیں اور اس کے ٹکڑے کر کے گڑھے سے باہر نکال لاتے ہیں اور اس کے دانت اور ہڈیاں لے جاتے ہیں۔

بہت سے ہندی قصوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ ہندوستان میں ہاتھی قطاروں میں چلتے ہیں اور جنگلوں میں دو دو، تین تین، چار چار مل کر رات گزارتے ہیں۔ ان کے سونیکا طریقہ یہ

---

[1] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۳۰-۱۳۱-

[2] متن کا تجربہ جا تجزیرھا بالزای کی تصحیف ہے۔

ہے کہ وہ درخت کے پاس آتے ہیں اور اس کے تنے پر ٹیک لگا دیتے ہیں اور ان کے ساتھی ایک دوسرے پر، اس طرح وہ کھڑے کھڑے سو لیتے ہیں (کھڑے کھڑے سونے کی) وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پیروں کے جوڑ موٹے اور لمبے ہوتے ہیں۔ شکاری دن میں ان درختوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کے تنے جڑ کے پاس تھوڑا سا چھوڑ کر کاٹ ڈالتے ہیں، جب رات کو حسب عادت ہاتھی درختوں سے ٹیک لگا کر سونے آتے ہیں اور ایک دوسرے کا سہارا لیکر کھڑے ہوتے ہیں تو کٹے تنوں کے پاس سے درخت ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں اور ان کے ساتھ ہاتھی بھی۔ گرنے کے بعد ہاتھی کھڑے ہونے سے قاصر رہتے ہیں، شکاری چھپے ہوئے آتے ہیں اور ان کے سروں پر ڈنڈے برسا کر مار ڈالتے ہیں، ہاتھی دانت نکال لئے جاتے ہیں اور سوداگروں کے ہاتھ مہنگے داموں بیچ دیئے جاتے ہیں اور سوداگر ہاتھی دانت مختلف ملکوں میں بیچنے کے لئے بھیجدیتے ہیں اور مرصع کاری کے بہت سے کاموں میں استعمال ہوتے ہیں۔ متعدد اشخاص نے بیان کیا ہے کہ ہاتھی کے دو بڑے دانتوں کا وزن سو[ا] قنطار[ے] کے لگ بھگ ہوتا ہے۔

تجارت کے لئے ہندوستان کا سفر کرنیوالے سوداگر ہاتھی کی ولادت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ہتھنیاں کھڑے پانی میں بچہ دیتی ہیں، ولادت کے بعد مائیں انہیں پانی سے باہر نکالتی ہیں تو وہ پانی میں گر جاتے ہیں مائیں جلدی جلدی انہیں پیروں پر کھڑا کر دیتی ہیں اور پانی سے باہر نکال لاتی ہیں، اور ان کے جسم چاٹتی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ خشک ہو جاتے ہیں بچوں کو آہستہ آہستہ چلنے کی مشق کرائی جاتی ہے حتی کہ وہ پوری طرح بڑھ جاتے ہیں فتبارك الله أحسن الخالقين۔

چار پیر والی مخلوق میں ہاتھی سے زیادہ سمجھدار اور تعلیم قبول کرنیوالا کوئی دوسرا چوپایہ معلوم نہیں ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی شرمگاہ کی طرف کبھی نہیں دیکھتا۔

ہندوستان کے راجاؤں میں ہاتھیوں کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی دوڑ رہتی ہے اور وہ بڑی بڑی قیمتیں دیکر ہاتھی خریدتے ہیں اور ان کی خصوصی دیکھ بھال

[ا] متن میں أصولها ہے، ہمارے خیال میں یہ أسوقها کی تحریف ہے۔ [ے] متن کا متوت المنتهی شاید تہعفت کی تصحیف ہے۔ [ے] تقریباً سو پونڈ۔

کرتے ہیں، ہاتھی کے بچے خرید کر شاہی اصطبلوں میں رکھتے ہیں جہاں وہ آدمی سے مانوس ہو کر پلتے بڑھتے ہیں۔ ہاتھی سے جنگی خدمت لی جاتی ہے، ایک بڑے زرہ پوش ہاتھی کی پیٹھ سے بارہ آدمی ڈھالوں، تلواروں اور آہنی بلموں سے لڑتے ہیں، ہر ہاتھی کے سر پر ایک آدمی کھڑا ہوا ہوتا ہے کہ ایک نک سے اس کو ہانکتا ہے اور (بوقتِ ضرورت) اسے ہاتھی کی ناک میں ڈال کر کھینچتا ہے اور ایک ڈنڈا جو ہاتھی کے لئے خاص طور سے بنایا جاتا ہے اس کی کھوپڑی پر رسید کرتا ہے، اس کے ذریعہ ہاتھی کو ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف موڑا جاتا ہے۔

دریا

مسعودی[1]:

دریائے سندھ

(بحرِ عرب (بحرِ حبشی) میں گرنے والے بڑے دریاؤں میں دریائے سندھ پانچویں اقلیم کے ان چشموں سے نکلتا ہے جو راجہ قنوج بُؤورہ[3] کی قلمرو میں داخل بالائی سندھ[4] اور اس کے پہاڑوں میں واقع ہیں اور سرزمینِ کشمیر، گندھارا (قندھار) اور پنجاب (طاقن) سے گذرتا ہوا ملتان تک پہنچتا ہے۔ ملتان کے معنی ہیں سونے کی سرحد (فرج الذہب)، یہاں سندھ دریا مہران کہلاتا ہے، پھر وہ منصورہ[5] کی

---

[1] التنبیہ والاشراف (لائڈن) ص۵۴-۵۶۔ [2] تمن کا و یصار دھانی القتال ویُصار بہا کی تصحیف ہے؟

[3] مسعودی کے سفرِ سندھ کے لگ بھگ یعنی ۹۱۴ء میں خاندان پرتی ہارا کا راجہ بھوج سلطنت قنوج پر حکمران تھا، اس کی حکومت شمال میں نیپال، کشمیر اور پنجاب تک پہنچتی تھی۔ بعض محقق بؤورہ کو پدی ہارا کی تصحیف قرار دیتے ہیں جو پراکرت زبان میں پرتی ہارا کی بدلی ہوئی شکل ہے، پرتی ہارا یا پدی ہارا سے قنوج کے گرجر پرتی ہارا خاندان کے راجہ مراد لئے جاتے ہیں۔ ہودیوالا ص۲۵ و رائے ۲۷۹/۱۔

[4] تحقیقی رائے کے مطابق دریائے سندھ کا منبع ہمالیہ پہاڑ کی وہ برف پوش چوٹیاں ہیں جنہیں مجموعی طور پر کیلاش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ پہاڑیاں سندھ کے حدود سے بہت دور واقع ہیں۔

[5] موجودہ حیدر آباد سندھ سے تقریباً پچاس میل شمال مشرق میں اسلامی سندھ کا پایۂ تخت۔

عملداری میں جا پہنچتا ہے اور سندھ کے ساحلی شہر دَیبُل سے چھ سات میل (دو فرسخ) دور سمندر میں گرتا ہے، منصورہ اور سمندر کے درمیان سات دن کی مسافت ہے، مہران میں مگر (سوسمار) پائے جاتے ہیں جیسے کہ دریائے نیل میں ہوتے ہیں، جس وقت نیل کا پانی چڑھتا ہے (اواخر جون) اسی زمانہ میں مہران میں بھی طغیانی آتی ہے۔

(دریائے سندھ کے آس پاس) بارہ سو میل (تین سو فرسخ) کے حدود میں زیر آب نشیبی علاقے اور بانس نیز سرکنڈے کے بڑے بڑے جنگل پائے جاتے ہیں، یہاں سندھ کی مَیدنامی قوم رہتی ہے، ان کی بہت بڑی آبادی ہے اور یہ اہلِ منصورہ سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ مَیدوں کی مسلح کشتیاں سمندر میں ان اسلامی جہازوں پر چھاپے مارتی رہتی ہیں جو سندھ، ہندوستان، جدہ، قلزم اور دوسری سمتوں سے سمندر پار کرتے ہیں جس طرح یونانیوں کے مسلح جہاز بحرِ روم میں چھاپے مارتے ہیں۔

ابو عثمان عَمرو بن بحر جاحظ نے اپنی کتاب میں جس کا موضوع شہروں کے حالات اور ملکوں کے عجائبات ہیں تصریح کی ہے کہ دریائے سندھ اور نیلِ مصر دونوں کا منبع ایک ہے، جاحظ نے یہ رائے اس بنا پر دی ہے کہ دونوں دریاؤں میں طغیانی ایک ہی زمانہ میں ہوتی ہے، دونوں میں گھڑیال پائے جاتے ہیں اور دونوں سے متعلق اراضی میں زراعت کا طریقہ ایک سا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جاحظ یہ غلطیاں کیسے کہہ گیا، گھڑیال تو ہندوستان کی اکثر کھاڑیوں (اَخوار) میں موجود ہیں جیسے صنداپور، سانترا اور جاوا کی کھاڑیاں۔ گھڑیالوں سے انسان اور حیوان دونوں کو نقصان پہنچتا ہے جس طرح مصریوں اور ان کے مویشیوں کو نیل کے گھڑیالوں سے پہنچتا ہے۔ دریائے سندھ سے ایک اور شاخ نکلتی ہے جسے مہران صغیر کہتے ہیں، دریائے سندھ کی لمبائی شروع سے آخر تک تقریباً ساڑھے سولہ سو میل (پانچ سو فرسخ) ہے، بعض لوگ اس سے بھی زائد بتاتے ہیں:

---

۱ سنسکرت میں شِشمار کہتے ہیں۔ ۲ متن کا ھم حزب لأھل المنصورۃ (بالزامی) ہمارے خیال میں حرب بالراز کی تصحیف ہے۔ ۳ ریڈرس ڈائجسٹ ورلڈ گریٹ اٹلس (صفحہ ۱۴۴) کے مطابق دریائے سندھ کی لمبائی انیس سو اسی میل ہے۔

گنگا

بحر عرب (بحر حبشی) میں گرنیوالے بڑے دریاؤں میں ہندوستان کی مشہور ندی گنگا (جنجس) ہے، یہ دریائے سندھ سے زیادہ بڑی ہے[1]۔ اس کے کنارہ بہت سی ہندو اور غیر ہندو قومیں آباد ہیں، یہ ندی ایک پہاڑ سے نکلتی ہے جو تبت[2] کے اطراف میں ہے، اس کے مخرج سے تبت تک کا علاقہ غیر آباد ہے، پھر وہ شمالی اور مشرقی ہند کے میدانوں سے بہتی ہوئی خنگوں کے جزیرہ کے پاس جو ہندی جزائر میں سے ایک جزیرہ ہے اِس سمندر میں گرتی ہے۔ گنگا کی لمبائی منبع سے دہانہ تک تقریباً سوا تیرہ سو میل (چار سو فرسخ) اور بقول بعض تقریباً سولہ سو[3] ساٹھ میل (پانچسو فرسخ) ہے۔ اس ندی[4] کے کنارہ سکندر بن فلپس (فیلبس) اور ہندوستان کے راجہ پورس (فور) کا مقابلہ ہوا تھا اس باب میں سارے ہندو ہم خیال ہیں۔

دریائے ہُلمند[5] (ہرمند) کے منبع کے بارے میں اختلاف رائے ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ دریا سندھ و ہند کے پہاڑوں کے چشموں سے نکلتا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا اور گنگا (کنک) کا منبع ایک ہے، گنگا ہندوستان کا دریا ہے، وہ سندھ[6] کے بہت سے پہاڑوں سے گذرتا ہوا نہایت تیز بہتا ہے، اس کے کنارہ اکثر ہندو لوہے سے اپنے جسموں کو تکلیفیں پہنچاتے اور دنیا سے بے رغبتی اور اس سے رہائی کے شوق میں گنگا میں ڈوب مرتے ہیں، وہ بالائی گنگا کے ایک مقام پر جاتے ہیں جہاں اونچے اونچے پہاڑ اور پرانے درخت پائے جاتے ہیں، جہاں (مذہبی) لوگوں کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ سلاخیں، تلواریں ان درختوں نیز لکڑی کے تختوں پر نصب ہوتی ہیں۔ ہندو دور دراز

---

[1] حق یہ ہے کہ گنگا کی لمبائی دریائے سندھ سے کئی سو میل کم ہے۔ [2] تحقیق کی رو سے گنگا کا منبع گڑھوال میں گنگوتری نام کے ایک برف پوش غار میں پایا جاتا ہے۔ [3] صحیح لمبائی پندرہ سو میل ہے۔

[4] مسعودی کی یہ تصریح بھی صحیح نہیں، پورس کی سکندر سے لڑائی دریائے جہلم کے کنارہ ہوئی تھی جو دریائے سندھ کا ایک معاون دریا ہے گنگا سے بہت دور۔

[5] افغانستان کا دریا مراد ہے جو ہندوکش سے نکلتا ہے۔

ملکوں اور شہروں سے وہاں آتے ہیں اور ان (مذہبی) لوگوں کی وعظ سنتے ہیں جو دنیا سے بے تعلقی اور آخرت کی ترغیب پر مشتمل ہوتا ہے، وہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں سے پرانے درختوں اور نصب کی ہوئی لوہے کی سلاخوں اور تلواروں پر کود پڑتے ہیں، ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گنگا میں بہہ جاتا ہے[1]۔

نویری[2]:

گنگا ایک دریا ہے جس کی ہندو تعظیم کرتے ہیں، سرزمین کشمیر سے نکلتا ہے اور بالائی ہندوستان سے ہو کر گذرتا ہے۔ ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ جنت کا دریا ہے اس لئے اسے بیحد مقدس سمجھتے ہیں۔ اس دریا کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی نجاست پڑ جائے تو اس کی فضا میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور اس کے کناروں پر زلزلہ آجاتا ہے، آندھیاں چلنے لگتی ہیں، بادل گرجنے لگتے ہیں اور دھواں دھار بارش ہونے لگتی ہے۔ عُتبی (متوفی سنہ ۱۰۳۶ء) تاریخ یمینی[3] میں گنگا کے بارے میں لکھتا ہے:

یہ وہ دریا ہے جس کی عزت و عظمت کے ہندو چرچے کرتے ہیں، ان کی رائے میں یہ اس چشمہ سے نکلتا ہے جو جنت میں واقع ہے، ان کا کوئی مردہ جلایا جاتا ہے تو اس کی ہڈیوں کی راکھ گنگا میں بکھیر دی جاتی ہے، ان کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے مردہ کے گناہ دھل جاتے ہیں بعض اوقات کوئی تارک الدنیا لمبا فاصلہ طے کر کے آتا ہے اور خود کو گنگا میں غرق کر دیتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا اس کے لئے نجات کا باعث ہے، ہندو اس دریا کی بیحد تعظیم کرتے ہیں، جب کوئی اُخروی سرخروئی (نجات) کا طالب ہوتا ہے تو وہ جل مرتا ہے اور اس کی راکھ گنگا میں ڈال دی جاتی ہے یا وہ دریا کے کنارے آتا ہے جہاں بانس کے اونچے اونچے درخت ہوتے ہیں اور ایک جماعت ننگی تواریں اور خنجر لئے ہوئے موجود رہتی ہے، یہ شخص خود کو ایک بانس کے سرے پر باندھ

---

[1] مروج الذہب ۲۰۸/۱ ۔ [2] نہایۃ الارب (مصر، سنہ ۱۹۲۹ء) ۲۶۱/۱ - ۲۶۳ -

[3] یمین الدولہ محمود غزنوی کی تاریخ مراد ہے۔

دیتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنا سر کاٹ ڈالتا ہے، سر بانس کے سرے میں لٹک جاتا ہے، دھڑ دریا میں گر جاتا ہے، یا طالب نجات کسی اونچی جگہ سے ننگی تلواروں اور خنجروں کے اوپر کود پڑتا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ بعض ہندو دریا میں کود کر ڈوب مرتے ہیں۔

بِرِشتقی[1]:

بڑے اور مشہور دریاؤں میں سے ایک دریا گنگا ہے، ہندوؤں کی نظر میں اسے بڑی عظمت حاصل ہے، کشمیر کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور ہندوستان کے بالائی حصوں سے جنوب کی طرف[2] بہتا ہوا بحر ہند (خلیج بنگال) میں گرتا ہے، ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ جنت کا دریا ہے جسے سمندر ہمیشہ مد و جزر کی شکل میں سجدے کرتا رہتا ہے، بنابریں وہ اس کی بیحد تعظیم کرتے ہیں، جب کوئی مرتا ہے تو اسے جلا کر اس کی راکھ گنگا میں ڈال دیتے ہیں، تاکہ وہ آسمان کے ہمیشہ باقی رہنے والے چشمہ میں جا کر ابدی زندگی سے بہرہ ور ہو۔ ان کا خیال ہے کہ گنگا میں اس کی راکھ ڈالنے سے اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ کبھی کوئی سنیاسی (ناسک) آتا ہے اور دریا میں گر کر ڈوب مرتا ہے کبھی کوئی دوسرا ہندو آتا ہے اور اس کے پانی میں نہاتا ہے، پھر اس کی طرف منہ کر کے باہر نکل آتا ہے اور کنارہ پر پہنچ کر وہاں کے ایک درخت[3] کی شاخ جھکاتا ہے، یہ درخت بید کی طرح نرم اور مضبوط ہوتا ہے اور دریا کے کناروں پر اگتا ہے پھر شاخ کے سرے سے اپنے بال باندھ دیتا ہے اور اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ خنجر سے میری گردن کاٹ دو یا میرا سر اڑا دو، ساتھی اس کی خواہش پوری کرتا ہے، سر لچکدار شاخ کے ساتھ ہوا میں اٹھ جاتا ہے اور دھڑ زمین پر آ گرتا[4] ہے۔ مرنے والے کا ساتھی اس کا دھڑ جلا دیتا ہے اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ بعض ہندو

---

[1] نخبۃ الدھر (لیبزک ۱۹۲۳ء) ص ۱۰۱۔

[2] متن میں: یجری فی أعالی الھند من ناحیۃ الجنوب ہے، ہم نے إلی ناحیۃ الجنوب قرار دیکر ترجمہ کیا ہے۔

[3] بانس مراد ہے۔

[4] متن کا وتنقی الجثۃ ہماری رائے میں تسقط کی تحریف ہے۔

خود اپنے ہاتھ سے اپنا سر کاٹ لیتے ہیں[1]۔

اس دریا میں ایک مخصوص جگہ ہے جہاں پانی گردش کرتا رہتا ہے اور تیزی سے بہتا ہے، اس جگہ کا نام قلب گنگا ہے، اس کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اگر یہاں کوئی گندی چیز پڑ جائے تو پانی میں موجیں اٹھنے لگتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے، یہ کیفیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک اس جگہ کے پانی سے گندگی دور نہ ہو جائے۔ یہاں مندروں کے پروہتوں (سدنۃ البد) کی ایک جماعت مامور ہے اور ان کے پاس ان ہندوؤں کو قتل کرنے کے لیے جو گنگا پر اپنی جان کی قربانی چڑھانا چاہتے ہیں ہتھیار تیار رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان ہتھیاروں سے اسی طرح قتل کر دیتے ہیں جس طرح مرنے والا قتل ہونے کی فرمائش کرتا ہے۔ گنگا کی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ ان برہمنوں یا دوسرے لوگوں میں سے کوئی ننگا ہو کر اور صرف ستر پوشی کر کے گنگا میں اترتا ہے اور جب پانی اس کی کمر تک آجاتا ہے تو وہ ان پھولوں کی پنکھڑیاں الگ کرتا ہے جو اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور کچھ گنگناتا ہے اور پنکھڑیاں آہستہ آہستہ پانی میں ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ختم ہو جاتی ہیں، منتر یا اشلوک کا آخری کلمہ زبان سے ادا کرنیکے بعد وہ دونوں ہاتھوں میں بھر کر پانی لیتا ہے، اس کا کچھ حصہ پی لیتا ہے اور باقی اپنے منہ اور سر پر چھڑکتا ہے، اس کے بعد دریا کی طرف منہ کر کے لوٹتا ہے اور جب کنارہ پر پہنچ کر زمین پر قدم رکھتا ہے تو دریا کو سجدے کرتا ہے، ہندو اس دریا کا پانی لے جا کر اپنی ساری مورتیوں کا منہ اور سر دھلاتے ہیں چاہے مورتی ہندوستان کے دور ترین جزیروں میں گنگا سے ایک سال کے فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔

پیداوار

ابن خرداذبہ[2]:

ہندوستان سے یہ چیزیں بیرونی ممالک کو بھیجی جاتی ہیں:

---

[1] اس کے بعد متن میں یہ تین لفظ ہیں جن کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا، غالباً محرف ہیں۔ فیقع عجزۃ ویخبلہ

[2] المسالک والممالک ص۶۷۔

(۱) مختلف قسم کا عود (اگر) (۷) سفید الائچی (۱۲) ہاتھی
(۲) صندل (۸) کبابہ (کبابچینی) کیولان (ملی، کیرالا) اور سنجان
(۳) کافور (۹) ناریل (سندان) سے: (۱۳) سیاہ مرچ[1]
(۴) ست کافور (۱۰) حشیش[2] سے بنا ہوا (عمدہ اور رنگین) کپڑا
(۵) جائفل (جوزبوا)
(۶) لونگ (۱۱) نرم اور باریک سوتی کپڑا۔

جنوبی ہندوستان سے: (۱۴) بقم[3] (۱۵) تاڑی (داذی[4]) (۱۶) قسط[5] (۱۷) بانس۔

سندھ سے: (۱۸) بید یا سرکنڈا۔

ابن الفقیہ[6]:

جس طرح خدا نے دوسرے ملکوں میں خاص خاص چیزیں پیدا کی ہیں اسی طرح اس نے اشیاء ذیل ہندوستان اور سندھ کے لئے مخصوص کر دی ہیں:

(۱) مختلف انواع و اقسام کی خوشبودار اشیاء۔

(۲) جواہرات جیسے یاقوت، الماس اور دوسرے قیمتی پتھر۔

---

[1] سیاہ مرچ سے مراد پیل مفتوی ہاشمہ۔ [2] حشیش کے بارے میں ادریسی لکھتا ہے: جزیرہ مڈگاسکر (MADAGASCAR) میں مختلف قسم کا کپڑا بنایا جاتا ہے۔ حشیش کا پودا بردی کے پودے سے مشابہ ہوتا ہے جس سے مصریوں کا غذ بنایا جاتا ہے۔ کاریگر بہترین حشیش لیتے ہیں اور اس سے خوبصورت اور رنگین کپڑے بنتے ہیں جو خالص ریشم (دیباج) کی طرح ہوتا ہے، یہ کپڑا سارے ہندوستان کو برآمد کیا جاتا ہے۔ نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۸۴۔ [3] موجودہ تھین بمبئی سے تقریباً نوے میل شمال کا ساحلی شہر اور تجارتی مرکز۔ سرخ لکڑی جس سے کپڑے رنگے جاتے تھے۔ [5] خوشبودار لکڑی دواؤں میں ڈالی جاتی تھی اور بطور دوا بھی استعمال کی جاتی تھی۔ [4] داذی کا اطلاق تاڑی کے علاوہ درخت تاڑ کے الائچی کی طرح خوشبودار اور نشہ خیز بیجوں پر بھی ہوتا ہے۔ [6] مختصر کتاب البلدان ص۲۵۱۔

(۳) گینڈا (۴) ہاتھی (۵) مور (۶) مختلف اقسام کا عود (اگر)
(۷) لونگ (۸) عنبر (۹) بالچھڑ (سنبل) (۱۰) خولنجان (پان کی جڑ)
(۱۱) ناریل (۱۲) دارچینی (۱۳) ہڑ (۱۴) توتیا (۱۵) بانس
(۱۶) بید (۱۷) بقم (۱۸) ساگون (۱۹) سیاہ مرچ ان کے علاوہ

اور بہت سی عجیب و غریب اشیاء۔

ابودُلَف[1] :

کیولان (کولم، کیرالا) میں ساگون اور بقم کے جنگل پائے جاتے ہیں، بقم دو قسم کا ہوتا ہے ایک کیولانی جو گھٹیا ہوتا ہے اور دوسرا قامرونی (الامرونی[2]) جس کی نظیر نہیں ہوتی۔ درخت ساگون خوب بڑا اور لمبا ہوتا ہے، اس کے بعض درخت ڈیڑھ سو فٹ (سو ذراع) سے بھی اونچے ہوتے ہیں۔ یہاں بانس (قنا) اور بید (خیزران) بہت پایا جاتا ہے، تھوڑی مقدار میں گھٹیا درجہ کا سندروس[3] (گوند) بھی ہوتا ہے، چینی سندروس اس سے بہتر ہوتا ہے.... کیولان (کولم) میں کھرے بڑے پیالے بنائے جاتے ہیں، جو ہمارے ملک (فارس و عراق) میں چینی پیالوں کے نام سے بکتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ چینی ہوتے نہیں ہیں۔ چین کی مٹی کیولان کولم کی مٹی سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور آگ کی گرمی زیادہ دیر تک برداشت کرسکتی ہے۔ کیولان کی مٹی جس سے چینی طرز کے پیالے بنائے جاتے ہیں تین دن تک آگ پر بھونی جاتی ہے، اس سے زیادہ دیر تک وہ آگ نہیں برداشت کرسکتی لیکن چینی مٹی پندرہ دن تک بھونی جاتی ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک آگ کی متحمل ہوسکتی ہے۔....... کیولان کے پیالے سیاہی مائل اور چینی سفید رنگ اور ہلکے بھاری ہوتے ہیں،..... کیولان (کولم) سے عُمان

---

[1] معجم البلدان (لیبزک) ۳/ ۴۵۴ - ۴۵۷۔

[2] قامرون سنسکرت کے کامروپ کی تعریب ہے جس کا اطلاق آسام پر ہوتا تھا۔

[3] کاہ ربا سے ملتا جلتا ایک گوند جس کے روغن سے کمانوں پر پینٹ کیا جاتا تھا، بہت سے امراض میں بھی نافع بتایا گیا ہے۔ عجائب المخلوقات زکریا قزوینی، حاشیہ الحیوان الکبریٰ دمیری ۲/ ۲۰۔

کا بحری سفر کیا جاتا ہے، یہاں راوَند[۱] پائی جاتی ہے لیکن وہ زیادہ مؤثر نہیں ہوتی، چینی راوَند بہتر ہوتی ہے، راوَند ایک قسم کا گول کدو ہے جو کیوِلان (کولم) میں پایا جاتا ہے، اس کے علاوہ ساذج[۲] ہندی کا پتہ بھی یہاں ہوتا ہے۔

کیولان (کولم) کی طرف مختلف قسم کا عود، کافور، لوبان اور گہرے بڑے پیالوں کی صنعت و تجارت منسوب کی جاتی ہے۔ درخت عود کا اصلی وطن خط استوا کے عقبی جزیرے ہیں، کوئی شخص کبھی عود کے جنگلوں میں نہیں پہنچا اور نہ کسی کو معلوم ہے کہ کاہے سے اس کا پودا اگتا ہے اور اس کے درخت کی شکل کیسی ہوتی ہے، نہ کسی انسان نے اس کے پتہ کی صورت و شکل ہی بیان کی ہے۔ سمندر کی لہریں عود کے درختوں یا گدھوں کو شمال کی طرف بہا لاتی ہیں، جو درختِ عود اپنے مَنبَت سے اکھڑ کر پانی کے سیلاب سے سمندر میں آگرے اور تر حالت میں اسے ملایا (کلہ)[۳]، کامردپ[۴] (قامرون) یا سرزمین مرج (ساحل ملابار) یا کمبوڈیا (صنف) یا تھائی لینڈ (قماریاں[۵]) یا دوسرے ساحلوں پر اٹھایا جائے تو وہ عود لکڑی شمال کی خشک ہوا لگنے پر بھی ہمیشہ تر رہتی ہے اور ایسی عود لکڑی کو قامرونی مندلی[۶] کہتے ہیں اور اگر لکڑی سمندر

---

[۱] برہان قاطع میں اسے ایک قسم کی گھاس بتایا گیا ہے، لسان العرب میں ایک ٹھنڈی دوا جو جگر کے لئے مفید تھی تاج العروس میں ایک کالے رنگ کی لکڑی۔ ابودُلَف کے اس قول کی کہ راوَند ایک قسم کا کدو ہے ہمارے کسی مرجع سے تائید نہیں ہوتی۔ [۲] دردِ دل میں مفید ہے اور بغل کی بو دور کرتا ہے، ریشمی کپڑوں میں رکھنے سے کیڑا نہیں لگتا۔ عجائب المخلوقات (حاشیہ دمیری) ۲/۶۵ و برہان قاطع ۲/۳۔ [۳] متن میں قشار بالقاف والشین المعجمہ ہے، ہم نے اس بے معنی لفظ کو غضار بالغین المعجمہ والضاد المعجمہ قرار دیکر ترجمہ کیا ہے، لسان العرب: الغضار الصحفۃ المتخذۃ من الطین الحُر او الطین اللازب الأخضر۔ [۴] کلہ سے جزیرہ کلہ مراد ہے جس کا اطلاق عرب جزیرہ نمائے ملایا پر کرتے ہیں۔ [۵] آسام۔ [۶] ہمارے مراجع میں قماریاں کہیں نہیں ملا، غالباً قمار کی عامیانہ شکل ہے۔ [۷] عود کی اقسام سے متعلق ابودُلَف کی تصریحات طبع زاد اور غیر تحقیقی معلوم ہوتی ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہے قامرونی مندلی کوئی ایک قسم کا عود نہیں تھا بلکہ اس کی دو الگ قسمیں تھیں۔ قامرونی بظاہر قامروپی کی تصحیف ہے، قامروپ آسام کا نام تھا جہاں سے بہترین قسم کا عود برآمد کیا جاتا تھا۔ مندلی سے

(باقی ص ۲۵۷ پر)

میں خشک ہو یا خشک ہونے کے بعد سمندر میں آئے تو وہ عود ہندی کہلاتی ہے اور بھاری نیز ٹھوس ہوتی ہے، ایسے عود کی شناخت یہ ہے کہ اس کا بُرادہ پانی میں ڈالا جائے اور وہ نہ ڈوبے تو اس کے معنی ہیں کہ عود بڑھیا نہیں ہے اور اگر برادہ ڈوب جائے تو عود بے نظیر ہے۔ جو عود لکڑی اپنے اگنے کی جگہ خشک ہو جائے اور سمندر میں اسے کاٹا جائے تو وہ عود قماری[1] کہلاتی ہے اور جو لکڑی اپنی تنبت میں بوسیدہ ہونے کے بعد سمندر میں آئے اسے عود صنفی[2] کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا بندرگاہوں کے حاکم سمندر یا ساحل سے عود لکڑی جمع کرنیوالوں سے دس فیصدی ٹیکس لیتے ہیں، رہا کافور تو وہ کیولان (کولم) اور مُذوری تن (مندورقین) کے درمیان واقع ان پہاڑوں کے دامن میں ہوتا ہے جو سمندر کے کنارے بلند ہیں، کافور (ان پہاڑوں کے دامن میں پیدا ہونیوالے) ایک درخت کا گودا ہوتا ہے، جب درخت کا تنہ چیرا جاتا ہے تو اس میں چھپا ہوا ملتا ہے۔ کبھی کافور سیال ہوتا ہے اور کبھی منجمد، منجمد اس لئے کہ وہ ایک قسم کا گوند ہے جو درخت کے گودے میں محفوظ ہوتا ہے۔ کیولان (کولم) میں مُر بھی پائی جاتی ہے لیکن کم مقدار میں، کابلی مُر اس سے بہتر ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ کابل سمندر سے دور ہے اور وہاں مُر کی تمام قسمیں اگتی ہیں، جو ہڑ درخت سے کچی[3] گر جائے اس کا رنگ پیلا ہوتا ہے اور وہ ترش و سرد ہوتی ہے اور جو پک کر درخت سے صحیح وقت پر اترے وہ کابلی کہلاتی ہے اور گرم و شیریں ہوتی ہے اور جو ہڑ جاڑے کے موسم میں

---

۱ عرب بحری تاجر بالعموم قمار کا اطلاق موجودہ تھائی لینڈ پر کرتے ہیں اور عود قماری سے وہ عود مراد ہے جو اس علاقہ سے برآمد ہوتا تھا۔ ۲ صنف کا اطلاق عربوں کی زبان میں موجودہ کمبوڈیا اور جنوبی ویتنام پر ہوتا تھا اور یہاں کے پہاڑوں سے جو عود حاصل ہوتا تھا اسے صنفی عود کہا جاتا تھا۔

۳ متن میں ہے: وکل شجرۃ ما نشتہ تم الریح فجار علی ذضیج وھو الأصفر، ہم نے اس جملہ کی اس طرح تصحیح کرکے ترجمہ کیا ہے: وکل شجرۃ ما نشتہ الریح فجاءۃ غیر نضیج فھو الأصفر۔

کارومنڈل یعنی جنوب مشرقی ہندوستان کا ساحلی علاقہ مراد ہے، یہاں بھی عود پیدا ہوتا تھا۔ عود کے اقسام کے بارے میں قلقشندی اور نویری کی معلومات جو پرانے ماخذوں سے ماخوذ ہیں اور جن کا ابھی ذکر کیا جائیگا، زیادہ مستند ہیں۔

درخت پر چھوڑ دی جائے یہاں تک کہ سیاہ پڑ جائے وہ کڑوی حار ہوتی ہے۔ کیولان (کولم) میں گندھک اور تانبے کی کانیں ہیں، تانبے کے دھوئیں سے عمدہ قسم کا توتیا بنایا جاتا ہے، تمام قسم کے توتیا تانبے کے دھوئیں ہی سے تیار ہوتے ہیں، سوائے ہندی توتیا کے جو رانگ کے دھوئیں سے بنتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ....

کیولان (کولم) میں اس گول کدو کے علاوہ جس سے راوند دواتی ہے کسی چیز کی کاشت نہیں ہوتی یہ کدو کانٹوں میں اگایا جاتا ہے، اسی طرح یہاں خربوزہ بھی بہت کمیاب ہے۔

کابل سے ہم نے ہندوستان کے مشرقی ساحل کا رخ کیا اور مدوڑی پتن[۱] (مندورقین) پہنچا، یہاں بانس اور صندل کے بہت سے جنگل پائے جاتے ہیں۔ یہاں سے بنسلوچن (طباشیر) برآمد کیا جاتا ہے، جب بانس خشک ہو جاتا ہے اور ہوا چلتی ہے تو وہ ایک دوسرے سے رگڑتے ہیں اور رگڑ کی گرمی سے ان میں آگ لگ جاتی ہے اور بعض اوقات یہ آگ لگ بھگ ایک سو ساٹھ میل (پچاس فرسخ) یا اس سے بھی زیادہ دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔ وہ بنسلوچن جو ساری دنیا کے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے اسی بانس سے نکلتا ہے عمدہ بنسلوچن کے ایک مثقال (تقریباً ساڑھے چار ماشے) کی قیمت سو مثقال سونا یا اس سے بھی زیادہ اٹھتی ہے جب بانس جھٹکا جاتا ہے تو یہ بنسلوچن اس کے اندر سے خارج ہوتا ہے، اس قسم کا بنسلوچن بہت کمیاب ہے۔ بانس سے حاصل کیا ہوا بنسلوچن ہر ملک میں ہندی توتیا کے نام سے بھیجا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ ہندی توتیا ہوتا نہیں، ہندی توتیا تو رانگ کا دھواں ہوتا ہے جو ہر سال تین چار پونڈ (من) اور حد پانچ پونڈ (من) سے زیادہ حاصل نہیں ہوتا اور اس کے ایک پونڈ (من) کی قیمت ڈھائی ہزار روپے (یا پانچ ہزار درہم) سے پانچ ہزار روپے (ہزار دینار) تک اٹھتی ہے۔

ادریسی[۲]:

تھانہ (تانہ) کے پہاڑوں اور میدانوں میں بانس پیدا ہوتا ہے، بانس کی جڑوں سے بنسلوچن (طباشیر) نکالا جاتا ہے اور پورب پچھم کے سارے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے (نقلی) بنسلوچن میں

---

[۱] ہندوستان کے جنوبی سرے کا اہم بندرگاہ، رامانا تھاپورم یا اس کے قریب شمال میں۔

[۲] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۲۴۔

ہاتھی کی جلی ہوئی ہڈیاں ملا دی جاتی ہیں لیکن خالص بنسلوچن اس کانٹے دار ہندی بانس کی جڑوں سے نکالا جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

پان

مسعودی[1]:

... پان ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے، وہ کھٹے (اترج) کے چھوٹے پتے سے ملتا جلتا ہے، گیلے چونے اور چھالیہ کے ساتھ چبایا جاتا ہے، اس وقت مکہ، حجاز اور یمن کے لوگ طین (؟) کی جگہ یہ پتہ چباتے ہیں، دوا فروشوں کی دکانوں پر ورم دور کرنے اور دیگر علاجوں کے لئے موجود رہتا ہے، چونے اور چھالیہ کے ساتھ چبانے سے پان مسوڑھوں اور دانتوں کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے، سانس کی بو اور منہ کی رطوبتوں کو دور کرتا ہے، بھوک لگاتا ہے اور صنفی خواہش پیدا کرتا ہے۔ دانت انار دانوں کی طرح لال ہو جاتے ہیں دل میں انبساط کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں، پان جسم کو بھی مضبوط کرتا ہے، منہ سے خوشبوئیں چھوٹنے لگتی ہیں۔ ہندوستان کے بڑے چھوٹے سب لوگ سفید دانت ناپسند کرتے ہیں اور ایسے شخص سے الگ رہتے ہیں جو پان نہیں کھاتا۔

بزرگ بن شہریار[2]:

کشمیر کا الماس

مجھ سے ایک شخص نے جو ہندوستان کا سفر کر چکا تھا بیان کیا: میں نے سنا ہے کہ اعلیٰ قسم کا نادر اور قیمتی الماس (اداماس) کشمیر کے اطراف سے لایا جاتا ہے، وہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جس میں گرمی ہو یا جاڑا ہر موسم میں چوبیس گھنٹے آگ جلتی رہتی ہے اور اسی وادی میں الماس ہوتا ہے، ہندوستان کے نیچ ذات لوگوں کی ایک ٹولی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس وادی میں آتی ہے اور دنبہ بکری ذبح کر کے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتی ہے اور ایک قسم کی غلیل میں رکھ کر جسے وہ بناتی ہے، ایک ایک ٹکڑا پھینکتی ہے، یہ لوگ خود آگ کے پاس نہیں جا سکتے، ایک تو اس وجہ

---

[1] مروج الذہب ۱/۲۰۹ - ۲۱۰ -
[2] عجائب الہند ص ۱۲۸ - ۱۲۹ -

سے کہ آگ کی لپٹ بہت تیز ہوتی ہے اور دوسرے لاتعداد زہریلے سانپ آگ کے آس پاس ہوتے ہیں اور ان میں بعض ایسے زہریلے کہ منٹوں میں آدمی کا خاتمہ کر دیتے ہیں، جب یہ لوگ گوشت پھینکتے ہیں تو اُسے اٹھانے گدھ اترتے ہیں جو بکثرت وہاں پائے جاتے ہیں۔ اگر گوشت آگ سے دور گرتا ہے تو وہ اٹھالے جاتے ہیں۔ یہ لوگ جب دیکھتے ہیں کہ گدھ نے گوشت اٹھالیا تو اس کا پیچھا کرتے ہیں، کبھی گوشت کے ٹکڑوں سے الماس کا کوئی دانہ جھڑ پڑتا ہے، کبھی گدھ کسی جگہ اتر کر گوشت کھاتا ہے تو اس جگہ انھیں گوشت سے جھڑا ہوا الماس مل جاتا ہے، کبھی گوشت کا ٹکڑا آگ میں گرتا ہے اور جل جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گدھ گوشت کے ٹکڑے پر اترتا ہے اور وہ ٹکڑا آگ کے قریب ہوتا ہے تو گوشت کے ساتھ وہ خود بھی جل جاتا ہے، کبھی گدھ ٹکڑا زمین پر گرنے سے پہلے ہی اُچک لیتا ہے۔ ان صورتوں میں سے جو صورت بھی پیش آجائے، بہرحال الماس حاصل کرنیکا طریقہ یہی ہے۔ الماس کی مہم پر جانیوالے اکثر زہریلے سانپوں اور آگ کا لقمہ بن جاتے ہیں اور چونکہ الماس بڑا شاندار اور قیمتی پتھر ہے، اس علاقہ کے راجاؤں میں اسکی بڑی مانگ رہتی ہے، وہ الماس کی مہم پر نکلنے والوں کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور ان کا بڑا سخت بھاڑا لیتے ہیں۔

برآمد

مقدسی[1]:

طوران سے،

(۱) مصری (قانیذ) جو ماسکان (مکران) کی مصری سے بہتر ہوتی ہے۔

رستیبان (سندان) سے[2]:

(۲) بڑی مقدار میں چاول (۳) مختلف قسم کا کپڑا

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۱-۴۸۲ و ۴۸۵ ۔ [2] سندھ کے شمال مغرب میں کوئٹہ اور قلات پشیو کا علاقہ: مقدسی نے اسے سندھ کے حدود میں داخل کیا ہے۔ [3] راشٹرا کوٹا سلطنت کا ایک مشہور تجارتی بندرگاہ، بمبئی سے تقریباً نوے میل شمال میں، آجکل اس کا نام تھینہ ہے۔

منصورہ سے:

(۴) عمدہ کمبایتی جوتے۔

ساری مملکت سندھ سے:

(۵) قُہستان (خراسان) کے طرز کے قالین، فرش اور دریاں وغیرہ، نیز اشیائے ذیل:

(۶) بڑی مقدار میں ناریل (۷) عمدہ قسم کا کپڑا (۸) ہاتھی (۹) ہاتھی دانت (۱۰) عمدہ قیمتی سامان (۱۱) مفید جڑی بوٹیاں۔

سندھ کی مخصوص اشیاء:

(۱۲) لیمو (لیموں) خوبانی سے ملتا جلتا ایک بیحد ترش پھل۔ (۱۳) آم (انبہ) آلوچہ (خوخ) کا ہم شکل اور لذیذ۔

(۱۴) دو کوہان والا فالج اونٹ جو خراسان اور فارس میں نظر آتا ہے، بُختاتی تیز رفتار اونٹ اسی کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے، فالج، بُختاتی سے بڑا اور خوشنما ہوتا ہے، اس کے دو کوہان ہوتے ہیں، (یہ اتنا مہنگا ہوتا ہے کہ) صرف بادشاہ ہی اس کو خریدنے اور استعمال کرنے پر قادر ہیں۔

(۱۵) کمبایتی طرز کے (چرمراتے) جوتے۔

باٹ

طوران (طواران) ملتان بلکہ سارے سندھ اور ہندوستان[1] کا پونڈ (من) مکہ کے پونڈ (رطل) کے برابر ہوتا ہے (یعنی دو سو ساٹھ درہم یا تقریباً ساڑھے تیرہ چھٹانک کے بقدر)۔

پیمانے

طُوران (طواران) میں گیہوں ناپنے کا پیمانہ کُبجی کہلاتا ہے اور یہ چالیس (مکی) پونڈ[2] (رطل) کے برابر ہوتا ہے۔ کبجی چار سے آٹھ کبجی تک گیہوں آٹھ آنے (ایک درہم) میں مل جاتا ہے۔ ملتان میں

---

[1] ہندوستان کے بارے میں مقدسی کی یہ تصریح درست نہیں معلوم ہوتا ہے اس نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرلیا۔ [2] تقریباً چونتیس سیر

ناپنے کا پیمانہ مَطل کہلاتا ہے، اسمیں بارہ (۱۲) پونڈ[1] گیہوں آتا ہے۔

سکے

سندھ کے دراہم قاہریات کہلاتے ہیں۔ ہر قاہری درہم کی قیمت پانچ (معیاری) درہموں کے برابر ہوتی ہے، ان کے علاوہ تاتاری[2] (طاطرا) درہم بھی رائج ہیں۔ ایک تاتاری درہم ۱½ (معیاری) درہم کے بقدر ہوتا ہے۔ ملتان کے درہم (معرکے)، فاطمی دراہم کے ہمشکل ہوتے ہیں۔ یہاں غزنین کے قہری درہم بھی چلتے ہیں جو یمن کے قرد[3] مس سے ملتے جلتے ہیں۔

ٹیکس

طُوران (طوارِان) میں (ہندوستان و سندھ کے علاوہ ہر سمت سے) داخل یا خارج ہونے والے بوجھ (حمل[4]) پر تین روپے (چھ درہم) ٹیکس لیا جاتا ہے اور صرف داخل ہونیوالے غلام پر چھ روپے (بارہ درہم)۔ ہندوستان سے آنیوالے ہر بوجھ پر ٹیکس کی شرح دس روپے (بیس[5] درہم) ہے سندھ سے آنیوالے سامان کی قیمت کا اندازہ لگا کر محصول لیا جاتا ہے۔ صاف کئے چمڑے کی کھال پر آٹھ آنے (ایک درہم)۔ تجارتی ٹیکس سے طُوران کے خزانہ کو ہر سال پانچ لاکھ روپے (دس لاکھ درہم) آمدنی ہوتی ہے۔ حاکم طوران یہ ٹیکس بطور عشور (تجارتی ٹیکس) وصول کرتا ہے۔

---

[1] تقریباً سوا دو سیر۔ [2] راجگانِ قنوج راجپوتانہ سے نکالی ہوئی چاندی سے یہ سکے بناتے تھے۔ سب سے پہلے کابل کے تاتاری (Scythian) سلاطین نے جن کا تسلط شمالی مغربی ہندوستان پر بھی تھا یہ سکہ ایجاد کیا تھا۔ کابل کے علاوہ سندھ، راجپوتانہ اور گجرات میں بھی تاتاری درہم چلتے تھے، ان کا وزن پچاس سے اڑسٹھ گرام تک تھا، محمود غزنوی کے عہد تک یہ سکے چلتے رہے۔ کننگھم ص ۳۵۹۔

[3] جمع قروش یمن کا ایک سکہ جو چوتھائی یا تہائی دانق یعنی ڈیڑھ دو پیسے کے بقدر رہتا۔ مقدسی ص ۹۰۔

[4] اتنا بوجھ جو ایک شخص اپنی پیٹھ یا سر پر اٹھا لیتا۔

اِصطخری[1]:

ڈو کوہان والا اُونٹ (فالج)

بدھ قوم کی بستیاں دریائے سندھ (مہران) کے پچھم میں واقع ہیں؛ یہ لوگ اونٹ پالتے ہیں، ڈو کوہان والا (اعلیٰ تیز رفتار) اونٹ جو خراسان، فارس اور ان دوسرے ملکوں میں ملتا ہے جہاں بُختی پایا جاتا ہے اسی قوم کے علاقہ سے بھیجا جاتا ہے۔

اِدریسی[2]:

بُدھ قوم (شمالی افریقہ) کے بربر خانہ بدوشوں سے ملتی جلتی ہیں، یہ لوگ جھونپڑیوں، درختوں کے کُنجوں اور زیر آب نشیبی علاقوں میں رہتے ہیں، یہ علاقے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع ہیں۔ بدھ لوگ خوش پیکر، تیز رفتار اونٹ پالتے ہیں جن کی نسل سے فالج (عارج) اونٹ پیدا ہوتا ہے، خراسان اور فارس وغیرہ میں لوگ اس اونٹ سے بلخ اور سمرقند کا بُختی اونٹ پیدا کرنے کی خاطر اس اونٹ کی طلب گار رہتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ بُختی اونٹ کی جسمانی بناوٹ اچھی ہوتی ہے اور ہمارے ملکوں کے اونٹوں کے برخلاف اس کے ڈو کوہان ہوتے ہیں۔

ہندی کیٹیل

سرزمینِ سُفالہ[3] میں گاؤں جیسے دو شہر ہیں اور ان سے متصل چھوٹے چھوٹے دیہات ہیں، جہاں عربوں کی طرح خانہ بدوش لوگ رہتے ہیں، ان شہروں کے نام ہیں جنطہ اور دندمہ اور یہ دونوں ساحل سمندر پر واقع ہیں، ان کی حیثیت قصبوں کی سی ہے جن کے تابع بہت سے گاؤں ہوتے ہیں۔ باشندے غریب اور بدحال ہیں، لوہے کے علاوہ ان کے پاس تجارت یا کسب معاش کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، سُفالہ کے پہاڑوں میں لوہے کی بہت سی کانیں ہیں، جزائر جاوا (رانج) اور آس پاس کے دوسرے جزیروں کے باشندے یہاں آتے ہیں اور لوہا خرید کر ہندوستان کی تمام ریاستوں اور جزیروں

---

[1] مسالک الممالک ص۱۷۶۔ [2] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۱۱۶۔ [3] مشرقی افریقہ کی ریاست موزنبیق (Mozambique) کا ساحلی شہر آج ناوا سُفالہ کے نام سے موسوم ہے۔

کو برآمد کرکے اچھی قیمت وصول کرتے ہیں۔ ہندوستان کا بیشتر کاروبار لوہے سے ہوتا ہے ....
ہندوستان اور اس کے جزیروں میں اگرچہ لوہا پایا جاتا ہے لیکن سفالہ میں یہ زیادہ مقدار میں نکالا جاتا ہے اور وہ (ہندوستانی لوہے سے) زیادہ نرم[1] اور لوچدار ہوتا ہے۔ ہندوستانی ایسے نسخوں اور ان کی ترکیب استعمال سے اچھی طرح واقف ہیں جن سے نرم لوہا پگھلا کر ہندی اسٹیل میں تبدیل کرلیتے ہیں۔ ہندوستان میں تلوار ڈھالنے کے کارخانے موجود ہیں اور ہندوستانی کاریگر دوسری قوموں سے بہتر تلواریں بنالیتے ہیں۔ سندھی، سرندیپی اور سماتری (ہنیانی) لوہا.... بلحاظ مقامی آب ہوا، کاریگری، پگھلانے اور ڈھالنے کے کالات نیز باعتبار صیقل وجلا ایک دوسرے[2] سے بہتر ہوتا ہے لیکن دھار کی تیزی میں کوئی لوہا ہندوستانی اسٹیل کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اس حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف ہیں اور ہندی لوہے کی فضیلت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

غرناطی[2]:

.... ہندوستان کے پہاڑوں اور جزیروں میں صندل وکافور پیدا ہوتا ہے نیز ہر قسم کے خوشبودار پودے جیسے لونگ، جائفل، بالچھڑ، دارچینی، بج، سلیخہ[3]، الائچی، کبابہ، جاوتری اور مختلف قسم کی طبی جڑی بوٹیاں جنگلی چوہا اور (نرم وگرم پوستین والی) زبادبلی بھی پائی جاتی ہے یہاں لیکن زیادہ تر لنکا میں مختلف قسم کے یاقوت کی کانیں ہیں۔

یاقوت[4]:

بھڑوچ (بروص) سے نیل اور لاک برآمد کی جاتی ہے۔

---

[1] متن کا الطیب ہماری رائے میں ارطب کی تصحیف ہے۔

[2] مسالک الأبصار (ابن فضل اللہ عمری) قلمی بحوالہ تحفۃ الألباب محمد بن عبدالرحیم غرناطی۔

[3] ایک درخت کی چھال جو بطور دوا استعمال کی جاتی تھی۔ برہان قاطع ۲/۴۲۔

[4] معجم البلدان (لیپزگ) ۱/۵۹۵۔

عمری:

میں نے شیخ مبارک سے اندرونِ ہند اور اس کے اطراف و جوانب کے حالات پوچھے تو انہوں نے کہا: ہندوستان میں قریب دو ہزار چھوٹے بڑے دریا ہیں، ان میں سے کچھ نیل کے برابر ہیں، دریاؤں کے کنارے گاؤں اور شہر آباد ہیں ..... یہاں مختلف قسم کے غلے پیدا ہوتے ہیں جیسے گیہوں، چاول، جو، چنا، مسور، اُرد، لوبیا اور تِل، فول مٹر تقریباً نہیں ہوتا۔ مصنف کتاب: میرا خیال ہے کہ فول مٹر نہ ہونیکا سبب یہ ہے کہ ہندوستان فلسفیوں اور مفکروں کا ملک ہے اور ان کی رائے میں فول جوہر عقل کے لئے مضر ہے۔

شیخ مبارک: پھلوں میں انجیر اور انگور کم ہوتا ہے، انار کھٹا، میٹھا اور کڑوا تینوں قسم کا، کیلا، خوبانی، کھٹا، لیمو، لیم (؟)، نارنگی، املی، گولر، کالا شہتوت (فرصاد) خربوزہ، تربوز، ککڑی، کھیرا اور پیٹھا۔ انجیر اور انگور مذکورہ پھلوں کی نسبت کم ہے، امرود ہوتا ہے اور باہر سے بھی منگایا جاتا ہے، ناشپاتی (کمثری) اور سیب امرود سے کم پایا جاتا ہے، ان کے علاوہ ہندوستان میں ایسے پھل بھی ہوتے ہیں جو مصر، شام اور عراق میں نہیں ہوتے جیسے آم، مہوا (؟) بکھ (؟) کریکا (؟) انگیکی (؟) بکی (؟) نغزک نامی عمدہ آم، کچھ اور بھی عمدہ اور اعلیٰ پھل پائے جاتے ہیں ... دہلی میں کیلا آس پاس کے علاقوں کی نسبت کم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بازار میں خوب ملتا ہے، گنّے کی ہندوستان میں ہر جگہ افراط اور بے قدری ہے، اس کی ایک قسم سیاہ اور سخت چھلکے والی چوسنے کے لئے بہترین ہوتی ہے، یہ گنّا کسی دوسرے ملک میں نہیں پایا جاتا، گنّے کی باقی قسموں سے بڑے پیمانے پر کھانڈ بنائی جاتی ہے جو مصری سے سستی ہوتی ہے، یہ ڈلی جیسی نہیں ہوتی بلکہ سفید میدہ کی طرح باریک ہوتی ہے۔ جیسا کہ شیخ مبارک نے مجھے بتایا ہندوستان میں اکیس قسم کا چاول ہوتا ہے، شلجم، گاجر، کدو، بیگن، مارچوبہ (ہلیون) اور ادرک بھی ہوتی ہے، ہری ادرک گاجر کی طرح پکائی جاتی ہے: ادرک کا مزہ بہت اچھا ہوتا ہے، کوئی دوسری ترکاری اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چقندر، لہسن، پیاز، صعتر

ل مسالک الابصار قلمی ۵/۱۰۔

پودینہ اور سونف (شمار) بھی پائی جاتی ہے، گوناگوں اقسام کے پھول ہوتے ہیں جیسے، گلاب، کنول، بنفشہ، مشک بید، نرگس، گل مہدی۔ تل کا تیل ہوتا ہے اور جلانے کے کام آتا ہے لیکن روغنِ زیتون نہیں ہوتا اور باہر سے منگایا جاتا ہے، شہد کی فراوانی ہے۔

الائچی

ادریسی:

فندرینہ[1] کے شمال میں ایک بڑا اور اونچا پہاڑ ہے جہاں بہت سے درخت اور مویشیوں سے بھرپور آباد بستیاں پائی جاتی ہیں، اس پہاڑ کے چاروں طرف الائچی پیدا ہوتی ہے اور تمام دنیا کے ملکوں کو برآمد کی جاتی ہے۔ الائچی کا پودا ٹھنگنے کے پودے سے بہت ملتا جلتا ہے، الائچی کی بونڈیاں ہوتی ہیں جن میں دانے بھرے ہوتے ہیں۔

لونگ

لونگ کا پودا شاخوں کی نزاکت اور سرخی میں مہدی کے پودے سے ملتا جلتا ہے، اس کا پھول بونڈی میں ہوتا ہے، گل نارنگی کے ہم شکل۔ جب پھول گر جاتے ہیں تو بونڈیاں جمع کر لی جاتی ہیں اور انہیں پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، ایک مناسب وقت تک پانی میں رکھے جانے کے بعد (لونگ کے مالک)۔ بونڈیاں پانی سے نکال کر سکھا لیتے ہیں اور باہر سے آئے ہوئے تاجروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں، یہ تاجر جہازوں میں بھر کر ساری دنیا میں لونگ پھیلاتے ہیں۔

بس (بیش)

ایک پودا ہے جو ہندوستان میں اگتا ہے، اسے اگر نصف درہم (تقریباً دو ماشے) کے بقدر کھا لیا جائے تو وہ زہر قاتل ثابت ہوتا ہے، اگر کسی کو اس کا شربت پلا دیا جائے تو اس کی آنکھیں باہر نکل پڑتی

---

[1] پتلاینی (PATAL AYINI) کی تعریب، کیرالا میں ساحلِ مالابار کا مشہور تجارتی شہر۔

[2] متن کا الہدایج، الشہدانج کی تصحیف ہے۔

[3] اس کے بعد دو بگڑے ہوئے لفظ ہیں جن کی صحیح شکل معلوم نہیں ہو سکی۔

ہیں، ہونٹ اور زبان سوج جاتے ہیں، سر چکرانے لگتا ہے اور غشی طاری ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ جب کسی دشمن راجہ کو دھوکہ سے مارنا چاہتے ہیں تو ایک لڑکی کو بچپن سے بس کی عادت ڈلوا دیتے ہیں، کافی عرصہ تک اس کے پالنے، اس کے بستر اور کپڑوں میں بس رکھا جاتا ہے، اس طرح آہستہ آہستہ لڑکی بس کی عادی ہو جاتی ہے اور جب اسے بس کھانے سے کوئی گزند نہیں پہنچتا تو اس کی ٹریننگ پوری سمجھی جاتی ہے۔ ایسی لڑکی کو تحفے تحائف کے ساتھ اس راجہ کے پاس بھیج دیتے ہیں جسے دھوکہ سے مارنا مقصود ہوتا ہے، راجہ لڑکی سے ہم بستر ہونے کے بعد مر جاتا ہے۔ زہر بیچنے والا بس چباتا ہے تو اسے نہ کوئی نقصان ہوتا ہے اور نہ بس کے چوہے (فارۃ البیش) کو کوئی ضرر پہنچتا ہے۔ جو اس پودے کی جڑ میں رہتا ہے اور اسے کھاتا بھی ہے۔

قُسط[1]

بزرگ بن شہریار:

مجھ سے حسن بن عمرو نے بیان کیا کہ اس نے منصورہ (پایۂ تخت سندھ) میں کشمیر زیریں[3] کے باشندے دیکھے۔ کشمیر زیریں اور منصورہ کے درمیان براہِ خشکی ستر دن کی مسافت ہے کشمیر کے لوگ قسط کے بنڈل دریائے سندھ میں ڈال دیتے ہیں اور ان پر بیٹھ کر دریا میں رواں ہو جاتے ہیں۔ دریائے سندھ (مہران) طغیانی کے ایام میں دجلہ اور فرات (عراق) کی طرح پانی سے بھرپور رہتا ہے۔ وہ قسط کے بنڈل بناتے ہیں، ہر بنڈل کا وزن سات سو سے آٹھ سو پونڈ (من) ہوتا ہے، ہر بنڈل پر کھال چڑھا دیتے ہیں جس سے پانی یا نمی وغیرہ کا قسط تک اثر نہیں پہنچتا۔ وہ سارے بنڈلوں کو مضبوطی سے

---

[1] سیاہ رنگ کی کڑوی لکڑی، مرہموں میں ڈالی جاتی تھی اور مختلف امراض میں بطور دوا استعمال کی جاتی تھی۔ لسان العرب میں ہے: قسط لکڑی ہندوستان سے لائی جاتی ہے اور سلگانے اور دواؤں کے کام آتی ہے۔ [2] عجائب الہند ص ۱۰۲-۱۰۳۔

[3] کشمیر زیریں کا اطلاق عام طور پر دکن پلیٹو پر ہوتا ہے، یہاں بظاہر اٹک (پنجاب) کے شمال کا پہاڑی علاقہ مراد ہے جو کشمیر کے بعد دریائے سندھ کا رہ گزر تھا۔

یا ہمگرہ باندھ دیتے ہیں اور بنڈلوں کی سطح ہموار کر کے ان پر بیٹھ جاتے ہیں اور سندھ کے پانی میں رواں ہو جاتے ہیں یہ چالیس دن کا دریائی سفر کر کے وہ منصورہ کی بندرگاہ (دیبل) پہنچ جاتے ہیں، اس دوران میں قُسط کی لکڑی محفوظ رہتی ہے اور اس پر پانی کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔

مُشک

قلقشندی[1]:

(۱) مشک ہندی۔ یہ تبت سے ہندوستان اور وہاں سے دیبل (بندرگاہ سندھ) اور پھر براہ سمندر سیراف، عمان، اور (جنوب میں) عدن اور دوسرے ملکوں کو لایا جاتا ہے۔ مشک ہندی اگرچہ تبتی مشک ہی ہوتا ہے اور (بلاد اسلامیہ پہنچنے تک) اگرچہ اسے چینی مشک کی نسبت کم مسافت طے کرنا پڑتی ہے، اس کے باوجود ہندی مشک کا رتبہ چینی مشک سے کم ہے اور اس کا سبب یہ ہے جیسا کہ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ تبتی مشک جب ہندوستان آتا ہے تو ہندوا سے سال بھر تک اپنی مورتیوں پر ملتے ہیں پھر اس کے پروہت یہ مشک بیچ ڈالتے ہیں اور نیا مشک مورتیوں پر ملنے لگتے ہیں، عرصہ تک مورتیوں پر ملنے سے مشک کی خوشبو کم ہو جاتی ہے لیکن محمد بن عباس (دُشکی) ہندی مشک کو چینی مشک پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندی مشک (کو بلاد اسلامیہ پہنچنے تک) چینی مشک کی نسبت کم فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے جس کے نتیجہ میں سمندری ہوا اس کی خوشبو بدلنے میں اس حد تک اثر انداز نہیں ہوتی جتنا چینی مشک پر اثر انداز ہوتی ہے[2]۔

(۲) مشک جبلی: یہ سندھ کے علاقہ طوران (مولتان) سے لایا جاتا ہے، اس کے نافے بڑے اور خوش رنگ ہوتے ہیں لیکن اس میں خوشبو کم ہوتی ہے۔

(۳) مشک دارینی۔ منسوب بہ دارین جو خلیج فارس کا ایک جزیرہ ہے اور اس کا شمار سرزمین بحرین میں ہوتا ہے۔ اس جزیرہ پر ہندوستان کے تجارتی جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ دارین سے

---

[1] صبح الاعشیٰ ۲/۱۱۵، ۱۱۶۔ [2] مشک کو سمندر کی مرطوب ہوا میں زیادہ عرصہ رکھنے سے اس کی خوشبو اور خواص پر برا اثر پڑتا ہے۔

یہ مشک مختلف نواح کو بھیجا جاتا ہے، خود دارین میں مشکی ہرن نہیں ہوتا۔

عنبر

عنبر ہندی: یہ ہندوستان کے ساحلی شہروں سے جمع کیا جاتا ہے اور بصرہ نیز دوسرے (اسلامی) بندرگاہوں کو بھیجا جاتا ہے۔ ایک قسم کے ہندی عنبر کا نام کرک بالوس[1] ہے۔ لوگ اسے عمان کے قریب لاتے ہیں اور وہاں کے سمندر میں عنبر کے گاہک کشتیوں میں بیٹھ کر آتے ہیں اور عنبر خرید لے جاتے ہیں[2]۔

صندل

یہ ایک درخت کی لکڑی ہے جو زیرین ہند (سفالۃ الہند) سے برآمد کی جاتی ہے، صندل کی سات قسمیں ہیں:-

(۱) مقاصیری۔ یہ زرد رنگ کا ٹھوس اور روغنی صندل ہوتا ہے گویا اس پر خوب خوشبودار زعفران مل دیا گیا ہو۔ اس کا نام مقاصیری پڑنے کے دو سبب بتائے گئے ہیں: ایک یہ کہ مقاصیر ایک علاقہ ہے جس کی طرف یہ منسوب ہے، دوسرے یہ کہ ایک عباسی خلیفہ نے اپنی کسی اُم ولد یا چہیتی لونڈی کیلئے اس صندل کے حجرے (مقاصیر) بنوائے تھے، مقاصیری صندل کے بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں جنہیں گیلا کاٹ لیا جاتا ہے۔ سب سے عمدہ مقاصیری صندل پیلے رنگ کا ہوتا ہے اسمیں بڑی مہک ہوتی ہے لیکن مہک میں تیزی یا تیکھا پن (زعارۃ) نہیں ہوتا، تمیمی[3] کی رائے ہے کہ یہ صندل

---

[1] نویری نے تصریح کی ہے کہ کرک بالوس نامی عنبر ایک ہندوستانی قوم کی طرف منسوب ہے جو کرک بالوس کے نام سے موسوم تھی اور جو اسے برآمد کیا کرتی تھی۔ نہایۃ الأرب ۱۲/۲۰۔ ممکن ہے کرک بالوس لنجبالوس کی تصحیف ہے جس کا اطلاق عرب جزائر نکوبار پر کرتے تھے اور ان جزیروں کا شمار ہندوستان کے سرحدوں میں کیا جاتا تھا۔ [2] صبح الأعشیٰ ۲/۱۱۸۔

[3] محمد بن احمد تمیمی مراد ہے جس نے چوتھی صدی ہجری میں خوشبودار اشیاء مثلاً مشک، عنبر، صندل اور عود پر ایک کتاب جیب العروس وریحان النفوس کے نام سے لکھی تھی۔ عیون الأنباء ابن ابی اُصیبعہ ۲/۸۷-۸۸۔

عود حوں کے خشک اور تر ابٹن میں ڈالا جاتا ہے، ابٹن کے علاوہ برکیات، مثلثات، ذرائر (نامی مرکبات) میں بھی استعمال ہوتا ہے، صندل لکڑی کے ہار بنائے جاتے ہیں اور دواؤں میں بھی ڈالی جاتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ یمن کے موجودہ سلطان کے لیے صندل کے پلنگ بنائے جاتے ہیں۔ جب لکڑی اس کی قلمرو سے باہر بھیجی جاتی ہے تو وہ اس کے ٹکڑے کروا دیتا ہے تاکہ کسی دوسرے بادشاہ کے لیے اس کی طرح صندل کے پلنگ نہ بنائے جاسکیں۔

(۲) طَیِّبُ الرّیح۔ یہ صندل مذکورہ بالا مقاصیری کی ایک قسم ہے، سفید رنگ کو چھوڑ کر اور کسی لحاظ سے مقاصیری سے کم نہیں ہوتا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مقاصیری صندل لکڑی کا داخلی حصہ ہوتا ہے اور طیب الریح بیرونی۔

(۳) جوزی۔[1] اس کی لکڑی سخت اور سفید ہوتی ہے اور سفیدی میں گندمی رنگ کی جھلک پائی جاتی ہے، اس کا درخت جوز نامی علاقہ میں اگتا ہے، اس کی خوشبو عمدہ لیکن طیب الریح سے ہلکی ہوتی ہے۔

(۴) ساوس جس کا دوسرا نام کاوس بھی ہے، اس کا رنگ زرد اور خوشبو عمدہ ہوتی ہے لیکن اس میں حدت (زعارۃ) پائی جاتی ہے۔ ذرائر، مثلثات اور خوشبودار اشیا میں ڈالا جاتا ہے، سلگانے کے کام بھی آتا ہے۔

(۵) اس کا[2] رنگ سرخی مائل ہوتا ہے اور یہ ساوس سے ملتا جلتا ہے۔

(۶) جبُ الشعر۔ اس کی لکڑی جب کاٹی جاتی ہے تو سپاٹ اور یکساں نہیں ہوتی بلکہ لہریا ہوتی ہے زیتون کی لکڑی کی طرح، اور یہ ہر قسم کے صندل سے زیادہ تیز خوشبو ہوتی ہے لیکن یہ صرف سلگانے اور مثلثات بنانے کے کام آتا ہے۔

(۷) أحمر اللون۔ اس کی لکڑی خوش رنگ اور بھاری ہوتی ہے لیکن خوشبو سے معری، اس سے

---

[1] نویری (نہایۃ الأرب ۲۹/۱۲) نے جور بالرار لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ یہ اطراف ہند کا علاقہ ہے۔ ہمارے مراجع میں نہ جوز بالرار کا سراغ ملا نہ جور بالرار کا۔ [2] متن میں اس کا کوئی نام نہیں دیا گیا۔

صرف چرخیاں اور خراطا ہوا سامان جیسے دواتیں، دعطر دان) اور شطرنج (کے مہرے) بنائے جاتے ہیں، طبی کاموں میں بھی کام آتا ہے۔
نویری؛

عود (اگر)

محمد بن احمد تمیمی نے اپنے دادا کی سند پر جس نے باخبر لوگوں سے عود کے حالات معلوم کئے تھے، بیان کیا کہ عود کے بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں جو ہندوستان کے کسی مخصوص علاقوں میں پائے جاتے ہیں عود کی کچھ قسمیں اندرونی کشمیر، لنکا، سقاتی لینڈ (تمار) اور ملحقہ ملکوں سے بھی برآمد کی جاتی ہیں، باخبر لوگوں کی رائے ہے کہ عود میں اس وقت خوشبو پیدا ہوتی ہے جب اس کی لکڑی پرانی ہوجاتی ہے اور اسے کاٹ کر اس کا بکل اتار لیا جاتا ہے، سوکھنے اور بکل چھٹانے کے بعد ہی اس کو فروخت کے لئے منڈیوں میں بھیجا جاتا ہے۔ مجھے بعض لوگوں نے بتایا کہ درخت کی ساری لکڑی عود نہیں ہوتی بلکہ اس کا مرکزی حصہ عود ہوتا ہے، آبنوس، عناب، زیتون اور دوسرے درختوں کی طرح جن کے مرکزی حصوں میں روغن ہوتا ہے، عود لکڑی بھی قلبِ درخت سے نکالی جاتی ہے۔ درخت کا بکل سفید ہوتا ہے، اور اس میں روغن نہیں ہوتا بعض اوقات عود کی لکڑی میں دھاریاں اور کالے نشان بھی پائے جاتے ہیں، عود کی لکڑی کاٹ لی جاتی ہے اور اس کا بکل الگ کر کے لکڑی کو مٹی میں دبا دیا جاتا ہے، برسوں مٹی میں رہنے سے لکڑی کا بالائی حصہ گل جاتا ہے اور اندرونی حصہ (عود) محفوظ رہتا ہے، اس پر مٹی کا اثر نہیں ہوتا۔ (ایک دوسرے محقق) محمد بن عباس نے بھی عود کے بارے میں اسی طرح کی رائے دی ہے۔ محمد بن عباس نے مزید کہا، (شطِ العرب کے مشہور بندرگاہ) اُبلہ کے باخبر اشخاص نے مجھے بتایا کہ

---

[1] اضافہ از نہایۃ الأرب نُویری ۱۲/۴۰ ۔ [2] اضافہ از نہایۃ الأرب ۱۲/۴۱ ۔

[3] نہایۃ الأرب ۱۲/۲۳-۲۵ ۔ [4] دسویں صدی میں بیت المقدس کا ایک طبیب اور محقق ادویہ، مشک عنبر، صندل اور عود سے متعلق نُویری اور قلقشندی کی بیشتر معلومات انکی کتاب جَیبُ العروس وریحانُ النفوس سے ماخوذ ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے ربع ثالث میں لکھی گئی تھی۔ ابن ابی اُصَیبعہ ۲/۸۰-۸۹۔

عود ہندی کا درخت دشوار گذار اونچے پہاڑوں کی وادیوں میں ہوتے ہیں، نقل وحرکت کی دشواری کے باعث وہاں انسان کا گذر نہیں ہوتا، پرانے ہو کر درخت ٹوٹ جاتے ہیں یا کثرت باراں اور سیلاب سے ان کی جڑیں سڑ جاتی ہیں اور مٹی، پانی اور ہوا کے زیر اثر ان کی لکڑی گل جاتی ہے اور صرف لکڑی کا مرکزی اور جوہری حصہ محفوظ رہ جاتا ہے۔ جب زور دار بارش ہوتی ہے تو سیلاب کا دھارا عود لکڑی کو ان پہاڑی وادیوں سے سمندر میں بہا لاتا ہے اور وہاں سے موجیں اسے ساحل پر لا پھینکتی ہیں پھر لوگ اسے جمع کر لیتے ہیں اور بیچنے کیلئے مختلف ملکوں کو لیجاتے ہیں۔

ایک تاجر نے جو ہندوستان کے کئی سفر کر چکا تھا بیان کیا: نہ تو میں نے عود کا درخت دیکھا ہے اور نہ کسی ایسے شخص نے جس سے میں واقف ہوں۔ جب لوگوں نے پوچھا، عود ہندوستان سے آتا ہے اور تم وہاں کے کئی سفر کر چکے ہیں پھر تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے عود کا درخت نہیں دیکھا تو وہ تاجر بولا، اس لئے کہ جب بیوپاری عود لکڑی اپنی کشتیوں میں لاد کر ہندوستانی بندرگاہوں کو لاتے ہیں تو اپنی کشتیاں ساحل سے اتنے فاصلہ پر روک لیتے ہیں جہاں سے بندرگاہ والوں کو ان کی کشتیاں تو نظر آجاتی ہیں لیکن وہ خود نظر نہیں آتے، ان کشتیوں کو دیکھ کر مقامی تاجر رات ہوتے ہی بندرگاہ چھوڑ کر روپوش ہوجاتے ہیں، کشتی والے آتے ہیں اور اپنا تمام سامان بندرگاہ پر اُتار لیتے ہیں، ہر بیوپاری اپنا سامان الگ رکھ دیتا ہے، اس کے بعد یہ لوگ اس جگہ لوٹ جاتے ہیں جہاں پر اپنی کشتیاں روکی تھیں۔ صبح کو (روپوش مقامی) تاجر بندرگاہ لوٹ آتے ہیں اور سامان کے ہر ڈھیر کے پاس اس کی ہم قیمت کچھ سامان رکھ دیتے ہیں اور پھر روپوش ہوجاتے ہیں، کشتیوں کے بیوپاری آتے ہیں اور اپنے اپنے سامان کے بدلے ملنے والے معاوضہ کا جائزہ لیتے ہیں، جو بیوپاری معاوضہ سے مطمئن ہوجاتا ہے وہ اسے اٹھا لیتا ہے اور اپنا سامان چھوڑ دیتا ہے اور جو مطمئن نہیں ہوتا وہ معاوضہ اور سامان جوں کا توں چھوڑ دیتا ہے، بندرگاہ کے تاجر صبح کو شہر سے آکر ان بیوپاریوں کا سامان دیکھتے ہیں اگر اس کے پاس اس کا معاوضہ نہیں ہوتا تو سمجھ لیتے ہیں کہ اس کا مالک پیش کردہ بدلہ سے مطمئن تھا اور اسے اٹھالے گیا ہے اور اگر سامان کے پاس اس کا عوض رکھا ہوتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک

عوض سے مطمئن نہیں ہے، اندریں صورت اسے اتنی قیمت بڑھانی پڑتی ہے کہ مالک مطمئن ہو جائے۔ یہ ہے لانیوالے بیوپاریوں سے تجارت کا طریقہ۔ کسی تاجر نے انہیں نہیں دیکھا ہے، البتہ کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص ایسی جگہ چھپ گیا جہاں سے وہ ان بیوپاریوں کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے، اس نے دیکھا کہ ان کے چہرے کتوں کے سے دکالے اور رستے ہوئے) ہیں اور باقی جسم انسانوں کا سا ہے۔

عود کی بہت سی قسمیں ہیں، سب سے اعلیٰ، عمدہ اور نفیس مَندَلی عود ہوتا ہے اور اسی عود کو عود ہندی کہتے ہیں۔ مندلی، مندل کی طرف نسبت ہے جہاں یہ عود پیدا ہوتا ہے، مندلی یعنی عود ہندی ہندوستان کے تین علاقوں سے دستیاب ہوتا ہے، ان سب میں بہتر قامرولی[1] (قامرونی) عود ہوتا ہے جو قامروب (قامرون) سے لایا جاتا ہے، قامروب (قامرون) ہندوستان کا ایک پہاڑی علاقہ ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قامرولی (قامرونی) عود قامرون نامی درخت کی طرف منسوب ہے، یہ عود ہر دوسرے عود سے مہنگا اور مرتبہ میں عود کے .... سارے اصناف سے اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے، کمیاب ہے اور ہر وقت دستیاب بھی نہیں ہوتا، یہ خوب نرم، ٹھوس، بھاری، تر اور گہرا سیاہ ہوتا ہے، ابو زید حسن[2] سیرانی نے اپنی کتاب اخبار ہند[3] میں لکھا ہے، منصورہ[4] سے قریب واقع ملتان کی مشہور مورتی کی زیارت کے لئے ہندو تین ماہ کی مسافت سے اپنی پیٹھ پر بہترین قسم کا ہندی اور قامرولی (قامرونی) عود لاد کر چلتا ہے۔ قامروب (قامرون) وہ سرزمین ہے جہاں اعلیٰ قسم کا عود ہوتا ہے تین ماہ ڈھونے کی مشقت اٹھانے کے بعد وہ ہندو عود کا بوجھ ملتان کی مورتی کے پاس لاتا ہے اور مورتی کو اس کی دھونی دینے کے لئے مندر کے پروہتوں کے حوالہ کر دیتا ہے، اس عود کے ایک پونڈ

---

[1] قامروب کامروپ کی تعریب ہے جو قدیم زمانہ میں آسام کا نام تھا۔ [2] متن میں غلطی سے حسین بن یزید سیرانی قلمبند ہوا ہے۔ [3] ابوزید حسن سیرانی کی اخبار الہند سے مراد ہے تکملۃ سلسلۃ التواریخ۔

[4] پایۂ تخت سندھ، حیدر آباد سے قریب پچاس میل شمال مشرق میں۔ ادریسی کا یہ قول بھی صحیح نہیں کہ ملتان منصورہ کے قریب واقع ہے، ان دونوں کے درمیان پانچسو میل سے زائد مسافت تھی۔

(من) کی قیمت ایکہزار روپے (دو سو دینار) اٹھتی ہے، یہ اتنا نرم ہوتا ہے کہ جب اس پر مہر لگائی جاتی ہے تو مہر کا نقش اس پر ابھر آتا ہے۔ عود کے تاجر قامروبی (قامرونی) عود مورتی کے پروہتوں سے خرید لیتے ہیں۔

دوسری قسم کا عود سمندری (سمندوری) کہلاتا ہے اور یہ سمندر[1] (سمندور) سے آتا ہے جو ازیرین ہندوستان (سفالۃ الہند یعنی اڑیسہ) کا ایک شہر ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، ان میں سب سے عمدہ عود کالے رنگ کا ہوتا ہے، یہ خوب تر سخت اور بھاری ہوتا ہے اور آگ میں زیادہ دیر تک سلگتا رہتا ہے، بعض لوگ سیاہ عود کو نیلے پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض نیلے کو سیاہ پر، اس عود کا ایک موٹا ٹکڑا الیقدر پونڈ (من) کے وزنی ہوتا ہے اور عمدہ خوشبو کے باعث اس کا نام ریحان العود پڑ گیا ہے، سمندری عود کے بعد قماری کا مرتبہ ہے، یہ قمار[2] سے لایا جاتا ہے جو زیرین ہندوستان (سفالۃ الہند) میں واقع ہے، اس کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ سیاہ اور نیلا ہوتا ہے، یہ خوب سخت اور تر ہوتا ہے، اس میں سفیدی بالکل نہیں ہوتی، جلتا بھی کم ہے، اس کا ایک ٹکڑا النصف پونڈ (من) یا اس سے کچھ کم وزنی ہوتا ہے۔

عود ہندی میں حلاوت، حدت، مہک اور آنچ برداشت کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ کسی دوسرے عود میں نہیں ہوتی، محمد بن عباس مُشکی نے اپنی کتاب میں عود ہندی کی فضیلت اور خلفاء کے محلوں میں اس کے استعمال کے اسباب بیان کئے ہیں، لکھتا ہے: عود ہندی سب سے اعلیٰ قسم کا عود ہے اور ہر عود سے کم جلتا ہے اور اس کی مہک ہر عود سے زیادہ کپڑوں میں بسی رہتی ہے، اسلام سے پہلے اور اس

---

[1] عہد قدیم میں اڑیسہ کی چلکا جھیل کو سمندر کہتے تھے، سمندری عود اسی جھیل کے ملحقہ جنگلوں سے بیرونی ملکوں کو بھیجا جاتا تھا۔ دیکھو کننگھم ص ۵۸۴۔

[2] محققوں کی رائے میں قمار KHMER کی تعریب ہے اور KHMER. کا اطلاق پرانے زمانہ میں موجودہ تھائی لینڈ پر ہوتا تھا۔

کے بعد بھی عہد اُموی کے آخر (سنہ ۱۳۲ھ) تک تاجر عراق و شام کے ملکوں میں عود ہندی برآمد نہیں کرتے تھے اور نہ ان وہ اس کے برآمد کرنے سے کوئی دلچسپی تھی، وجہ یہ تھی کہ اس کی خوشبو میں تلخی (مرارہ) پائی جاتی تھی۔ فارس کے کسری بادشاہ مندلی[1]، قماری، سمندری اور کمبوڈی (صنفی) عود استعمال کرتے تھے، کیونکہ ان علاقوں کے عود کی خوشبو بہت میٹھی ہوتی تھی تاہم اس مٹھاس سے کپڑوں میں کھٹمل پیدا ہو جاتے تھے، عراق و شام کے ملکوں میں لوگ عود ہندی سے واقف تھے اور اس کی خوبیوں سے باخبر ہونے کے باوجود تاجر اسے برآمد نہیں کرتے تھے، عہدِ اُموی کے اواخر میں جب اُموی حکمرانوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑا بڑھا اور ان کے پاس روپے کا توڑ ہو گیا تو انہوں نے رعایا کی دولت پر دست درازی شروع کر دی، ناجائز طریقوں سے روپیہ حاصل کرنے لگے اور اوقاف نیز یتیموں کے املاک پر ہاتھ ڈالنے لگے چنانچہ خراسان کے اُموی گورنروں نے برمک[2] اور اس کے لڑکوں سے روپیہ طلب کیا۔ برمک کے تصرف میں وقف کی بہت سی دولت اور جائداد تھی (اُموی گورنروں کے پیہم مطالبوں سے تنگ آ کر) برمک اور اس کے لڑکے خراسان سے ہندوستان بھاگ آئے اور وہاں عباسی حکومت کے قیام تک ٹھہرے رہے حسین بن برمک نے دیکھا کہ خوشبو کی لطافت کے باوجود عود ہندی کی (مسلمان) تاجروں میں مانگ نہیں ہے، خود اسے یہ عود بہت پسند آیا اور اس نے بڑی مقدار میں خرید لیا اس کے بعد خالد بن برمک اور اس کا بھائی حسین اور ان کے متعلقین ابوجعفر منصور کے خلیفہ ہونے کے بعد اس سے ملنے گئے، منصور نے انہیں اپنا مقرب اور مشیر بنا لیا۔ ایک دن حسین برمکی منصور سے ملنے آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ عود قماری سے دھونی لے رہا ہے۔ اس نے خلیفہ سے کہا کہ میرے پاس قماری عود سے زیادہ لطیف اور خوشبودار عود ہے جو میں ہندوستان سے اپنے ساتھ لایا ہوں منصور کی فرمائش پر حسین عود ہندی لے کر آیا، منصور نے اسے پسند کیا اور حکم دیا کہ ہند (یعنی سندھ) میں (اس کے گورنر کو) لکھا جائے کہ بڑی مقدار میں عود ہندی بھیجے۔ عود ہندی کی مہک کی تلخی اور حدت (تُنْد حارّہ)

---

[1] مندلی منسوب بہ منڈل، منڈل سے ساحل کار منڈل (تامل ناڈ) مراد ہے۔ [2] برمک بلخ (مشرقی خراسان) کے مشہور بدھ وہار کا متولی تھا۔ برمک پرمکھ کی تعریب ہے یعنی ناظم اعلیٰ۔

برداشت کرلی گئی کیونکہ اس نے کھٹمل مر جاتے تھے اور کپڑوں میں (دیمک) پیدا نہیں ہوتے تھے، مزید برآں کپڑوں میں اس کی مہک زیادہ دیرپا ہوتی تھی مجب خلفاء اور سلاطین نے عود ہندی کو پسند کرلیا اور اپنے محلوں میں اسے سلگانے لگے تو عود کے دوسرے اقسام کا مرتبہ گر گیا اور عود ہندی کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔

کافور

کافور کا درخت خوب بڑا اور گھنا[1] ہوتا ہے۔ اس کے سایہ میں سو بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ درخت سے کافور اس طرح نکلتا ہے کہ اس کے تنے کے بالائی حصہ میں سوراخ کردیا جاتا ہے جس سے کئی گھڑے کافور بہ نکلتا ہے، جب یہاں سے کافور بہنا بند ہوجاتا ہے تو تنے کے وسط میں سوراخ کردیا جاتا ہے، وہاں سے کافور کی ڈلیاں نکل پڑتی ہیں۔ یہ درخت کا گوند ہوتی ہیں جو اس کے اندر جم جاتا ہے۔ کافور دینے کے بعد درخت بیکار ہو کر خشک ہوجاتا ہے اور پھر کافور کیلئے دوسرے درخت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ درخت کافور کی لکڑی سفید اور ہلکی ہوتی ہے۔

لونگ

زکریا قزوینی[2] :

اس کا پودا ہندوستان کے ایک جزیرہ میں اگتا ہے اور پھل جوہی کے پھول کی طرح ہوتا ہے لیکن خوب سیاہ، باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ اس جزیرہ کے لوگ لونگ کو آگ میں پکا کر باہر جانے دیتے ہیں تاکہ کسی دوسری جگہ لونگ نہ اگائی جاسکے۔

کافور

یہ ایک بڑا ہندوستانی درخت ہے جس پر گدھ بسیرا لیتے ہیں، یہ اتنا گھنا ہوتا ہے کہ اس کے

---

[1] انگریزی میں اس کا نام ولو (WILLOW) ہے، اس کی لکڑی نرم ہوتی ہے اور خاص طور پر کھیل کا سامان بنانے کے کام آتی ہے۔

[2] عجائب المخلوقات (حاشیہ دمیری) ص ۳۶

سایہ میں بہت سے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ سال کے ایک خاص وقت ہی کافور کے طالب اس جگہ جاتے ہیں جہاں یہ درخت اگتا ہے، یہ ساحل سمندر پر واقع ہونے والے پہاڑوں کے دامن میں پایا جاتا ہے اس کی لکڑی سفید ہلکی اور بآسانی ٹوٹنے والی ہوتی ہے۔ اس کا گوند کافور کہلاتا ہے اور درخت کے زیریں حصہ سے بہتا ہے۔ محمد بن زکریا (رازی طبیب): کافور اس درخت کا گوند ہوتا ہے لیکن وہ درخت کے اندر پایا جاتا ہے، درخت کے بالائی حصہ میں سوراخ کر دیا جاتا ہے تو گرمی کے وقت اس سے کافور بہ نکلتا ہے۔ سوراخ سے ذرا نیچے ایک دوسرا سوراخ کیا جاتا ہے تو اس سے کافور کی ڈلیاں خارج ہوتی ہیں۔

سیاہ مرچ

ابن خردادبہ[1]:

کیولان (کولم) میں سیاہ مرچ اور بانس پیدا ہوتا ہے، جہازرانوں کا بیان ہے کہ سیاہ مرچ کے ہر خوشہ پر ایک پتہ ہوتا ہے جو اسے بارش سے محفوظ رکھتا ہے اور جب بارش ختم ہو جاتی ہے تو پتہ خوشہ کے اوپر سے ہٹ جاتا ہے اور جب پانی برستا ہے تو پھر خوشہ کو ڈھک لیتا ہے۔

زکریا قزوینی[2]:

سیاہ مرچ کا درخت ہندوستان کے مالابار (ملیار) نامی علاقہ میں اگتا ہے، یہ اونچا ہوتا ہے، اور اس کے نیچے ہر وقت پانی رہتا ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو سیاہ مرچ پانی کی سطح پر آگرتی ہے، اسے جمع کر لیا جاتا ہے...... یہ ایک آزاد درخت ہے اور اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اس میں پھل سردی اور گرمی کے موسم میں آتا ہے، سیاہ مرچ کے خوشے ہوتے ہیں جب دھوپ تیز ہوتی ہے تو ہر خوشے کو درخت کے پتے ڈھک لیتے ہیں تاکہ پھل جل نہ جائے، دھوپ کے ہٹتے ہی پتے بھی ہٹ جاتے ہیں تاکہ ان کو ہوا لگ سکے۔ اس درخت کو دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ وہ انار کے درخت سے ملتا جلتا ہے، اس کے دو پتوں کے درمیان سیاہ مرچوں کے دو خوشے ہوتے ہیں اور ہر خوشے کی لمبائی ایک انگلی

---

[1] المسالک الممالک ص ۹۲-۹۳۔ [2] عجائب المخلوقات (حاشیہ دمیری) ص ۲۹، ۶۵، ۶۹، ۵۱

کے بقدر ہوتی ہے....

تیزپات (ساذج)

یہ پودا ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔ باخبر لوگوں کا بیان ہے کہ گرمیوں میں جب تالاب کا پانی خشک ہو جاتا ہے تو لوگ وہاں لکڑی جلاتے ہیں جس کے زیر اثر تیزپات (ساذج) پیدا ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو تیزپات نہیں اگتا۔ اس کے پتے اور شاخیں شاہ سفرم کی طرح ہوتی ہیں، اس کے سفید پھول پانی میں نکلتے ہیں اور یہ بغیر جڑ پانی کی سطح پر ابھرا رہتا ہے۔ ابن سینا لکھتا ہے کہ ساذج کو کپڑوں میں رکھنے سے کیڑا (گھن) نہیں لگتا۔ اسے زبان کے نیچے رکھ لیا جائے تو منہ خوشبودار ہو جاتا ہے، دوسرے اطبا کی رائے ہے کہ دردِ دل میں مفید ہے اور بغل کی بُو دور کرتا ہے۔

ہندو حاکم اور مسلمان

چول (صیمور)

مسعودی:

میں ۳۰۴ھ میں سرزمینِ لار (مہاراشٹر) کے شہر چول (صیمور) آیا جو بلہرا کی قلمرو میں داخل ہے، اس وقت چول کا حاکم جانج تھا، شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی بستی تھی جو بیاسرہ، سیراف، عمان، بصرہ، بغداد اور بہت سے دوسرے ملکوں کے اُن لوگوں پر مشتمل تھی جنہوں نے چول (صیمور) میں شادی

۱۔ سنسکرت میں اس کا نام تمال پترا Tamalpatra ہے اور بازار میں تیزپات کے نام سے مشہور ہے ہوردیوالا ص۷۳۔ ۲۔ ریحان کوہک برگ۔ برہان قاطع۔ ۳۔ بمبئی سے تیئیس میل جنوب میں واقع تھا اور آج بھی موجود ہے۔ ۴۔ مروج الذہب ۱/۲۱۰۔ ۵۔ ہوردیوالا (ص۲۰) کی رائے میں جانج جنجہان کی تصحیف ہے جو شمالی کونکن کا راشٹرا کوٹا حاکم تھا۔

۶۔ ہندوستانی نژاد ایک مسلمان قوم جس سے اسلامی جہازوں پر سمندری دشمن سے لڑنے کے لیے فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ تاج العروس۔

بیاہ کرکے وہاں بود و باش اختیار کرلی تھی، ان میں خاصی تعداد ممتاز تاجروں کی تھی جن میں موسیٰ بن اسحاق صنداپوری کا نام قابلِ ذکر ہے، اس میں ہنرمن (الہزمۃ) کے منصب پر ابوسعید معروف بہ زکریا فائز تھا، ہنرمن (الہزمۃ) مسلمانوں کے مُقدم یا سربراہ کو کہتے ہیں، ہندو حاکم کسی معزز اور وجیہ مسلمان کو ان کے ہم مذہبوں کا ناظم مقرر کردیتا ہے جس کے احکامات کی وہ پابندی کرتے ہیں۔

پاتن[1] (نہر وارہ)

ادریسی[2]:

.... یہاں بغرض تجارت بہت سے مسلمان تاجر آتے ہیں، شہر کا حاکم مسلمانوں کی عزت کرتا ہے اور ان کے مال و متاع کا محافظ ہے، یہاں کے حاکموں کو اپنے علاقہ میں عدل وانصاف قائم رکھنے سے فطری لگاؤ ہے، کسی کام سے ان کو اتنی دلچسپی نہیں جتنی عدل وانصاف ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ان کے انصاف، پابندیٔ عہد اور حسنِ سیرت کی بدولت ان کی ساری رعایا امن و عافیت سے بہرہ ور ہے......

چول اور تھانہ

یاقوت[3]:

میمور جسے کبھی صیمون (بانون) بھی کہتے ہیں، ایک ہندوستانی شہر ہے، سندھ سے متصل اور دیبل کے قریب، یہ ایک ہندو راجہ کی قلمرو میں داخل ہے جو بلہر کہلاتا ہے، تاہم چول (صیمور) اور تھانہ (کنامہ) ایسے شہر ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں، ان کے مفادات و معاملات کی نگرانی صرف مسلمان کرتے ہیں جنہیں بلہر مقرر کرتا ہے۔ چول (صیمور) میں ایک جامع مسجد ہے جہاں باجماعت نماز ہوتی ہے۔

---

[1] رن کچھ کے بالمقابل مشرق میں اور بمبئی سے دو سو میل شمال میں۔

[2] نزھۃ المشتاق قلمی ۱/۱۲۳۔

[3] معجم البلدان ۵/۴۰۷۔

محمد بن بابشاد کپتان کی سرکاری تصویر

بزرگ بن شہریار[1]:

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے ایک راجہ نے محمد بن بابشاد کی تصویر بنوائی (اور اسے اپنے محل میں جگہ دی) محمد بن بابشاد ایک بڑا بحری کپتان تھا اور سمندری حلقوں میں اسے خاص رسوخ حاصل تھا۔ ہندوستانی راجاؤں کا دستور ہے کہ وہ ممتاز اور معزز لوگوں کی تصویریں بنواتے ہیں (اور انہیں محلوں میں آویزاں کرتے ہیں)۔

عمری[2]:

مجھ سے[3] شابان (بن) حمّویہ نے جو دودک کے نام سے مشہور ہے بسال ۵۳۳ھ/۱۱۶۹ء میں بیان کیا: احمد بن مروان[4] تاجر نے مجھے ایک تجارتی جہاز کا کپتان بنا کر (ملایا کے مشہور مغربی بندرگاہ) کلہ روانہ کیا۔ (سمندری طوفان یا بحری ڈاکوؤں کی زد میں آکر) اہل جہاز کو (سماترہ کے جنوبی بندرگاہ) پنچور (قیصور) جانا پڑا۔ (جنوب مشرقی سماترا کی حکومت) سری وجایا (SRIVIJAYA) (سریزہ[5]) کے مہاراجہ کی شان میں مجھ سے ایک لغزش[6] ہو گئی تھی جو مجھے یاد نہیں رہی۔ اسے میرے پنچور (قیصور) پہنچنے کی خبر ہوئی تو اس نے

---

[1] عجائب الہند ص ۹۵۔ [2] مسالک الابصار قلمی ۲/۴۹-۵۰۔ [3] ضمیر کا مرجع دسویں صدی کا وہ مؤلف ہے جس سے عمری نے یہ اقتباس لیا ہے۔ [4] یہ ساری عرب تحریروں میں اسی طرح قلمبند ہوا ہے، صحیح شکل سریزہ ہے جو سری وجایا (SRIVIJAYA) کی تعریب ہے۔ سری وجایا ایک بدھ سلطنت تھی جسے جنوبی ہند کے مہاجر ہندوؤں نے اسلام سے بہت پہلے قائم کیا تھا اور جس نے ساتویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک سماترا، جاوا، ملایا اور ملحقہ جزیروں پر شاندار حکومت کی تھی، عربوں کا مہراج اسی سلطنت کے راجاؤں کا لقب تھا۔ عام طور پہ عرب سریرہ (سریزہ) کا اطلاق سری وجایا سلطنت کے پایۂ تخت پلیمبنگ (PALAMBANG) پر کرتے ہیں جو جنوب مشرقی سماترا میں ایک خلیج پر واقع تھا، یہاں سریرہ سے یہی شہر مراد ہے۔ دیکھو جنوب مشرقی ایشیا از ہیرن ص ۲۱-۲۹۔

[5] متن کا نکتہ ہمارے خیال میں فتنہ کی تصحیف ہے۔

اپنے سفیر میرے پاس بھیجے اور مع جہازوں کے سری وِجایا (سریرہ) بلالیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے اپنے تجارتی سامان میں سے بہت سی عمدہ چیزیں مہاراجہ کی خدمت میں پیش کیں اور اس کے وزیروں اور مقربوں کو بھی تحفے دیئے۔ اس طرح راجہ کا دل میری طرف سے صاف ہو گیا اور اس نے میری خوب خاطر مدارات کی۔ میں ہمیشہ دوپہر کے کھانے نیز خلوت میں پینے پلانے کے وقت اس کے ساتھ رہتا تھا[1]۔ میرا دل بھی اس کی طرف سے صاف ہو گیا۔ پانچ یا چھ ماہ کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ سری وِجایا (سریرہ) کا مہاراج ابِی جاوا (زبج[2]) سے لڑنے کے لیے نکلا۔ اس ملک نیز ہندوستان کے راجاؤں کی رسم ہے کہ جب وہ کسی دوسرے حملہ آور راجہ سے لڑنے نکلتے ہیں تو وہ تمام سامان جس کا لے جانا ممکن ہوتا ہے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور بھاری سامان کو آگ لگا کر جلا دیتے ہیں تاکہ وہ پوری تن دہی سے جنگ میں شرکت کر سکیں، تاکہ ان کا مقصد وحید پیش قدمی رہے، پیچھے ہٹنے کا خیال تک دل میں نہ آئے اور عقب کی کسی چیز کی یاد ان کو نہ ستائے نیز بصورت ہزیمت ان کا دشمن ان کے محل کی دولت، ہتھیار اور ساز و سامان پر قابض ہو کر طاقت نہ بڑھا سکے۔ مہاراجہ سری وِجایا (سریرہ) نے جب راجہ جاوا (زابج) سے لڑنے کا ارادہ مصمم کر لیا تو جتنا سامان لے جانا ممکن تھا وہ سب ساتھ لے لیا اور شاہی خزانوں اور توشہ خانوں کا باقی مال و متاع جلا دینے کا حکم دیدیا۔ مہاراجہ کے وزیر نے جو میرا بڑا خیال کرتا تھا اور بے حد قدر دان تھا اس سے کہا: مہاراج یہ سامان جلا کر تلف نہ کیجئے، شاہان بن حَمُّویَہ کو دیدیجئے۔ راجہ: خزانہ میں جو کچھ ہے تم سب لے لو۔ میں تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ شاہان نے بتایا کہ میں نے اپنے جہاز کا کل وزن مختلف اقسام کے سامان سے پورا کر لیا۔ اس نے جو چیزیں جہاز میں لادیں ان میں مہاراج کے توشہ خانوں سے لیا ہوا تین ہزار پونڈ (من) کافور بھی تھا۔ شاہان نے مہاراج کے خزانوں سے لئے ہوئے مال و متاع کی جو قیمت مجھے بتائی وہ اتنی زیادہ ہے کہ مجھے اس کا ذکر کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ یہ سامان لے کر شاہان ۳۳۲ھ / ۹۴۳ء میں سری وِجایا (سریرہ) سے

---

[1] اس کے بعد متن میں یہ جملہ ہے: وتشوفت بماهی. ہم نے اسے وتشفیت ماھی کی تصحیف قرار دیکر ترجمہ کیا گیا۔

[2] زابج کی تصحیف ہے۔ [3] متن کا من جزائر صاحب سریرۃ غزاتن کی تصحیف ہے۔

عمان روانہ ہوگیا۔

سیراف کے ایک تاجر نے مجھ سے بیان کیا کہ چول (صیموری) میں عباس بن ماہان نامی سیراف کا ایک شخص رہتا تھا وہ چول میں مسلمانوں کا مُقدَّم (ہُنرمن) اور شہر کا نہایت بااثر اور وجیہ آدمی تھا جس سے مسلمان اپنے معاملات میں رجوع کیا کرتے تھے۔ ایک (مسلمان) جہازی نوکر جو بدکردار آدمی تھا چول (صیمور) آیا، اس نے وہاں کے (کسی مندر میں) مورتی دیکھی جو ایک حسین لڑکی کی شبیہ تھی، پجاریوں کی نظر بچا کر وہ اس مورتی کے پاس گیا اور اس کی رانوں کے درمیان انزال کردیا۔ عین اسی وقت مندر کے ایک پجاری کا اُدھر سے گذر ہوا، یہ منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور الٹے پیر دل وہاں سے چلا گیا، مندر کے ناظم کو اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ مورتی کے پاس آیا اور اس نے اس کی رانوں کے درمیان منی دیکھی، اس نے ... جہازی نوکر کو پکڑ لیا اور فوراً چول (صیمور) کے حاکم سے شکایت کی اور سارا ماجرا کہہ سنایا، جہازی نوکر نے اپنے جرم کا اقبال کرلیا، حاکم نے (اپنے مشیروں) سے پوچھا کہ ان کی رائے میں قصوروار کو کیا سزا دی جائے، انہوں نے کہا کہ اسے ہاتھیوں کے پیروں سے روند وا دیا جائے، ایک دوسرے نے رائے دی کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردینا چاہیئے، حاکم بولا: ایسا کرنا مناسب نہیں کیوں کہ یہ عرب ہے اور عربوں سے ہمارا معاہدہ ہے، آپ میں سے ایک شخص مسلمانوں کے ناظم امور (ہُنرمن) عباس بن ماہان کے پاس جائے اور ان سے پوچھے کہ ایسے مسلمان قصوروار کو کیا سزا ملنی چاہیئے جو آپ کی مسجد میں عورت کے ساتھ مصروف دیکھا جائے، عباس ایسے مجرم کی جو سزا تجویز کریں وہی اس جہازی نوکر کو دی جائے۔ حاکم کا ایک وزیر عباس کے پاس گیا اور اس سے مشورہ کیا۔ عباس ہندوؤں کی نظر میں اسلام کی عزت و عظمت بڑھانا چاہتا تھا اس لیے اس نے کہا: اگر ہم مسجد میں کسی مرد کو عورت کے ساتھ مصروف دیکھیں تو اسے قتل کردیں گے۔ اس رائے کے بموجب اس جہازی نوکر کو موت کی سزا دی گئی[۲]

---

[۱] بمبئی سے تیئیس میل جنوب میں۔

[۲] عجائب الہند صـ ۱۴۲-۱۴۳۔

عمر ثانی[1]:

میں ایک دن صَنْجَان (دیجالان) میں زید بن محمد کے پاس تھا جو اس وقت وہاں کے مسلمانوں کا متولی تھا اور جس کے پاس وہ اپنی شکایتیں لے کر آتے تھے۔ ایک شخص کو جس کا نام جوان مرد تھا اور جو زید سے مل کر گیا تھا، کچھ لوگوں نے رات میں گھیر لیا، اس سے لڑے، اسے قتل کیا اور اس کا سامان[2] لے لیا، اس واقعہ کی خبر جس وقت زید بن محمد کو پہنچی میں اس کے پاس موجود تھا، کچھ فارسی جو وہاں موجود تھے کہنے لگے: اب تو ہندو فارسیوں پر ہاتھ اٹھانے لگے ہیں اور ان پر چھاپے مارتے ہیں، فارسیوں کا حال خراب ہوتا جارہا ہے۔ زید بن محمد ان کی باتیں سن رہا تھا، اس نے مجھ سے کہا: ذرا سننا یہ کیا کہہ رہے ہیں، یہاں سے ہٹتے ہی یہ لوگ بھول جائیں گے کہ انہوں نے کیا کہا تھا اور یہ باتیں پھر کبھی زبان پر نہ لائیں گے۔ میں نے کہا: جی ہاں میں نے سب باتیں سنیں۔ اس واقعہ کے تقریباً بیس دن بعد میں ایک دن علی الصباح زید کو سلام کرنے اس کے گھر گیا تو میں نے وہاں جوان مرد کے قاتلوں کو دیکھا ان کے ہاتھ کندھوں پر بندھے ہوئے تھے، میں کچھ نہ سمجھا کہ وہ کون ہیں اور آداب کر کے زید کے پاس بیٹھ گیا، لوگ حسب معمول زید کو سلام کرنے آرہے تھے۔ جب سب جمع ہو گئے تو زید نے کہا: صاحبو! جوان مرد کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا آپ سب اس سے واقف ہیں، میں نے اس کے قاتلوں کو پکڑ لیا ہے، آپ میں سے ہر فرد کھڑا ہو کر ان میں سے ایک ایک کو قتل کر دے جس طرح انہوں نے آپ کے بھائی کو قتل کیا ہے، ہمیں جوان مرد کا کچھ سامان اور حساب کے کاغذ بھی ملے ہیں جو آپ میں سے کوئی صاحب اپنی تحویل میں لے لیں اور اس کے گھر والوں کو پہنچا دیں تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں، یہ کہہ کر اس نے میری طرف دیکھا، گویا اپنا پچھلا ریمارک یاد دلا رہا ہو، سب خاموش بیٹھے رہے، نہ کوئی اٹھا اور نہ کسی نے کچھ کہا۔ یہ دیکھ کر زید بن محمد بولا: صاحبو! آپ کا یہ رویہ بڑا نامناسب ہے مجھے کانوں میں گھسیٹ کر خود الگ ہو جاتے ہیں جمع ہو کر چہ میگوئیاں کرتے ہیں اور جب حق مل جاتا ہے تو آپ میں سے ہر ایک اپنا راستہ لیتا ہے،

---

[1] مسالک الابصار قلمی ۲/۵۸ - [2] بمبئی سے نوے میل شمال میں۔

[3] متن کا مأخذ رحلہ بالجیم البعثة رحلہ بالحاء المہملة کی تصحیف ہے۔

آپ میرے ساتھ انصاف نہیں کر رہے، واللہ المستعان۔ اس کے بعد زید حاکم شہر کے محل کو گیا اور اس سے وہ شخص مانگا جس نے جواں مرد کو قتل کیا تھا، حاکم نے سب ڈاکوؤں کو قتل کرا دیا اور عبرت کیلئے ان کی لاشیں ساحل سمندر پر لٹکا دیں۔

مذاہب اور فرقے

ابن خرداذبہ[1]:

ہندوؤں کے بیالیس مذہبی فرقے ہیں۔ ان میں سے کچھ خدا اور رسولوں کے قائل ہیں، کچھ (صرف) رسولوں کے منکر ہیں اور کچھ رسولوں اور خدا دونوں کے۔

مطہر بن طاہر مقدسی[2]:

(باخبر) لوگوں کا بیان ہے کہ ہندوستان میں (چھوٹے بڑے) نوسو مختلف مذہب پائے جاتے ہیں، ان میں سے ننانوے (کے حالات وکوائف) معلوم ہیں اور یہ بیالیس مذہبوں میں منحصر ہیں اور ان بیالیس کا دارومدار چار مذہبوں پر ہے اور یہ چار دو بڑے مذہبوں سے ماخوذ ہیں، ایک برہمن مذہب اور دوسرا بدھ مذہب۔ بدھ مذہب رسالت کا منکر ہے۔ برہمنوں کے تین فرقے ہیں، ایک فرقہ توحید اور عذاب وثواب کا قائل ہے لیکن رسالت کی ضرورت تسلیم نہیں کرتا، دوسرا آواگون (تناسخ) کے اصول پر جزا و سزا کا قائل ہے لیکن توحید ورسالت کا انکار کرتا ہے۔

توحید

بیرونی[3]:

خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ یکتا ہے، ازلی ہے، اس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا اپنے سارے کاموں میں خود مختار اور ان کے انجام دینے پر ہر طرح قادر، اس کا ہر کام حکمت ودانائی

---

[1] المسالک والممالک ص ۷۱۔ [2] البدء والتاریخ ۴/ ۹-۱۰-

[3] کتاب الہند ص ۱۳-۵۱

پر مبنی ہے، خود زندہ ہے اور زندگی عطا بھی کرتا ہے، مدبر کائنات ہے، ہر شئے کی بقا کا دار و مدار اس پر ہے۔ اس کی بادشاہت میں کوئی اس کا حریف نہیں، وہ نہ تو خود کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہت رکھتی ہے۔

رسالت

یونان کے لوگ ضابطے قاعدے اپنے فلاسفر سے اخذ کرتے تھے جو قانون سازی پر مامور تھے اور جن کی نسبت یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ انہیں تائیدِ الٰہی حاصل ہے۔ مذہبی ضوابط و قوانین کے معاملہ میں ہندو یونانیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کی رائے میں شریعت اور ضوابط کردار رسول نہیں دانا رشی جو دین کی بنیادیں بناتے اور دیتے ہیں۔ رسول کو وہ نارائن کہتے ہیں جو مبعوث ہوتے وقت انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ رسول صرف ان خرابیوں کو دور کرنے آتا ہے جو دنیا میں پھیل جاتی ہیں یا ان نقصانات سے بچانے کے لیے جن کی زد میں معاشرہ ہوتا ہے۔ ضابطے قاعدے بہر حال جوں کے توں رہتے ہیں، ان میں رسول کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ بنا بریں جہاں تک دین کے اصول و ضوابط کا تعلق ہے ہندو رسولوں کے محتاج نہیں ہیں۔

قاضی صاعد اندلسی[1]:

خدا کے بارے میں ہندوؤں کی متفقہ رائے ہے کہ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ ان کے دو (بڑے) طبقے ہیں، ایک برہمن (خواص) اور دوسرا صابیہ (عوام) برہمنوں کی تعداد زیادہ نہیں تاہم ہندوؤں کی نظر میں ان کا حسب نسب اونچا ہے، بعض برہمن حدوث عالم اور بعض اس کی ازلیت کے قائل ہیں لیکن اس معاملہ میں سب متحد الخیال ہیں کہ نبوت غیر ضروری ہے اور کسی جانور کو اس کا گوشت کھانے کے لیے نہ تو ذبح کرنا چاہیے نہ جسمانی تکلیف دینی چاہیے۔

صابیہ ہنود (عوام) جن کی اکثریت ہے، عالم کی ازلیت کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ عالم کو علت العلل یعنی خالق کائنات نے پیدا کیا ہے۔ یہ لوگ تاروں کی تعظیم کرتے ہیں، ان کے

---

[1] طبقات الامم ص۱۵۔

مجسمے بنا کر رکھتے ہیں اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی قربانیاں کرتے ہیں، جو ان کے خیال میں ہر ستارہ کے مزاج کے موافق ہوتی ہیں تاکہ قربانیوں کے ذریعہ مجسموں سے قوت حاصل کریں اور (اس قوت نیز ستاروں کی عطا کردہ) تدبیر کو اپنی مرضی کے مطابق دنیا میں استعمال کر سکیں۔ ہر ستارہ کے مجسمے کو ہندو بدہ (بد) کہتے ہیں۔ بدھوں کے ازمنۂ ستاروں کے ادوار اور ان کے برج حمل میں جمع ہونے پر دنیا کی تمام مخلوقات کی بربادی اور ان کے برج حمل سے نکلنے پر عالم میں از سر نو زندگی کی واپسی اور ان کے ہر دور کے بارے میں ہندوؤں کی بہت سے آراء اور مسلک ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب مقالات اهل الملل والنحل میں بیان کیا ہے۔

شہرستانی[1]:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہندو ایک بڑی قوم ہیں اور ان کا ایک بڑا مذہب ہے اور ان کے مختلف مذہبی عقائد ہیں۔ ان کا ایک فرقہ برہمن کہلاتا ہے، یہ لوگ نبوت کے بالکل منکر ہیں (اور اس کی ضرورت نہیں تسلیم کرتے)۔ ان کا ایک فرقہ دہریت کی طرف مائل ہے، دوسرا ثنوی[2] عقیدے کا حامل ہے اور ابراہیمی مذہب (توحید) کو حق قرار دیتا ہے لیکن بیشتر ہندو صابی[3] مذاہب کے پیرو ہیں، ان

---

[1] الملل والنحل ۱/۴۴۴-۴۴۸۔ ہندو مذہب کے بارے میں شہرستانی کا بیان الجھا ہوا اور تناقض سے پُر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے عربی مؤلفوں کی طرح اُس نے بھی ہندو مذہب کا علمی مطالعہ نہیں کیا تھا اور پچھلی کتابوں کے اقتباسات پیش کرنے ہی پر اکتفا کیا ہے اور ان میں جو خامیاں تھیں انہیں دہرا دیا ہے۔

[2] ثنویہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ دنیا دو جوہری اور ازلی قوتوں سے مرکب ہے، ایک روشنی اور دوسرا اندھیرا اور دنیا کے خیر و شر ان دونوں کے مظہر ہیں، ان دونوں میں ہمیشہ تصادم اور آویزش رہتی ہے اور ہر ایک دوسرے پر غالب ہونے کی کوشش کرتا ہے، اس فرقہ کے مطابق انسان کا فرض ہے کہ خیر کے ساتھ تعاون کرے اور شر کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ دے۔

[3] یعنی تاروں کو انسان اور خدا کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں اور ستاروں کو خدا کے دربار میں سفارشی مان کر ان کی تعظیم اور پوجا کرتے ہیں۔

کی ایک جماعت روحانیات[1] کی قائل ہے، ایک جماعت ہیاکل[2] پرست ہے اور ایک جماعت مورتی پوجا کو برحق سمجھتی ہے..... ہندوؤں میں ایسے فلسفی بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے علم و عمل میں یونانی فلسفہ کے مسلک پر گامزن ہیں۔ دہری، ثنوی یا صابی ہندوؤں کے مسلک کی تفصیل یہاں بیان کرنا ضروری نہیں کیونکہ ہم پہلے دہریہ، ثنویہ اور صابیہ فرقوں کے معتقدات کا ذکر کر چکے ہیں (اور اس کے مطالعہ سے ان ہندو فرقوں کے عقائد معلوم کئے جا سکتے ہیں)۔ اُن ہندوؤں کے پانچ فرقے ہیں جنہوں نے اپنے نظریات کی تشریح و توضیح کی ہے: براہمہ، اصحاب الروحانیات، اصحاب الہیاکل، بت پرست اور فلسفی۔

براہمہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس فرقہ کے براہمہ کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابراہیمی مذہب کا پیرو ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیوں کہ برہمن جن کا طرۂ امتیاز نبوت کا انکار ہے ابراہیم نبی کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔ جو ہندو فرقہ ابراہیم کو نبی مانتا ہے ثنویہ کہلاتا ہے اور وہ[3] جو روشنی اور اندھیرے کا قائل ہے۔ ثنویہ کے معتقدات کا ہم پہلے ذکر کر چکے، دراصل برہمن ایک شخص کی طرف منسوب ہیں' جو (براہم) کہلاتا ہے جس نے انکارِ نبوت کا اصول وضع کیا اور اس کے عقلاً ناقابل قبول ہونے کے مختلف وجوہ پیش کئے مثلاً اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ نبی جو پیغام لاتا ہے ضروری ہے کہ اس کا عقل سے ادراک ممکن ہو یا نہ ہو، اگر عقل سے ادراک ممکن ہے تو ہم عقل تام کے ذریعہ اس کا ادراک کر سکتے ہیں'

---

[1] بقول شہرستانی روحانیات سے مراد فرشتے جیسی غیر مجسم و در برائیوں سے پاک ہستیاں ہیں جو خدا اور انسان کے درمیان آسمانوں میں بصورت سبع سیارہ نظر آتے ہیں اور جن کی تعظیم کے ذریعہ انسان خدا کا تقرب حاصل کر سکتا ہے۔ [2] ہیاکل سے سات سیاروں کے مرقعے مراد ہیں، اصحاب الہیاکل صابیہ کا ایک فرقہ ہے اور اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو سات سیاروں کو خدا اور انسان کے درمیان واسطہ قرار دیتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ سیاروں کی تعظیم سے خدا کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔

[3] متن کا منہوم وہم کی تصحیف ہے۔

اس لیے ہمیں نبی کی کیا ضرورت ہے اور اگر اس پیغام کا عقل سے ادراک کرنا ممکن ہے تو ایسا پیغام عقلاً قابل قبول نہیں ہو سکتا کیوں کہ نا قابل ادراک کو قبول کرنا انسانی دائرہ سے نکل کر حیوانی دائرہ میں داخل ہونے کے برابر ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اس بات کے عقلی شواہد موجود ہیں کہ خدا حکیم ہے اور انسان اس حکیم کی عبادت[1] بس ان شواہد ہی کی بنا پر کرتا ہے جنھیں عقل تسلیم کرتی ہے، اس بات کی عقلی دلیلیں موجود ہیں کہ عالم کو ایک قادر، عالم اور ذی حکمت ہستی نے بنایا ہے نیز یہ کہ اس نے اپنے بندوں کو بہت سی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جن کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ پس ہم اپنی عقل سے خدا کی مصنوعات میں مضمر حکمت کا ادراک کرتے ہیں اور اس کی عنایتوں[2] کے شکر گذار ہوتے ہیں جو اس نے ہم پر کی ہیں اور چونکہ ہم نے عقل سے اس ہستی کا ادراک کر لیا ہے اور اس کی عنایتوں کا شکریہ بھی ادا کیا ہے اس لیے ہم اس کے ثواب کے مستحق ہیں اور اگر ہم خدا کا انکار اور اس کے احسانات کی ناشکری کریں تو سزا کے مستحق ہو جائیں گے پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ اپنے جیسے انسان کا اتباع کریں کیوں کہ اگر وہ ہمیں خدا کی معرفت اور شکر گذاری کا حکم دیتا ہے تو یہ دونوں باتیں عقل کے ذریعہ پہلے ہی سے ہمیں حاصل ہیں اور اگر وہ ایسا حکم دے جو معرفت اور شکر کے منافی ہے تو وہ صریحاً جھوٹا ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ عقل تسلیم کرتی ہے کہ اس عالم کا ایک ذی حکمت بنانیوالا ہے لیکن انسان ذی حکمت کی عبادت ایسے طریقوں سے کرنا پسند نہیں کرتا جو عقل کی میزان میں قبیح ہوں۔ انبیاء نے مذاہب میں ایسی باتیں داخل کر دی ہیں جو عقلاً قبیح ہیں، مثلاً عبادت کے وقت ایک مخصوص گھر کی طرف منہ کرنا، اس کا طواف کرنا، سعی کرنا کنکریاں پھینکنا، احرام باندھنا، تلبیہ کہنا، ایک سخت پتھر کو چومنا، جانوروں کو ذبح کرنا اور ایسی اشیاء کا کھانا حرام قرار دینا جو انسان کی غذا بن سکتی ہیں اور ایسی باتوں کا حلال کرنا جو اس کا جسم گھلاتی ہیں ۔۔۔۔ یہ اور اسی طرح کی باتیں عقلی تقاضوں کے خلاف ہیں۔۔۔۔۔

برہمنوں کے مختلف فرقے ہیں، مثلاً ان میں سے ایک فرقہ بت پرست ہے (اَصحاب البُدَدة)'

---

[1] متن کے لایتعبد الحق کی صحیح شکل لایتعبد ہے۔

[2] متن کا بالالیہ، بالآئہ کی تصحیف ہے۔

دوسرا فکری ریاضت کا قائل (اصحاب الفکرہ) اور تیسرا آواگون (تناسخ) کا معتقد۔

بت پرست برہمن (اصحاب البُدُوَدہ)

برہمنوں کی رائے میں اوتار (بد) وہ شخص ہے جو نہ پیدا ہوا ہو، نہ شادی بیاہ کرے، نہ کھائے پیئے، نہ بوڑھا ہو، نہ مرے۔ اس دنیا میں ظاہر ہونیوالے پہلے اوتار (بد) کا نام شاکنی[1] (شاکین) تھا، اس کے معنی شریف سردار کے ہیں، یہ ہجرت سے پانچہزار برس پہلے ظاہر ہوا تھا۔ باخبر ہندو علماء کی رائے ہے کہ اوتار کے بعد بودھی ستو[2] (بودلیبیہ) کا مرتبہ ہے، اس کے معنی ہیں حق کا طالب انسان اس مرتبہ تک صبر، فیاضی، داد و دہش، اچھے میلانات، دنیا اور دنیا کی خواہشات، لذتوں اور ناجائز کاموں سے انحراف اور ساری مخلوق کے ساتھ مہربانی و ہمدردی نیز دس گناہوں سے اجتناب اور دس اچھی عادتیں پیدا کرنے سے پہنچنا ممکن ہے، دس گناہ یہ ہیں: جاندار کا قتل، غیر کے مال پر ہاتھ ڈالنا، زنا، جھوٹ، چغلخوری، فحش کلامی، گالی گلوچ، لوگوں کو برے لقب دینا، بیہودہ پن اور اخروی جزا و سزا سے انکار۔ دس عمدہ خصلتیں یہ ہیں: سخاوت، قصور سے درگذر کرنا، غیظ و غضب میں بردباری سے کام لینا، دنیوی خواہشات سے پرہیز، فانی دنیا سے نکل کر باقی دنیا میں نجات پانے کے طریقوں پر غور و خوض کرنا، علم و ادب سے عقل کی تربیت، ہر کام کے انجام پر منظر رکھنا، دل کو محض اعلیٰ مقاصد کی طرف پھیرنا، ہر شخص کے ساتھ نرمی اور اخلاق سے بات کرنا، دوستوں کے ساتھ ایثار اور حسن سلوک سے پیش آنا، خدا کی مخلوق سے دل ہٹالینا اور خدا کی طرف کلیتہً مائل ہوجانا اور اس تک پہنچنے کی کوشش میں جان دے دینا۔۔۔۔۔۔

فکری ریاضت کے قائل برہمن (اصحاب الفکرو الوہم)

برہمنوں کا وہ فرقہ ہے جو ہندسہ اور نجوم سے واقف ہے، جسنے تاروں سے متعلق احکام و

---

[1] Sakyamuni. مہاتما بدھ کا لقب ہے، اس کے معنی ہیں ایسا رہبر جو عرفان کے سارے مراحل طے کر کے عارف کامل ہوچکا ہو۔

[2] Bodhisattava کی تعریب، بودھی ستو ایسے رہبر کو کہتے ہیں جو عرفان کے مراحل طے کر رہا ہو اور عارف کامل نہ ہوا ہو۔ ہندوازم و بدھ ازم۔ ایلیٹ، نیویارک ۱۹۵۴ء ۲/۱۷۔ [3] تن کا والعروض والاعراض کی تصحیف ہے۔

ضوابط وضع کئے ہیں، جو ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں... یہ لوگ فکر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، انکی رائے ہے کہ فکر پر محسوسات اور معقولات دونوں کا پرتو پڑتا ہے، اسلئے یہ لوگ سخت ریاضت کرتے ہیں جس کے زیر اثر فکر کے پردہ پر محسوسات کے نقوش پڑنا بند ہو جاتے ہیں اور صرف (معقولات یعنی) عالم بالا کے نقوش ہی مرتسم ہوتے ہیں اور اس کے رموز فکر پر آشکار ہو جاتے ہیں، کبھی ایک مشاق فکری ریاضت کرنیوالا غیب کی باتیں بتا دیتا ہے، کبھی بارش روک دیتا ہے اور کبھی کسی پر اپنا فکری شکنجہ اس طرح کستا ہے کہ وہ فوراً مر جاتا ہے.... نکرا در دہم جب محسوسات کے نقوش لینا بند کر دیتے ہیں تو حیرتناک کام انجام دینے پر قادر ہو جاتے ہیں۔

تناسخ کے قائل برہمن

تناسخ کے معنی ہیں اکو آر دوادوار کا کبھی نہ ختم ہونیوالا سلسلہ.... تناسخ کے مطابق جزا و سزا دنیا میں ملتی ہے آخرت میں نہیں اور ہم دنیا میں جو اعمال کرتے ہیں وہ ان اعمال کا بدلہ ہوتے ہیں جو ہم نے پہلے ادوار (جنم) میں کئے تھے، آرام، خوشی، آسودگی، شادمانی اور خوشحالی جن سے ہم دنیا میں بہرہ ور ہوتے ہیں ان اچھے اعمال کا نتیجہ ہیں جو ہم نے پچھلے جنم میں کئے تھے اور غم، تکلیف اور ناداری جس کے ہم دنیا میں شکار ہوتے ہیں ان برے اعمال کا نتیجہ ہیں جو پچھلی زندگی میں ہم سے سرزد ہوئے تھے۔

ہم پہلے تناسخ کی مختلف شکلوں کا ذکر کر چکے ہیں (ہندوؤں کا) کوئی مذہب ایسا نہیں جس کی بنیادیں آواگون کے تصورات پر استوار نہ ہوئی ہوں، ہر (ہندو) مذہب میں اثبات تناسخ کی دلیلیں اور تشریح و تعبیر کے صرف طریقے مختلف ہیں۔ ہندوستانی برہمن (تناسخیۃ الہند) آواگون پر گہرا عقیدہ رکھتے ہیں، انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ مقررہ وقت پر آتا ہے اور درخت پر بیٹھ کر انڈے دیتا ہے پھر اس کے بچے نکلتے ہیں پھر جب بچوں کے ذریعہ اس کی نوع کی بقا کا انتظام ہو جاتا ہے تو وہ پرندہ اپنی چونچ اور پنجوں سے (اپنا جسم) کھجلاتا ہے جس کے زیر اثر آگ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں اور ان شعلوں

ؔ یعنی روحوں کا ہمیشہ جسم بدلتے رہنا، اچھی روحوں کا اچھے جسموں میں داخل ہونا اور بری روحوں کا برے جسموں میں۔

ؔ الملل والنحل ۲۴۹/۱۔

میں وہ جل مرتا ہے، اس کے جسم سے تیل (چربی) بہہ کر درخت کی جڑ کے ایک گڑھے میں جمع ہو جاتا ہے، جب ایک سال گذر جاتا ہے اور اس پرندے کے ظاہر ہونے کا وقت آتا ہے تو درخت کی جڑ میں مجتمع تیل سے اس جیسا ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے اور اڑ کر درخت پر بیٹھ جاتا ہے (اور انڈے بچے دیتا ہے) اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ تناسخ کے قائل برہمن کہتے ہیں کہ دنیا اور اہلِ دنیا پر اس پرندہ کی طرح فنا اور بقا کے کبھی نہ ختم ہونے والے دور آتے رہتے ہیں[1]۔

ادریسیؒ:

ہندوستان کے اکثر باشندوں کے بیالیس مذہب ہیں، بعض لوگ خدا اور رسول کے قائل ہیں بعض خدا کے قائل لیکن رسولوں کے منکر ہیں، بعض دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے، بعض مورتیوں کی پوجا کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، بعض پتھروں کے ڈھیر کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بتاتے ہیں اور اس پر تیل اور چربی ڈال کر سجدہ کرتے ہیں، بعض لوگ آگ کی عبادت کرتے ہیں اور خود کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں، بعض سورج کے پرستار ہیں اور اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ سورج نے عالم کو پیدا کیا اور وہی اس کا نظام چلا رہا ہے، کوئی فرقہ درخت کی پوجا کرتا ہے، کوئی ناگوں کی، ان کے گرد باڑے بنا دیتا ہے اور ان کو کھلاتا پلاتا ہے اور ان کی پرستش کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو عبادت کی زحمت ہی نہیں کرتے اور ہر مذہب کے منکر ہیں[2]۔

بدھ

ابن الندیمؒ:

بدھ کے بارے میں ہندوؤں کی مختلف رائیں ہیں، ان کی ایک جماعت کہتی ہے کہ بدھ خدا کی مورتی ہے، دوسری جماعت کا خیال ہے کہ وہ رسول کی مورتی ہے جسے خدا نے ان کے پاس بھیجا ہے۔ (رسول کے بارے میں بھی اختلاف ہے) ایک جماعت کہتی ہے کہ رسول خدا کے فرشتوں میں سے ایک

---

[1] الملل والنحل ص ۴۴۹/۳   [2] نزہۃ المشتاق قلمی ۱/۶۵۔

[3] فہرست ص ۴۸۰۔

فرشتہ ہے، دوسری جماعت کی رائے ہے کہ وہ...... انسان ہے، تیسری کا خیال ہے کہ وہ راکشس (عفریت) ہے ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ بدھ بوداسف حکیم (مہاتما بدھ) کی مورتی ہے جو (لوگوں کی رہنمائی کے لئے) خدا کے پاس سے آیا تھا۔ ہر جماعت بدھ کی پوجا اور تعظیم الگ الگ طریقوں سے کرتی ہے۔ ایک باخبر ثقہ شخص کا بیان ہے کہ ہر ہندو فرقہ کی ایک مورتی ہے جس کی وہ پوجا اور تعظیم کرتا ہے نیز یہ کہ بت (بُد) اسم جنس ہے اور مورتیاں اس کی انواع۔ سب سے بڑا بت انسانی شکل کا ہے اور ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے چہرہ پر کوئی بال نہیں ہے۔ ٹھوڑی اور جبڑے دھنسے ہوئے ہیں، اس کا جسم ننگا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا مسکرا رہا ہو۔ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں اس طرح ڈالے ہوئے ہے کہ ان سے ستیس[۳۲] کے ہندسے بنتے ہیں۔ اسی ثقہ راوی کا بیان ہے کہ ہر گھر میں (بدھ کی) ایک مورتی موجود رہتی ہے اور گھر والے کی حسب حیثیت جواہرات سے مرصع سونے یا چاندی کی یا پیتل یا لکڑی کی ہوتی ہے، مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق جس طرف سے بھی بدھ کی مورتی پر نظر پڑ جائے ہندو اس کی تعظیم کرتے ہیں لیکن زیادہ تر وہ مورتی کا رخ مغرب کی طرف رکھتے ہیں تاکہ وہ مشرق رو ہو کر اس کے سامنے آئیں۔ راوی کہتا ہے کہ مورتی کے چار چہرے ہوتے ہیں جن کو ایسی ناپ تول اور مہارت سے بنایا جاتا ہے کہ ہر طرف سے اس کا پورا چہرہ دیکھنے والے کے سامنے آجاتا ہے.....

میں نے ایک خراسانی کی کتاب میں جو اسلام سے پہلے اور بعد کے خراسان کے حالات پر مشتمل ہے پڑھا کہ فرقہ سمنیہ کا پیغمبر بوداسف (مہاتما بدھ) تھا اور ماوراء النہر کے اکثر باشندے اسلام سے پہلے اور قدیم الایام میں اسی مذہب کے پیرو تھے، سمنیہ کے معنی ہیں جو سمنی کی طرف منسوب ہو، یہ لوگ ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگوں سے زیادہ سخی اور فیاض نفس واقع ہوئے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان کے نبی بوداسف (مہاتما بدھ) نے تعلیم دی ہے کہ انسان کے لئے جائز نہیں کہ کسی معاملہ میں "نہیں" کہے اور اس کے لئے مناسب نہیں کہ اس عقیدہ کا قائل ہونے کے بعد اس پر عمل پیرا نہ ہو، چنانچہ اس

[۱] ہمارا اس کا عکس یہ ہے۔

فرقہ کے لوگ قول اور فعل دونوں میں منفی روش اختیار نہیں کرتے، ان کا عقیدہ ہے کہ نہیں کہنا شیطانی فعل ہے اور شیطان کی مخالفت ان کا دھرم ہے۔[۱]

فرقے

مطہر بن طاہر مقدسی[۲]:

باسویہ (ناشدیہ)

موحد برہمنوں کی رائے ہے کہ خدا نے ان کے پاس ایک فرشتہ انسان کی شکل میں پیغمبر بنا کر بھیجا جس کا نام باسو (ناشد) تھا، اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی، دوسرے میں زرہ بکتر، تیسرے میں چکر (شکرتہ)، چوتھے میں پھندے دار رسی، وہ عنقار پر سوار تھا، اس کے بارہ سر تھے، ایک انسانی، دوسرا گھوڑے کا، تیسرا شیر کا، چوتھا بیل کا، پانچواں گدھ کا، چھٹا ہاتھی کا، ساتواں سور کا، باقی پانچ سروں کی بھی انہوں نے تصریح کی ہے، برہمنوں کا یہ موحد فرقہ کہتا ہے کہ باسو (ناشد) نے ہمیں آگ کی تعظیم کا حکم دیا ہے جسے خدا نے بلندی، شان اور تابناکی عطا کر کے معزز و موقر بنایا ہے اور اس کے ساتھ بہت سے دنیوی فائدے وابستہ کر دیئے ہیں۔ باسو (ناشد) نے قتل اور شراب خوری سے روکا ہے لیکن زنا مباح کر دی ہے، اس نے گائے کی تعظیم اور اپنی مورتی بنا کر اس کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ گنگا پار کرنے کی ممانعت کر دی ہے، جو برہمن ایسا کرے گا اس کا دھرم جاتا رہے گا۔

شہرستانی:

باسویہ فرقہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا رسول ایک روحانی فرشتہ تھا جو انسان کی شکل میں آسمان سے اترا تھا۔ اس نے انہیں حکم دیا کہ آگ کی تعظیم کریں اور اس کا تقرب عطر، خوشبو اور تیل جلا کر نیز جانور قربان کر کے حاصل کریں، رسول نے قتل اور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی ہے سوائے اس جانور کے جسے

۱؎ فہرست ص ۴۸۴۔ ۲؎ البدء والتاریخ ۴/۱۲-۱۳۔ ۳؎ واسو (باسو) کرشن کا ایک نام ہے جو ہندوؤں کے تین سب سے بڑے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا وشنو کا اوتار تھا۔ ۴؎ یہ صحیح نہیں، ہندوؤں کے کسی دیوتا یا فرقے نے اسے جائز نہیں قرار دیا ہے۔ کتاب الہند میں بیرونی نے بھی اس مروجہ رائے کی تردید کی ہے۔

۵؎ الملل والنحل ۲/۱۵۰، ۴ وتاریخ ابی الفداء مصر، ص ۹۳-۹۴۔

آگ پر قربان کرنا ہو، اس نے ان کے لئے یہ ضابطہ بنایا کہ گلے میں ایک دھاگا (جنیو) ڈالیں جو سیدھے کندھے سے ہو کر الٹے کندھے کے نیچے سے گذرے ۔ رسول نے جھوٹ بولنے، شراب پینے اور غیر مذہب والوں کا کھانا اور ذبیحہ کھانے سے روکا ہے، نسل انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے اس نے زنا کی[1] اجازت دی ہے ۔ اس نے اپنے پیروں کو حکم دیا ہے کہ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کی مورتی کی پوجا اور دن میں تین بار اس کا طواف کریں نیز طواف کے دوران باجا بجائیں[2]، ناچیں، گائیں اور خوشبودار چیزیں سلگائیں ۔ رسول نے گائے کی تعظیم کی تاکید کی ہے نیز اس بات کی کہ جب وہ نظر آئے تو اسے سجدہ کیا جائے اور گناہ سے توبہ کے وقت اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا جائے ۔ اس نے گنگا پار کرنے کی ممانعت کر دی ہے ۔

مہادیویہ (مہابوذیہ)

مطہر بن طاہر مقدسی[3]:

موحد برہمنوں کا ایک فرقہ مہادیویہ (مہابوذیہ) کہلاتا ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ ان کا پیغمبر فرشتہ تھا جسے مہادیو (مہابوذ) کہتے ہیں، وہ انسانی شکل میں اترا تھا اور بیل پر سوار تھا، اس کے سر پر مردوں کی ہڈیوں سے بنا ہوا ایک تاج تھا اور (انسانی) کھوپڑیوں سے ایک مالا پہنے ہوئے تھا، اس کے ایک ہاتھ میں کھوپڑی کا بادیہ اور دوسرے میں سہ دھارا چھوٹا نیزہ تھا، سر پر مور کی دم کی چھتری تھی، اس نے خدا کی عبادت کا حکم دیا نیز اس بات کا کہ اس کی مورتی کی پوجا کریں تاکہ اس کے ذریعہ ان کی دعائیں اور التجائیں خدا کے دربار تک پہنچ سکیں ۔ اس کا حکم ہے کہ چونکہ سب چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں اس لئے کسی چیز سے گھن نہیں کرنی چاہیے ۔

---

[1] یہ تعریض مضحکہ خیز ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر زنا انسانی نسل باقی نہیں رہ سکتی ۔

[2] متن کا بالمعارف بالزار بالمعازت بالزار کی تصحیف ہے ۔

[3] البدء والتاریخ ۴/۱۲-۱۴

شہرستانیؒ:[1]

اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا رسول ایک روحانی فرشتہ تھا بشکل انسان جس کا نام مہبادیو (باہودیہ) ہے، وہ ایک بیل پر سوار ہو کر آسمان سے اترا تھا، اس کے سر پر کھوپڑیوں کا تاج تھا، گلے میں کھوپڑیوں کی ایک مالا، ایک ہاتھ میں انسانی کھوپڑی کا بادیہ اور دوسرے میں سہ دھارا چھوٹا نیزہ، اس نے خدا نیز اپنی مورتی کی پوجا کا حکم دیا، اس کی تاکید ہے کہ چونکہ ساری اشیاء کا بنانیوالا خدا ہے اس لئے کسی سے نفرت یا گھن نہیں کرنی چاہیئے، اس کا حکم ہے کہ انسانی ہڈیوں کی مالائیں اور تاج بنا کر پہنیں اور جسموں اور سروں پر راکھ ملیں، اس نے قربانی سے روکا ہے، دولت جمع کرنے کی ممانعت کر دی ہے اور ترکِ دنیا کا حکم دیا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ خود کچھ نہیں کماتے بلکہ خیر خیرات پر گزارہ کرتے ہیں۔

مطہر بن طاہر مقدسیؒ:[2]

کپالیہ (کابالیہ)

موحد برہمنوں کا ایک فرقہ کپالیہ (کابالیہ) ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ ہمارا پیغمبر شِو[3] (شیب) نامی ایک فرشتہ ہے، وہ انسانی شکل میں اترا تھا، اس کے سر پہ اونی ٹوپی تھی جس پر انسان کی کھوپڑیاں ٹکی ہوئی تھیں۔ شِو (شیب) نے انہیں حکم دیا کہ انسانی آلۂ تناسل کی شبیہ بنا کر اس کی تعظیم اور عبادت کریں کیونکہ اسی پر نسل انسانی کی بقا کا دار و مدار ہے۔

شہرستانیؒ:[4]

اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا رسول ایک روحانی فرشتہ ہے جس کا نام شِو (شب) ہے، وہ انسانی شکل میں آیا تھا، اس کے سارے جسم پر راکھ ملی ہوئی تھی، اس کے سر پر لال اون کی تین بالشت اونچی ٹوپی تھی جس پر انسانی کھوپڑیاں ٹکی ہوئی تھیں، وہ (کھوپڑیوں کی) ایک بہت بڑی مالا پہنے

---

[1] ۱/۰۵۰-۴۵۱۔ الملل میں فرقہ کا نام باہودیہ قلمبند ہوا ہے۔ [2] البدء والتاریخ ۴/۱۴۔

[3] شِو کا ایک لقب کپالا مالن جس کے معنی ہیں کھوپڑیوں کی مالا پہننے والا۔ ڈاوسن صفحہ ۳۰۔

[4] الملل والنحل ۱/۴۵۱ میں کتاب میں اس فرقہ کا نام کالیہ مکتوب ہوا ہے۔

تھا اور اُنہی کا پٹکا باندھے تھا اور اُنہی کے کنگن اور پازیب اس کے ہاتھوں اور پیروں میں تھے، اس کا جسم ننگا تھا، اس کا اپنے پیروؤں کو حکم تھا کہ وہ اسی طرح کی ہیئت بنائیں۔ شو نے ان کے لئے مذہبی قاعدے ضابطے بھی مقرر کئے۔

رامانیّہ وراوَنیّہ

مطہر بن طاہر مقدسیؒ:

موحد برہمنوں کے دو فرقوں کا نام رامانیّہ اور راوَنیّہ ہے، توحید کے ساتھ رسالت کے بھی قائل ہیں۔

رِشیہ (رشنیہ)

برہمنوں کے ان فرقوں میں سے جو وجودِ خالق کے قائل ہیں لیکن رسولوں کی بعثت تسلیم نہیں کرتے فرقہ رِشیہ (رشنیہ) ہے، یہ لوگ عرصہ تک فکری ریاضت کرکے اپنے ظاہری حواس بیکار کرلیتے ہیں، ان کی رائے ہے کہ فکر کو محسوسات سے الگ تھلگ رکھنے سے فرشتوں کی تجلی ہونے لگتی ہے، فرشتے ان میں روحانی طہارت و لطافت پیدا کر دیتے ہیں اور ان سے فیض حاصل کرتے ہیں، رِشی نہ تو دودھ پیتے ہیں نہ گوشت کھاتے ہیں اور نہ کوئی ایسی چیز جو آگ پر پکائی جائے، ان کی غذا صرف سبزی اور پھل ہے، وہ عمر کا بیشتر حصہ آنکھیں بند کئے فکری ریاضت میں گزار دیتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ فکر کے ذریعہ وہ جو چاہیں کرا سکتے ہیں، مثلاً بارش کرانے، ہوا چلانے، قتل کرنے، پرندوں کو زمین پر اتارنے اور دعا قبول کرانے پر قادر ہیں۔

مُصَفَّدہ

وجودِ خالق کے قائل لیکن رسولوں کی بعثت کے منکر برہمن فرقوں میں سے ایک فرقہ مُصَفَّدہ ہے، یہ لوگ لوہے کی زنجیر سے کمر تا پشت اپنا جسم جکڑ لیتے ہیں تاکہ کثرت علم اور ریاضت فکر سے ان کا پیٹ

ے متن کا یتر نیوا ابن نیۃ ہمارے خیال میں یہ مرتفع ہو۔ ے شو کے اوتار رام کے پیرو۔ ے راون کے پیرو۔

ے البدء والتاریخ م/۱۴-۱۵

نہ پھٹ جائے۔

ابن الندیم[1]:

ہندوؤں کا ایک فرقہ بکر تنتیہ (؟) ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو خود کو زنجیر سے جکڑ دیتے ہیں، یہ لوگ سر اور داڑھی منڈواتے ہیں، ستر کے علاوہ سارا جسم ننگا رکھتے ہیں، وہ کسی ایسے شخص سے نہ تو ہم کلام ہوتے ہیں نہ اسے تعلیم دیتے ہیں جو ان کے مذہب میں داخل نہ ہو۔ جو شخص ان کا مذہب قبول کر لیتا ہے، اسے خیر خیرات کی تاکید کرتے ہیں تاکہ اس میں انکسار کی صفت پیدا ہو، ان کے مذہب میں داخل ہونے والے کو اسی وقت زنجیر سے جسم جکڑنے کی اجازت ملتی ہے جب فکری ریاضت میں اونچا درجہ حاصل کر لے، زنجیر کمر سے لے کر سینہ تک جکڑتے ہیں تاکہ علم کی زیادتی اور غلبہ فکر سے پیٹ نہ پھٹ جائے۔

شہرستانی[2]:

بکر تنتیہ سے وہ ہندو مراد ہیں جو لوہے سے اپنا جسم جکڑ لیتے ہیں؛ سر اور داڑھی منڈوانا، ستر چھوڑ کر سارا جسم کھلا رکھنا اور کمر سے سینہ تک زنجیر جکڑ لینا ان کا شعار ہے، یہ اس لئے تاکہ کثرتِ علم اور شدتِ وہم اور غلبہ فکر سے پیٹ نہ پھٹ جائے۔ شاید انہیں لوہے میں کوئی ایسی خاصیت نظر آئی جو وہم و فکر سے ہم آہنگ تھی ورنہ لوہا انشقاق بطن کیسے روک سکتا ہے اور کثرتِ علم سے پیٹ پھٹنے کا کیا تعلق ہے۔

مطہر بن طاہر مقدسی[3]:

مہاکالیہ

وجودِ خالق کے قائل لیکن رسولوں کی بعثت کے منکر برہمن فرقوں میں ایک فرقہ مہاکالیہ ہے، مہاکال[4] ایک بت کا نام ہے جس کی پشت پر ہاتھی کی کھال ہے اور اس سے خون ٹپکتا ہے، اس کے دونوں کان چھدے ہوئے ہیں اور اس کے سر پر (انسانی) کھوپڑیوں کا ایک تاج رکھا ہے۔ ہندو اس کی یاترا کو آتے ہیں اور اس سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ مہاکال ان کی دعائیں اور فرمائشیں پوری

---

[1] فہرست ص ۴۸۹۔ [2] الملل والنحل ۱/۴۴۹۔ [3] البدء والتاریخ ۴/۱۵۔

[4] شیو کا نام ... ہندوؤں کے سب سے بڑے تین دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا تھا۔

کر دیتا ہے۔

ابن الندیم[1]:

اس فرقہ کی ایک مورتی ہے جسے مہاکال کہتے ہیں، اس کے چار ہاتھ ہیں، اس کا رنگ آسمانی ہے، سر کے بال لمبے اور گھنے ہیں، دانت نکالے ہوئے ہے، اس کا پیٹ کھلا ہوا ہے، پیٹ پر ہاتھی کی کھال ہے، جس سے خون ٹپک رہا ہے، اپنے سامنے ہاتھی کے ہاتھوں کی کھال کی گانٹھ لگائے ہوئے ہے، اس کے ہاتھ میں منہ کھولے ہوئے ایک بڑا زہریلا سانپ ہے اور دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا ہے، تیسرے میں انسانی سر، چوتھا اوپر اٹھا ہوا ہے۔ اس کے کانوں میں دو سانپ بالیوں کی طرح پڑے ہوئے ہیں، جسم پر دو بڑے زہریلے سانپ لپٹے ہوئے ہیں، سر پر انسانی کھوپڑیوں کا تاج ہے اور کھوپڑیوں ہی کی مالا گلے میں ہے، اس فرقہ کے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک راکشس (دیوتا) ہے بڑا عظیم الشان اور اپنی عظمت شان کے باعث عبادت کا مستحق ہے، اس میں اچھی بری دونوں صفات موجود ہیں، فائدہ اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے، اس فرقہ کے برہمن مشکلات و مصائب میں اس سے رجوع کرتے ہیں۔

شہرستانی[2]:

ہندوؤں کا ایک بت ہے جسے مہاکال کہتے ہیں، اس کے چار ہاتھ ہیں، گھنے لٹکتے ہوئے لمبے بال، اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سانپ ہے جس کا منہ کھلا ہوا ہے، دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا، تیسرے میں انسانی سر، چوتھا اوپر اٹھا ہوا ہے، کانوں میں بالیوں کی طرح دو سانپ پڑے ہیں اور جسم پر دو اور بڑے سانپ لپٹے ہوتے ہیں، سر پر کھوپڑیوں کا تاج اور گلے میں ان کی مالا ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ایک راکشس (دیوتا) ہے جو اپنی عظمت اور اچھے برے صفات کی بدولت۔ مثلاً عطا کرنا، باز رکھنا، نقصان اور فائدہ پہنچانا۔ عبادت کا مستحق ہے۔ ضرورت کے وقت ہندو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہندوستان میں مہاکال کے بڑے بڑے بت خانے ہیں، اس کے معتقد ہر دن تین بار آکر اس کے سجدے

---

[1] فہرست ص ۴۸۸

[2] الملل والنحل ۱/۲۵۳-۲۵۴

اور طواف کرتے ہیں، ہندوستان میں اُجین (اختر) نامی ایک شہر ہے جہاں مہاکال کی ایک بڑی مورتی پائی جاتی ہے۔ ہندو ہر جگہ سے یہاں آتے ہیں اور مورتی کو سجدہ کرتے ہیں اور اپنی دنیوی مرادیں مانگتے ہیں، کوئی کہتا ہے فلاں لڑکی سے میری شادی کرادو، کوئی کہتا ہے فلاں چیز مجھے دلوادو، بعض یاتری عرصہ تک شب و روز مہاکال کے مندر میں قیام کرتے ہیں اور قیام کے دوران بھوکے رہتے ہیں، مہاکال کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور اس سے منتیں کرتے ہیں، ان کی دعا قبول ہوجاتی ہے۔

شکتیہ[1] یا بھیرویہ

مطہر بن طاہر مقدسی[2]:

وجودِ خالق کے قائل برہمنوں کا ایک فرقہ شکتیہ ہے، ان کی ایک مورتی ہے عورت کی ہمشکل، کہا جاتا ہے کہ اس کے ہزار ہاتھ ہیں اور ہر ہاتھ میں کسی نوع کا ہتھیار ہے، جب سورج برج میزان میں آتا ہے تو اس فرقہ کے لوگ اس مورتی کے پاس ایک بڑی تقریب مناتے ہیں، اس پر بھینسیں، اونٹ، بکریاں حتیٰ کہ غلام اور باندیاں بلکہ آزاد لوگ تک قربان کر دیئے جاتے ہیں، اسی وجہ سے تقریب کے ایام میں بے یار و مددگار لوگ اس ڈر سے چھپے رہتے ہیں کہ کہیں مورتی ان کے قتل کا حکم نہ دیدے۔

شہرستانی[3]:

اس فرقہ کے لوگ عورت کی ہمشکل ایک مورتی بناتے ہیں جس کے سر پر تاج ہوتا ہے، اس کے بہت سے ہاتھ ہوتے ہیں، ہر سال جب دن رات برابر ہوجاتے ہیں اور سورج برج میزان میں داخل ہوتا ہے تو ایک تقریب منائی جاتی ہے، مورتی کے پیر داس کے سامنے ایک بڑا باڑہ بناتے ہیں اور مورتی پر بکریوں اور دوسرے جانوروں کی قربانیاں چڑھاتے ہیں، جانوروں کو ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ تلواروں سے مورتی کے سامنے ان کی گردن کاٹ دی جاتی ہے اور تقریب کے ختم ہونے تک دھوکہ سے لوگوں کو پکڑ کر بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ہندوستان کے بیشتر ہندوؤں کی نظر میں یہ فرقہ اپنی اس حرکت کے باعث

---

[1] ہندوؤں کے دیوتا شو کی بیوی اور بقول بعض اس کی نسوانی قوت کا نام شکتی تھا، شو کی دوسری بیوی کا نام دیوی اور لقب بھیروی تھا، خونخواری اور خونریزی دونوں کی شخصیت کا مظہر تھی، خونی قربانیوں کے ذریعہ ان دونوں کی خوشنودی حاصل کی جاتی تھی۔ ڈاؤسن ص۸۶۔ [2] البدء والتاریخ ۴/ ۱۵۔ [3] الملل والنحل ۱/ ۴۵۴، اس کتاب میں

مطلوانا ہے۔

جل بھکتیہ (جلھکیہ)

مطہر بن طاہر مقدسی[1]:

وجود خالق کا قائل برہمنوں کا ایک فرقہ جل بھکتیہ ہے، یہ لوگ پانی کی پوجا کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ پانی کے ساتھ ایک فرشتہ رہتا ہے نیز یہ کہ پانی پہ ہر قسم کے نشو و نما اور زندگی کا دار و مدار ہے، اسی کے ذریعہ زراعت ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ گندگی سے پاکی حاصل کی جاتی ہے۔

شہرستانی[2]:

جل بھکتیہ (جلھکیہ) سے مراد پانی کے پجاری ہیں، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ پانی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت رہتی ہے نیز یہ کہ ہر چیز کی بنیاد پانی پر ہے، ہر شے اسی سے وجود میں آتی ہے، ہر چیز کی نشو و نما اور بقا اسی پر منحصر ہے، اسی کے ذریعہ پاکی حاصل کی جاتی ہے اور اسی پر زراعت کا دار و مدار ہے، دنیا کا کوئی کام بغیر پانی کے نہیں چلتا۔ اس فرقہ کا پیرو جب پانی کی عبادت کرنا چاہتا ہے تو ستر .... چھوڑ کر سارے جسم کے کپڑے اتار دیتا ہے اور پانی میں داخل ہو جاتا ہے، جب پانی کمر تک آجاتا ہے تو ایک یا دو لمحے یا زیادہ پانی میں ٹھہرتا ہے، جتنے پھول اسے مل جاتے ہیں ساتھ لے لیتا ہے، ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتا ہے اور تھوڑا تھوڑا کر کے ان کو پانی میں ڈالتا ہے اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہے اور منتر پڑھتا ہے۔ لوٹتے وقت پانی کو ہاتھ سے ہلاتا ہے پھر چلو میں لے کر سر، منہ اور باقی جسم پر چھڑکتا ہے، اس کے بعد پانی کو سجدہ کرتا ہے اور باہر نکل آتا ہے۔

اگنی ہوتریہ (اکنہوطریہ)

مطہر بن طاہر مقدسی[3]:

برہمنوں کا یہ موحد لیکن منکر بعثت فرقہ آگ کی جو سب سے بڑا عنصر ہے پرستش کرتا ہے، یہ لوگ

---

[1] البدء و التاریخ ۴/۱۵۔ [2] الملل و النحل ۱/۴۵۴۔ [3] البدء و التاریخ ۴/۱۶۔

مُردوں کو اس ڈر سے نہیں جلاتے کہ آگ ناپاک ہو جائے گی۔

شہرستانی[1]:

اگنی ہوتریہ (اگنواطریہ) سے آگ کے پجاری مراد ہے، اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ آگ سب سے بڑا، سب سے مفید[2]، سب سے بلند مرتبہ، شریف، روشن ترین اور لطیف ترین عنصر ہے اور ہر عنصر کی نسبت انسان کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، دنیا میں آگ ہی روشنی کا سرچشمہ ہے، زندگی نشو ونما اور اشیا کی ترکیب آگ ہی کے میل سے ہوتی ہے، آگ کی پرستش کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ زمین میں مربع گڑھے کھودتے ہیں اور ان میں آگ جلاتے ہیں پھر ہر قسم کے کھانے پینے کی عمدہ چیزیں، بڑھیا کپڑا، مہکتی خوشبوئیں اور قیمتی پتھر آگ میں اس کی خوشنودی اور برکت حاصل کرنے کے لئے ڈالتے ہیں۔ یہ فرقہ ہندو زاہدوں کی ایک دوسری جماعت کے برخلاف جسم کو آگ میں جلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ہندوؤں کے اکثر راجا اور اکابر بھی آگ کے اعلیٰ جوہر اور شریف عنصر کے باعث اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور ساری موجودات پر اسے فوقیت دیتے ہیں۔

اس فرقہ میں زاہدوں اور عابدوں کا ایک طبقہ ہے جو روزہ رکھ کر آگ کے گرد بیٹھتا ہے، یہ لوگ اپنی ناک بند رکھتے ہیں تاکہ کسی مجرم یا گنہگار کی سانس ان کی ناک میں نہ چلی جائے، ان کا شعار ہے اچھے کردار اور عمدہ سیرت کی تلقین کرنا اور نا زیبا کاموں سے روکنا، جیسے جھوٹ، حسد، کینہ، جھگڑا، ظلم، لالچ اور غرور۔ جب انسان برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے تو اسے آگ کی قربت حاصل ہو جاتی ہے۔

برگد بھکتیہ (برکہ بھکتیہ)

اس فرقہ کے لوگ ایک مورتی ہے کہ اس کی پوجا کرتے ہیں اور اس پر نذرانے چڑھاتے ہیں، وہ ایک بڑا چھتنار درخت منتخب کرتے ہیں جیسا کہ پہاڑوں میں ہوتا ہے اور اس کی جائے وقوع کو اپنی

---

[1] الملل والنحل ۱/۵۵۴ ونہایت الارب نویری ۱/۱۰۳۔ [2] متن کا اوسط حیز ا بالزای ہماری رائے میں خیرا کی تصحیف ہے۔

عبادت گاہ بناتے ہیں، وہ مورتی کو اس درخت کے پاس لاتے ہیں اور درخت (کے تنے) کو کھوکھلا کر کے اس میں مورتی بٹھا دیتے ہیں پھر وہ اس درخت کے سجدے اور طواف کرتے ہیں[1]۔

مادھویہ[2] (بھادونیہ)

ابن الندیم[3]:

ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے جو لمبے لمبے بال رکھتا ہے اور بالوں کی لٹیں بنا کر منہ پر ڈال لیتا ہے، ان لوگوں کا سر چاروں طرف سے یکساں بالوں سے ڈھکا[4] ہوتا ہے، یہ شراب نہیں پیتے، ان کا ایک (مقدس) پہاڑ ہے جس کا نام جورعن (؟) ہے، یہ لوگ اس پہاڑ کی یاترا کرتے ہیں اور جب یاترا سے واپس آتے ہیں تو (راستہ میں واقع) بستیوں میں داخل نہیں ہوتے اور اگر کوئی عورت نظر آجاتی ہے تو اس سے دور بھاگ جاتے ہیں، اس پہاڑ پر ایک بڑا بت خانہ ہے جس میں ایک مورتی رکھی ہے۔

شہرستانی[5]:

اس فرقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ مادھو ایک بڑا فرشتہ تھا جو ایک لمبے چوڑے انسان کی شکل میں آیا تھا، اس کے دو بھائی تھے جنہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی کھال سے زمین بنائی، ہڈیوں سے پہاڑ اور خون سے سمندر، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ محض رمزیہ تعبیر ہے ورنہ کوئی انسان اتنا بڑا کب ہوتا ہے (کہ اس کے جسم سے زمین اور پہاڑ وغیرہ بن سکیں) مادھو ایک جانور پر سوار ہے، اس کے سر پر خوب بال ہیں جو اس نے منہ پر ڈال لیے ہیں، اس نے بالوں کو برابر حصوں میں بانٹ کر سر کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ڈال لیا ہے۔ اس نے اپنے متبعین کو بھی اسی طرح بالوں سے منہ ڈھکنے کا حکم دیا ہے، اس نے شراب سے اجتناب کی تاکید کی ہے، اس کا حکم ہے کہ اگر کسی جگہ غیر عورت نظر آجائے تو وہاں سے بھاگ جاؤ، اس کا حکم ہے کہ جورعن (؟) پہاڑ کی یاترا کریں، اس پہاڑ پر ایک بڑا مندر ہے جس میں

---

[1] الملل والنحل ۱/۴۵۴ - [2] مادھو وشنو کا ایک نام ہے جو ہندوؤں کے تین سب سے بڑے دیوتاؤں میں سے تھا۔

[3] فہرست ص ۴۹۰ - [4] متن کا مغشو الشعر مغشو باللہ ... ن ہے [5] الملل والنحل ۱/۴۵۱ -

مادھو کی مورتی رکھی ہے، اس مندر کے پروہت ہیں جن کے پاس اس کی کنجی رہتی ہے، انہی کی اجازت سے یاتری اندر داخل ہوتے ہیں، یہ پروہت جب دروازہ کھولتے ہیں تو اپنا منہ بند کر لیتے ہیں تاکہ ان کی سانس مورتی تک نہ جانے پائے۔ یاتری مورتی پر جان قربان کرتے ہیں اور نذرانے چڑھاتے ہیں اور جب یاترا کر کے لوٹتے ہیں تو راستہ میں واقع بستیوں میں نہیں جاتے، کسی ایسی چیز پر نظر نہیں ڈالتے جس کا دیکھنا ممنوع ہو اور کسی کو اپنے قول یا فعل سے اذیت نہیں پہنچاتے۔

ابن الندیم[1]:

چندر بھکتیہ (جندر بہکینیہ)

یہ لوگ چاند کی پوجا کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ چاند ایک فرشتہ ہے جو تعظیم اور عبادت کا مستحق ہے، وہ چاند کی ایک مورتی بناتے ہیں، جو ایک گاڑی پر سوار ہوتی ہے جسے چار بطخیں کھینچتی ہیں، اس مورتی کے ہاتھ میں ایک قیمتی پتھر ہوتا ہے جسے جندر رگیت (جندر کیت) کہتے ہیں، یہ لوگ چاند کی مورتی کو سجدہ کرتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں، ہر مہینے کے پہلے پندرہ دن روزے رکھتے ہیں اور جب تک چاند طلوع نہیں ہوتا افطار نہیں کرتے، افطار کے بعد مورتی کے پاس کھانا پانی اور دودھ لے جاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں، پھر چاند کی طرف دیکھتے ہیں اور اس کے سامنے دعائیں مانگتے ہیں اور اس کے اور اس کی مورتی کے سامنے رقص و سرود کی محفل منعقد کرتے ہیں۔ جب مہینہ ختم ہو جاتا ہے اور نیا چاند نکلتا ہے تو وہ چھتوں پر چڑھ کر اسے تکتے ہیں اور خوشبوئیں سلگاتے ہیں، نئے چاند کے سامنے دعائیں مانگتے ہیں اور اس سے منتیں کرتے ہیں پھر چھتوں سے اتر کر کھاتے پیتے اور خوشیاں مناتے ہیں اور اچھے چہروں کو سامنے رکھ کر اس پر نظر ڈالتے ہیں۔

---

[1] فہرست ص ۴۸۸ - ۴۸۹، الملل والنحل ۱/ ۵۲۳ اور نہایۃ الارب ۱/ ۵۶ میں بھی فہرست سے ملتا جلتا ذکر موجود ہے۔ الملل میں فرقہ کا نام جندر یکینیہ اور نہایۃ الارب میں جندریکتیہ بالحاء المہملۃ قلمبند ہوا ہے۔

آدِتْ بھکتیہ (ونیکبتیۃ)

یہ لوگ سورج کے پجاری ہیں، انہوں نے سورج کی مورتی بنائی ہے اور اسے ایک گاڑی پر سوار کیا ہے جس میں پہیوں کی جگہ چار گھوڑے لگے ہیں، مورتی کے ہاتھ میں آتشیں رنگ کا ایک قیمتی پتھر ہے، اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ سورج سب سے بڑا فرشتہ ہے اور اس لائق کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے سجدہ کیا جائے، اس لئے وہ اس کی مورتی کو سجدے کرتے ہیں اور سلگتی ہوئی خوشبو لے کر بانسری اور دوسرے ساز بجاتے ہوئے اس کا طواف کرتے ہیں۔ اس مورتی کے لئے جائدادیں وقف ہیں جن سے آمدنی ہوتی ہے، اس کے پروہت اور منتظم ہیں جو اس کی اور اس کی جائداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں، دن میں تین بار اس مورتی کی پوجا کی جاتی ہے۔ پوجا کے دوران مختلف منتر اور اشلوک پڑھے جاتے ہیں۔ مورتی کے پاس بیمار، کوڑھی، جذامی اور دوسرے خبیث اور مزمن امراض والے آتے ہیں، مندر میں قیام کرتے ہیں اور راتیں گذارتے ہیں اور مورتی کو سجدے کرتے ہیں، اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور اس سے اپنی صحت کے لئے التجا کرتے ہیں، کھانا پینا ترک کر دیتے ہیں اور مورتی (کی خوشنودی) کے لئے روزے رکھتے ہیں یہاں تک کہ کوئی خواب میں آکر مریض کو بشارت دیتا ہے کہ تم شفایاب ہوئے اور تمہاری مراد برآئی، مشہور ہے کہ مورتی خواب میں آکر مریض سے مخاطب ہوتی ہے اور وہ صحتیاب ہو جاتا ہے[1]۔

شہرستانی[2]:

اس فرقہ کا دعویٰ ہے کہ سورج ایک فرشتہ ہے با عقل و روح، اس سے ستاروں کو نور اور عالم کو روشنی ملتی ہے اور موجوداتِ عالم کی بقا کا اسی پر دار و مدار ہے۔ سورج آسمان کا بادشاہ ہے اور اس لائق کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس کو سجدے کئے جائیں، اس کے لئے خوشبوئیں سلگائی جائیں اور اس سے دعائیں مانگی جائیں۔ اس فرقہ کا نام آدِت بھکتیہ (ونیکبتیہ) ہے یعنی سورج کے پجاری۔ یہ لوگ سورج کی ایک مورتی بناتے ہیں جس کے ہاتھ میں آگ کے ہم رنگ ایک پتھر ہوتا ہے

---

[1] فہرست ص ۴۸۸۔ [2] ۲/۱ ۴۵۲ و توریری ۱/۴۹۔

اس کا ایک خاص مندر ہے جو اس کے نام پر بنایا گیا ہے، مندر کے لئے جائدادیں اور گاؤں وقف ہیں، اس کے پروہت اور منتظم ہیں، زائرین مندر آتے ہیں اور (دن میں) تین بار مورتی کی پوجا کرتے ہیں بیمار اور روگی بھی آتے ہیں اور مورتی کی خوشنودی کے لیے روزے رکھتے ہیں، پوجا کرتے ہیں اور اپنی صحت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔

انشیہ (الشنیہ)

ابن الندیم[1]:

اس فرقہ کے لوگ کھانے پینے سے اجتناب کرتے ہیں۔

گنگایا تریہ (گنکایاترہ)

ہندوؤں کا ایک فرقہ گنگایاتریہ (گنکایاترہ) کہلاتا ہے، یہ لوگ سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہو جائے تو اس کو چاہیئے خواہ دور ہو یا قریب گنگا (الکیف) میں جا کر غسل کرے، ایسا کرنے سے اس کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔

راجُم تیہ (راجمرسہ)

یہ لوگ راجاؤں کے فدائی ہوتے ہیں اور ان کی مدد ان کا دین ایمان ہے، وہ کہتے ہیں کہ راجاؤں کو خدا نے راج عطا کیا ہے اور ان کی خاطر اگر ہم مارے جائیں تو ہمیں جنت نصیب ہوگی۔

سادھو، فقیر، سنیاسی

سلیمان[2] تاجر:

ہندوستان میں ایک فرقہ ہے جسے بیکرجین (بھکو) کہتے ہیں، یہ لوگ ننگے رہتے ہیں، ان کی ستر اور جسم لمبے لمبے بالوں سے ڈھکے ہوتے ہیں، ان کے ناخون بلم کے پھل کی طرح لمبے ہوتے ہیں کیونکہ

---

[1] فہرست ص ۴۸۹ - ۴۹۰ -
[2] سلسلۃ التواریخ ۲/۱۲۷ -

ان کو تراشا نہیں جاتا، یہ لوگ ہمیشہ گشت میں رہتے ہیں، ان کے ہر فرد کے گلے میں انسانی کھوپڑی کا ایک بادیہ ڈوری سے لٹکا ہوتا ہے، جب اسے بھوک ستاتی ہے تو وہ کسی ہندو کے دروازہ پر جاکر کھڑا ہو جاتا ہے، گھر والے جلدی جلدی پکے ہوئے چاول لاکر اس کو دیتے ہیں اور اس کے آنے سے خوش ہوتے ہیں۔ بھکشو انسانی سر کے بادیہ میں چاول لے کر کھاتا ہے اور جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے۔

بزرگ بن شہریار[1]:

میں نے ایک گذشتہ باب میں ہندوستان کے عابدوں اور زاہدوں کا کچھ ذکر کیا ہے[2]، ان کے کئی طبقے ہیں جن میں سے ایک کا نام بِھکُّو ہے، ان کی ابتدا لنکا میں ہوئی، یہ لوگ مسلمانوں کو پسند کرتے ہیں اور ان سے بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں ننگے رہتے ہیں، نہ ان کے پیروں میں جوتی ہوتی ہے اور نہ تن پر کپڑا، کبھی کوئی بِھکُّو چار انگل لمبا اور اتنا ہی چوڑا کپڑا ایک دھاگے سے کمر پر باندھ کر آگے پیچھے ستر پوشی کر لیتا ہے، جاڑوں میں بِھکُّو کمر سے گھاس کی چٹائیاں لپیٹ لیتے ہیں، بعض بِھکُّو شہرت کی خاطر مختلف رنگوں کے پیوندوں کی دھوتی پہنتے ہیں اور جلائے ہوئے مردوں کی راکھ سارے جسم پر مل لیتے ہیں، سر منڈوا دیتے ہیں اور داڑھی مونچھوں کے بال نوچ ڈالتے ہیں، بغلوں اور ناف کے بال نہیں کاٹتے لیکن اکثر اوقات ناخون کاٹ لیتے ہیں، ہر بِھکُّو کے پاس مردہ انسان کی کھوپڑی ہوتی ہے جس میں عبرت اور اظہارِ تواضع کے لئے وہ کھاتا پیتا ہے۔

سلیمان تاجر[3]:

ہندوستان میں ایسے لوگ (سنیاسی) پائے جاتے ہیں جو آبادی سے روپوش ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتے رہتے ہیں اور انسانوں سے میل جول نہیں رکھتے، وہ اکثر گھاس پات اور جنگلی پھلوں پر گذارہ کرتے ہیں، عورتوں سے الگ رہنے کے لئے پیشاب کی نالی میں لوہے کا ایک حلقہ

---

[1] عجائب الہند ص ۱۵۵۔ [2] مطبوعہ نسخہ میں ہمیں یہ ذکر نہیں ملا۔ [3] سلسلۃ التواریخ ۱/۵۱۔

ڈالے رہتے ہیں، کچھ سنیاسی ننگے رہتے ہیں اور کچھ سورج کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے جسم پر چیتے کی ذرا سی کھال ہوتی ہے۔ میں نے اس ہیئت میں ایک شخص کو دیکھا پھر سولہ سال بعد میرا اس شخص کے پاس سے گذر ہوا تو میں نے اسے سابقہ حال اور ہیئت میں پایا، میں حیران تھا کہ سورج کی تمازت سے اس کی آنکھیں کیوں نہ بہ گئیں۔

دمشقی[1]

جوگی (جوکیہ) اور یوگی (یوکیہ)

ہندوؤں کے عبادت گذار اور عالم فرقوں میں ایک جوگی فرقہ ہے، یہ لوگ خارق العادت کام کرتے ہیں، نظر بندی کے کرتب اور وہم و خیالات کے طلسمات دکھاتے ہیں، دوسرا فرقہ یوگی کہلاتا ہے، ان کا امتیازی نشان ریاضت اور دنیا سے بے تعلقی ہے، یہ لوگ چونے کے پاؤڈر سے اپنے جسم کے بال صاف کر دیتے ہیں اور کبھی تنہا نہیں رہتے بلکہ جہاں ہوتے ہیں دو دو اور جہاں بھی جاتے ہیں دو دو کی ٹولیوں میں، ان کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ منی کے موذی فضلہ کو بطور علاج اپنے دوسرے ساتھی کے سُرین میں داخل کر کے سکون حاصل کرتے ہیں؛ ان کے ایک ساتھی کے گلے میں گھنٹی پڑی ہوتی ہے جب اسے بھوک لگتی ہے تو وہ شہر کے دروازہ یا بازار یا گلی میں یا مندر کے دوار پر آکر خاص انداز سے گھنٹی بجاتا ہے، یہ آواز سب سے پہلے جو آدمی سن لے وہ فوراً دونوں ہاتھوں میں چاول بھر کر اس کے پاس آجاتا ہے، گھنٹی والا چاول لے کر اپنے ساتھی کے پاس جاتا ہے اور اس کے پاس رکھ دیتا ہے اور خود ہٹ جاتا ہے، ساتھی حسب ضرورت چاول کھا کر اُٹھ جاتا ہو تب گھنٹی والا آتا ہے اور بھوک کے مطابق چاول کھا لیتا ہے اور باقی چھوڑ کر چلا جاتا ہے، دینے والا آتا ہے اور بچا ہوا کھانا بطور تبرک اپنے اور اپنے گھر والوں کیلئے اٹھا کر لے جاتا ہے۔ برکت کی ہی خاطر ہندو راجاؤں اور اکابر کارکیہ یا کرم یوگی کرتے ہیں اور ان کی راکھ محفوظ کر لیتے ہیں۔ جب حکمران راجہ کی سواری نکلتی ہے تو اس کے ساتھ دو یوگی سونے کی تھالوں میں وہ راکھ لیے ہوئے چلتے

---

[1] نخبۃ الدہر ص ۲ - ۱۷۱ -

ہیں اور جلوس کے لوگ تھوڑی تھوڑی راکھ منہ اور جسم پر ملتے رہتے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اے راجہ تیرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، سوچ سمجھ کر زندگی گذار، ظلم سے بچ اور اچھے کام کیا کر۔

ہندو فلسفی

شہرستانی[1]:

یونانی فلاسفر فیثاغورس کا قلانوس نامی ایک شاگرد تھا جس نے اس سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی، وہ ہندوستان کے کسی شہر میں آیا اور وہاں فیثاغورس کے فلسفہ کی اشاعت شروع کی برحمن بڑا ذہین، صاحب فکر اور عمیق نظر ہندو تھا جسے عالم بالا کے حالات معلوم کرنے سے خاص دلچسپی تھی، اس نے قلانوس سے فلسفہ پڑھا اور اس کے نظریات سے استفادہ کیا، قلانوس کی وفات پر برحمن سارے ہندو فلسفیوں کا امام ہوگیا۔ اس نے لوگوں کو جسم گھلانے، فکر کو توانا اور روح کو پاک وصاف بنانے کی تلقین کی، وہ کہتا تھا کہ جو شخص اپنی روح کو پاک وصاف کرلیگا اور جلد از جلد اس گندی دنیا سے نکلنے کی کوشش کریگا اور اپنے جسم کو (بھی) آلودگیوں سے صاف کرلے گا۔ اس پر کائنات کے رموز آشکار ہوجائیں گے، وہ ہر غائب کو دیکھ سکتا ہے، ہر مشکل پر فتح پاسکتا ہے اور مسرور وشاداں جی سکتا ہے[2]، زندگی سے بیزار ہوگا نہ تکان محسوس کرے گا۔ برحمن نے ہندوؤں کو سیدھا راستہ دکھا دیا اور ان کے سامنے دل کو لگتی دلیلیں پیش کیں تو ہندو تہذیب نفس اور تنویر روح کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ برحمن یہ بھی کہا کرتا تھا: اس دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر ہی تم دوسرے عالم کی کامیابی پاسکتے ہو اور وہاں کی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے متمتع ہوسکتے ہو۔ ہندوؤں نے اس برحمن کے اس قول پر غور کیا اور اس کی حقانیت ان کے دل ودماغ میں اچھی طرح راسخ ہوگئی جب برحمن کا انتقال ہوگیا۔ اور اس وقت تک اس کا یہ قول ان کے دماغوں میں مرتسم ہوچکا تھا

---

[1] الملل والنحل ۱/۴۵۵۔۴۵۸۔ [2] متن کا ناتذ البصر ناتذ بالفار والنذال النجمۃ کی تحریف ہے۔

[3] اس کے بعد متن کے یہ دو لفظ ملتفی[؟] عاشقا، ہماری رائے میں بے موقع ہیں۔

ہیں اور جلوس کے لوگ تھوڑی تھوڑی راکھ منہ اور جسم پر ملتے رہتے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اے راجہ تیرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، سوچ سمجھ کر زندگی گذار، ظلم سے بچ اور اچھے کام کیا کر۔

ہندو فلسفی

شہرستانی:[1]

یونانی فلاسفر فیثاغورس کا قلانوس نامی ایک شاگرد تھا جس نے اس سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی، وہ ہندوستان کے کسی شہر میں آیا اور وہاں فیثاغورس کے فلسفہ کی اشاعت شروع کی برحمن بڑا ذہین، صاحب فکر اور عمیق[2] نظر ہندو تھا جسے عالم بالا کے حالات معلوم کرنے سے خاص دلچسپی تھی، اس نے قلانوس سے فلسفہ پڑھا اور اس کے نظریات سے استفادہ کیا، قلانوس کی وفات پر برحمن سارے ہندو فلسفیوں کا امام ہوگیا۔ اس نے لوگوں کو جسم گھلانے، فکر کو توانا اور روح کو پاک وصاف بنانے کی تلقین کی، وہ کہتا تھا کہ جو شخص اپنی روح کو پاک وصاف کریگا اور جلد از جلد اس گندی دنیا سے نکلنے کی کوشش کریگا اور اپنے جسم کو (بھی) آلودگیوں سے صاف کرلے گا، اس پر کائنات کے رموز آشکار ہو جائیں گے، وہ ہر غائب کو دیکھ سکتا ہے، ہر مشکل پر دسترس پا سکتا ہے اور مسرور و شاداں جی سکتا ہے[3]۔ زندگی سے بیزار ہوگا نہ تکان محسوس کرے گا۔ برحمن نے ہندوؤں کو سیدھا راستہ دکھا دیا اور ان کے سامنے دل کو لگتی دلیلیں پیش کیں تو ہندو تہذیب نفس اور تنویر روح کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ برحمن یہ بھی کہا کرتا تھا: اس دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر ہی تم دوسرے عالم کی کامیابی پا سکتے ہو اور وہاں کی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے متمتع ہو سکتے ہو۔ ہندوؤں نے اس برحمن کے اس قول پر غور کیا اور اس کی حقانیت ان کے دل و دماغ میں اچھی طرح راسخ ہو گئی۔ جب برحمن کا انتقال ہوگیا۔ اور اس وقت تک اس کا یہ قول ان کے دماغوں میں مرتسم ہو چکا تھا۔

---

[1] الملل والنحل ۱/۴۵۵-۴۵۸۔ [2] تمن کا ناقد البصر ناقد بالفار والذال المعجمة کی تحریف ہے۔

[3] اس کے بعد متن کے یہ دو لفظ ملتذا عاشقا، ہماری رائے میں بے موقع ہیں۔

ہیں اور جلوس کے لوگ تھوڑی تھوڑی راکھ منہ اور جسم پر ملتے رہتے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اے راجہ تیرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے، سوچ سمجھ کر زندگی گذار، ظلم سے بچ اور اچھے کام کیا کر۔

ہندو فلسفی

شہرستانی[1]:

یونانی فلاسفر فیثا غورس کا قلانوس نامی ایک شاگرد تھا جس نے اس سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی، وہ ہندوستان کے کسی شہر میں آیا اور وہاں فیثا غورس کے فلسفہ کی اشاعت شروع کی برحمن بڑا ذہین، صاحب فکر اور عمیق نظر ہندو تھا جسے عالم بالا کے حالات معلوم کرنے سے خاص دلچسپی تھی، اس نے قلانوس سے فلسفہ پڑھا اور اس کے نظریات سے استفادہ کیا، قلانوس کی وفات پر برحمن سارے ہندو فلسفیوں کا امام ہو گیا۔ اس نے لوگوں کو جسم گھلانے، فکر کو توانا اور روح کو پاک وصاف بنانے کی تلقین کی، وہ کہتا تھا کہ جو شخص اپنی روح کو پاک وصاف کریگا اور جلد از جلد اس گندی دنیا سے نکلنے کی کوشش کریگا اور اپنے جسم کو (بھی) آلودگیوں سے صاف کرے گا، اس پر کائنات کے رموز آشکار ہو جائیں گے، وہ ہر غائب کو دیکھ سکتا ہے، ہر مشکل پر فتح پا سکتا ہے اور مسرور شادماں جی سکتا ہے، زندگی سے بیزار ہوگا نہ تکان محسوس کرے گا۔ برحمن نے ہندوؤں کو سیدھا راستہ دکھا دیا اور ان کے سامنے دل کو لگتی دلیلیں پیش کیں تو ہندو تہذیب نفس اور تنویر روح کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ برحمن یہ بھی کہا کرتا تھا: اس دنیا کی لذتوں کو چھوڑ کر ہی تم دوسرے عالم کی کامیابی پا سکتے ہو اور وہاں کی لذتوں سے ہمیشہ کے لئے متمتع ہو سکتے ہو۔ ہندوؤں نے اس برحمن کے اس قول پر غور کیا اور اس کی حقانیت ان کے دل و دماغ میں اچھی طرح راسخ ہو گئی۔ جب برحمن کا انتقال ہو گیا۔ اور اس وقت تک اس کا یہ قول ان کے دماغوں میں مرتسم ہو چکا تھا۔

---

[1] الملل والنحل ۱/۴۵۵-۴۵۸۔ [2] تمن کا نا قذ البحر نا قذ بالفار والنذال البعمۃ کی تحریف ہے۔

[3] اس کے برہمن کے یہ دو لفظ ملتنی ا عاشقا، ہماری رائے میں بے موقع ہیں۔

اور ان کے دلوں میں جلد از جلد عالم بالا پہنچنے کی بیتابی بڑھ چکی تھی۔ تو ہندوؤں کے دو فرقے ہو گئے ایک فرقہ کی رائے تھی کہ اس دنیا میں اولاد پیدا کرنے سے زیادہ کھلی ہوئی کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کیونکہ تناسل جسمانی لذت کوشی اور شہوانی نطفہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور ہر وہ محرک جو عمدہ کھانے پینے سے پیدا ہو اور شہوت کو جگائے، حیوانی لذت کی خواہش کو اکسائے اور بہیمانہ جذبات میں جوش پیدا کرے اس قابل ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے، بنا بریں اس فرقہ کے لوگ اتنا کھانے جتنا صرف زندہ رکھنے کے لئے کافی ہوتا اور ان کی ایک جماعت جسے عالم بالا پہنچنے کی زیادہ عجلت ہوتی کم کھانا بھی پسند نہ کرتی۔ اس فرقہ کی ایک دوسری جماعت کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب ان میں سے کسی کی عمر زیادہ ہو جاتی تو وہ خود کو آگ میں جلا ڈالتا تھا تزکیۂ نفس اور تطہیرِ جسم اور نجات روح کی خاطر؛ ان کی ایک تیسری جماعت دنیوی نعمتیں، عمدہ کھانے اور عمدہ لباس فراہم کرکے ان کو اپنے سامنے رکھتی تاکہ آنکھیں ان کو دیکھیں اور ان کے حیوانی جذبات بھڑکیں اور ان چیزوں کی طرف لپکیں عین اس وقت یہ لوگ عقل و تمیز سے کام لیکر اپنے دل کو ان پرکشش چیزوں کی طرف سے ہٹا لیتے، نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے جسم دُبلے ہو جاتے اور نفس حیوانی کمزور پڑ جاتا اور دونوں کا تعلق ایک دوسرے سے منقطع ہو جاتا۔

دوسرے فرقہ کا موقف تھا کہ تناسل، طعام و شراب اور دوسری لذتوں کو اعتدال اور جائز حدود میں رہ کر اختیار کیا جائے چنانچہ یہ لوگ ایک معتدل و متوازن زندگی بسر کرتے تھے اور شاذونادر ہی صحیح حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ دونوں فرقوں کی ایک جماعت نے فیثا غورس کے فلسفیانہ نظریات کا اتباع کرکے اپنی روحوں کو ایسا توانا اور عقل کو ایسا منور کر لیا کہ اپنے دوسرے ہم مسلک ہندوؤں کے دلوں کے اچھے برے خیالات کا ادراک کرنے لگے اور ان کی کیفیت بتانے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ موخر الذکر کے دلوں میں بھی فکری ریاضت اور نفس امارہ کو قابو میں رکھنے اور مذکورہ جماعت کی سطح تک پہنچنے کی پرزور خواہش پیدا ہو گئی۔ ان فرقوں کا نظریہ خدا کے بارے میں یہ تھا کہ وہ نور محض ہے لیکن اس نے اپنے اوپر کسی نہ کسی جسم کا پردہ ڈال لیا ہے تاکہ

بس وہی دیکھ سکے جو اس کا اہل ہو..... ان کا عقیدہ ہے کہ انسان اسی دنیا میں قیدی کی طرح ہے اور جس نے اپنے شہوانی جذبات سے جنگ کر کے خود کو دنیوی لذتوں سے بچا لیا وہ کروہات دنیوی سے نجات پائے گا اور جو دنیوی لذتوں میں پھنسا رہا، وہ دنیا کا قیدی بنا رہے گا۔ شہوانی جذبات سے لڑائی میں کامیابی کے لیے اِن برائیوں نیز ان کے محرکات و مسببات سے اجتناب ضروری ہے۔ تجرد(؟)، غرور، تسکینِ شہوت اور لالچ۔ جب سکندر[1] (ہندوستان کے)، ان علاقوں[2] میں پہنچا اور وہاں کے ہندوؤں سے جنگ کا ارادہ کیا تو ان دو فرقوں میں سے ایک کا شہر سکندر کے لیے فتح کرنا مشکل ہو گیا، یہ وہ فرقہ تھا جو دنیا میں لذتوں کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرنے کا قائل تھا، بڑی کوشش کے بعد سکندر نے یہ علاقہ فتح کر لیا اور اس فرقہ کے فلاسفہ کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔ یونانی حملہ آوروں کو فرقہ کے مقتولین کے زمین پر پڑے ہوئے جسم ایسے نظر آتے جیسے شفاف پانی میں مچھلیوں کے صاف ستھرے لاشے ہوں، یہ دیکھ کر وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور اس فرقہ کے باقی لوگوں کے قتل سے باز رہے۔ دوسرے فرقہ نے جو شادی بیاہ اور تناسل کو برا خیال کرتا تھا نیز جسمانی شہوت سے تائب تھا، سکندر کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں اس کی فلسفہ دوستی اور علم سے رغبت نیز فلاسفہ اور اربابِ دانش کی تعظیم کو سراہا تھا اور اس سے درخواست کی تھی کہ ان سے مناظرہ کے لیے ایک فلسفی بھیج دے، سکندر نے ایک فلسفی بھیج دیا جسے نظریاتی اور علمی فلسفہ میں بحث کر کے انھوں نے ہرا دیا، سکندر پر ان کی فلسفیانہ دانشمندی کا ایسا اثر ہوا کہ وہ شاندار عطیے اور انعامات دے کر ان کا علاقہ چھوڑ کر چلا گیا۔

ہندوستان کا کاغذ اور رسم الخط

بیرونی[3]:

پرانے زمانے کے یونانیوں کے برخلاف ہندو چمڑے پر لکھنے کے عادی نہیں ہیں، جب سقراط

---

[1] ہندوستان پر سکندر نے ۳۲۵ قبل مسیح میں حملہ کیا تھا۔ [2] شہرستانی نے متن میں مشار الیہ کی تشریح نہیں کی ہے۔ [3] کتاب الہند ص ۸۱-۸۲۔

سے کسی نے پوچھا کہ تم کتابیں کیوں نہیں لکھتے تو اس نے جواب دیا: مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ زندہ دلوں کا علم مردہ بکری کی کھال پر منتقل کر دوں۔ یونانیوں کی طرح اوائل اسلام میں مسلمان بھی چمڑے پر لکھا کرتے تھے، چنانچہ (مسلمان عربوں سے) خیبر کے یہودیوں کا معاہدہ چمڑے پر تحریر ہوا تھا اور رسول اللہ نے کسریٰ کو جو خط لکھا تھا وہ بھی چمڑے پر قلمبند کیا گیا تھا۔ اسی طرح ابتدائے اسلام میں قرآن کے نسخے ہرن کی کھال پر لکھے جاتے تھے اور تورات کی کتابت بھی چمڑے پر ہوتی تھی۔ قرآن میں ہے و یجعلونہ قراطیس۔ یہودی تورات کو قرطاس بناتے ہیں یعنی کاغذ پر لکھتے ہیں۔ قرطاس مصر میں بَرْدی پودے کے گودے سے بنایا جاتا تھا، کچھ عرصہ پہلے تک عرب خلفاء کے خطوط اور فرمان قرطاس ہی پر صادر ہوتے تھے، قرطاس پر لکھے ہوئے لفظ کو بدلا یا مٹایا نہیں جا سکتا، اگر ایسا کیا جائے تو کاغذ خراب ہو جاتا ہے۔

کاغذ چینیوں کی ایجاد ہے، اسلامی قلمرو میں اس کی صنعت چینی قیدیوں کی معرفت سمرقند میں شروع ہوئی تھی، اس کے بعد یہ صنعت دوسرے اسلامی شہروں میں بھی پہنچ گئی اور اس طرح ایک بڑی کمی پوری ہو گئی۔

جنوبی ہند کے لوگ تاڑ کے پتوں پر لکھتے ہیں تاڑ ایک اونچا پھل دار درخت ہے، کھجور اور ناریل کے پیڑ کی طرح، اس درخت کے پھل کھائے جاتے ہیں، تاڑ کے پتے ڈیڑھ فٹ (ایک ذراع) لمبے اور ملی ہوئی تین انگلیوں کے بقدر چوڑے ہوتے ہیں، یہ پتے تاڑی (تاری) کہلاتے ہیں اور جنوب کے لوگ ان پر لکھتے ہیں، پتوں کے بیچ میں سوراخ کر دیا جاتا ہے اور انہیں ایک ڈوری میں پرو کر کتاب بنائی جاتی ہے۔

وسطی اور شمالی ہندوستان میں درخت تُوز[1] کی چھال پر لکھائی ہوتی ہے۔ اس کی ایک قسم سے کمانوں کے خول بھی بنائے جاتے ہیں، اس چھال سے تیار کردہ کاغذ کو بھوج کہتے ہیں۔ اس کے تختے ڈیڑھ فٹ (ایک ذراع) لمبے اور پھیلی ہوئی انگلیوں کے برابر یا اس سے کم چوڑے ہوتے

---

[1] بروزن حور۔

ہیں، ان تختوں کو کسی طریقہ سے مثلاً روغن لگا کر یا صیقل کر کے سخت اور چکنا کر لیتے ہیں اور پھر اس پر لکھتے ہیں، توز کے یہ تختے الگ الگ ہوتے ہیں اور مسلسل ہندسوں کے ذریعہ ان کی ترتیب درست رکھی جاتی ہے، پوری کتاب دو تختیوں کے درمیان رکھ کر کپڑے میں لپیٹ دی جاتی ہے، اسے پوتھی دپوتی کہتے ہیں۔ وسطی اور شمالی ہندوستان میں خط و کتابت نیز ہر قسم کی دوسری تحریروں کے لئے بھی توز کی چھال سے تیار کیا ہوا کاغذ استعمال کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کے رسم الخط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ (امتداد زمانہ سے) فنا ہو گیا تھا اور لوگ اسے بھول گئے تھے، کوئی اس کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا جس کے نتیجہ میں ہندو علم سے بے بہرہ ہو گئے تھے پھر پراشر[1] کے لڑکے بیاس[2] نے خداوندی الہام سے ایک رسم الخط ایجاد کیا جو حروف تہجی کے پچاس حروف پر مشتمل تھا۔

یونانیوں کی طرح ہندو بھی بائیں سے دائیں جانب لکھتے ہیں.... ہندوؤں کا مشہور رسم الخط سدھ ماترک (سدماترک) ہے، یہ اکثر کشمیر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو تحریر و کتابت کا مرکز ہے۔ بارانسی (بنارس) میں بھی یہی خط استعمال ہوتا ہے۔ کشمیر اور بنارس ہندوؤں کے دو (سب سے بڑے) علمی مرکز ہیں، یہی رسم الخط مدھ پردیش (مدیش) میں رائج ہے جو قنوج (کنوج) کے گرد و پیش کا علاقہ ہے، اس علاقہ کو آریہ ورت (آرجافرت) بھی کہتے ہیں، مالوہ کی قلمرو میں ناگر نامی خط رائج ہے یہ صرف شکل و صورت میں پہلے سے مختلف ہے۔

سدماترک اور ناگری کے میل سے ایک اور خط نکلا ہے جسے نصف ناگری (اردناگری) کہتے ہیں۔ بھاٹیا اور سندھ کے بعض حصوں میں یہ خط رائج ہے۔ سندھ کے جنوب میں ساحل کی طرف ملقشو علاقہ میں ملفاری رسم الخط استعمال ہوتا ہے، بمنہوا منصورہ (سندھ) کی سرزمین میں سیندب *Ilhaua* *nna* خط رائج ہے۔ کرناٹ دیش جہاں کے باشندے فوج میں کنڑ (کنڑہ) رجمنٹ کے نام سے مشہور ہیں کنڑی (کرنات) خط چلتا ہے، آندھرا (انتردیش) میں اندھری (انتری)

---

[1] قدیم ہندوستان کا ایک گیانی PRASARA۔ [2] ویاس مرتب وید و مہابھارت۔

وڑوڑ دیش (بدھ ور دیش) میں ڈراوڑی (دروری)، گجرات (لاردیش) میں لاری اور بنگال آسام (پورب دیش) میں گوری خط رائج ہے۔ پورب ہی کے اُودے پور (اُوڈپنوڑ بہار) کا رسم الخط بھیکشک (بیکشک) ہے۔ بدھ مذہب کے پیرو اسی خط میں لکھتے ہیں۔

ہندوؤں کے علوم جن سے مسلمانوں نے استفادہ کیا

یعقوبی:

فلسفہ اور غور و خوض ہندوؤں کا طرۂ امتیاز ہے، ہر حکمت اور دانائی میں وہ دوسری قوموں سے بازی لے گئے ہیں، فلکیات میں ان کی آراء سب سے زیادہ صحیح ہیں، اس موضوع پر سدھانتا (سندھند) ان کی کتاب ہے جس سے وہ سارے علوم مستنبط ہوتے ہیں جن سے یونانیوں اور فارسیوں نیز دوسری قوموں نے دلچسپی لی ہے۔ طب میں ان کی آراء کو فوقیت حاصل ہے، اس فن میں ان کی (اہم) تالیف سُشرت[2] (سسرد) ہے، اسمیں امراض کی علامتوں، علاج اور دواؤں کا ذکر ہے، دوسری کتاب کا نام چرک[3] (شرک) ہے، تیسری کا ندان[4] استھان (ندان) اسمیں چار سو چار بیماریوں کی علامتوں اور تشخیص کا ذکر ہے، چوتھی کتاب کا نام سدھستھان[5] (سندھشان) جس کے معنی ہیں تصویر کامیابی، چوتھی کا عنوان ہے۔ کتاب فیما اختلف فیہ الہند والروم من الحار والبارد وقوی الأدویۃ وتفصیل السنۃ (ہندوؤں اور یونانیوں کا گرم و سرد دواؤں، ان کے خواص اور سالانہ موسموں کے بارے میں اختلاف)

---

[1] تاریخ (بیروت) ۱/۹۴، ۸۴، ۸۶۔ [2] Susruta سے مولف کا نام ہے، اس کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی بتایا جاتا ہے۔

[3] یہ بھی مولف کا نام ہے، اس کا تعارف بیرونی کے قلم سے عنقریب قاری کی نظر سے گذریگا۔

[4] Nidhanasthana کیتھ نے لکھا ہے کہ اسمیں آٹھ خاص بیماریوں کا ذکر ہے۔ تاریخ سنسکرت لٹریچر ص ۵۰۶

[5] Siddhisthana ایک نسخہ بقول کیتھ (ص ۵۰۶) اس میں عام امراض کے علاج کا بیان ہے۔

پانچویں کا نام ہے۔ أسماء العقاقیر کلّ عقار بأسماء عشرة (طبی جڑی بوٹیوں کے دس دس نام)، اِن کے علاوہ بھی ہندوؤں کی طبی کتابیں ہیں، منطق اور فلسفہ پر ان کی بہت سی تالیفیں ہیں جن میں سے دو کے نام یہ ہیں: کتاب طوفا (ترکا)[1] فی علم حدود المنطق (منطق کے اصول وضوابط پر) اور کتاب ما تفاوت فیہ فلاسفۃ الھند والروم (ہندو اور یونانی فلسفیوں کے اختلافی مسائل)۔ ہندوؤں کی اور بہت سی کتابیں ہیں جن کی فہرست اتنی لمبی ہے کہ یہاں ذکر کرنے کا موقع نہیں۔

باخبر لوگ بتاتے ہیں کہ پہلا شخص جسے متفقہ طور پر ہندوؤں نے اپنا راجہ تسلیم کیا برھما[2] (برہمن) تھا اور یہ وہ راجہ ہے جس کے عہد میں پہلی بار[3] دنیا وجود میں آئی، یہ اولین ہندو ہے جس نے فلکیات کے احکام بیان کئے اور جس سے فلکیات کا علم حاصل کیا گیا ہے[4] جس نے فلکیات کی پہلی کتاب تصنیف کی جو (سورج) سدھانت[5] (سدھند) کے نام سے مشہور ہے، جس کے معنی ہیں زمانوں کا زمانہ (دھر الدھور)۔ آریہ بھٹیا[6] (ارجبہر) اور مجسطی[7] اسی کتاب کا مختصر ہے، بعد میں علمائے فلکیات نے آریہ بھٹ کو مختصر کرکے اہرگن[8] (ارکند) اور مجسطی کو مختصر کرکے کتاب بطلیموس تیار کی، پھر ان دونوں کو مختصر کرکے مزید کتابیں زیجیں[9] اور فلکی حساب پر تالیفیں

---

[1] Tarka - ہندو ورلڈ لندن، تالیف واکر (Walker) ۱/۶۰۴ و ۲/۱۴۲۔

[2] Brahma پدرِ اوّل "سارے علوم کا موجد"۔ [3] ہندوؤں کا ایک اسکول کلپ کا قائل ہے جس کے مطابق ہر چار ارب تیس کروڑ سال بعد دنیا فنا ہوتی رہتی ہے، پہلی بار مراد دنیا کی عمر کا پہلا دور ہے جس کا نام کرتا یوگ ہے اور جس کی مدت سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال بتائی گئی ہے۔

[4] مشہور ہے کہ پدرِ اوّل نے سورج سے فلکیات کا علم حاصل کیا تھا۔ [5] جنوبی ہند کے آریہ بھٹ (م ۴۹۹ء) کی تالیف۔ کیتھ ۵۲۱۔ [6] بطلیموس کی تالیف ہیئت پر۔ [8] Aharganas فلکیاتی حساب پر، تالیف برہگپت متوفی ۶۶۵ء، اس کتاب کا دوسرا نام کھنڈ کھانڈیکا بھی ہے۔

[7] بطلیموس کی صرف دو کتابیں مشہور ہیں، مجسطی اور جغرافیا، مجسطی کا ابھی ذکر ہو چکا ہے، کتاب بطلیموس کا اشارہ بظاہر جغرافیا کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ [9] زیج کا اطلاق ایسی کتاب پر ہوتا ہے جس میں افلاک اور ستاروں کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مرتب کی گئیں۔ برہما (برہمن) نے نو عدد (حروف) ایجاد کئے جن سے ہر قسم کا حساب نکالا جاتا ہے اور جس کی معرفت کا حق ادا کرنا امکان سے باہر ہے، یہ عدد ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸ اور ۹ ہیں، پہلے عدد سے سو، ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب اور ان سے بھی زیادہ اعداد بنتے ہیں، دو سے بیس، دو سو، دو ہزار، بیس ہزار، دو لاکھ، بیس لاکھ؛ اسی طرح ان اعداد سے حسابی رقمیں بنتی چلی جاتی ہیں.... کسی جگہ ان اعداد میں سے اگر کوئی نہ ہو تو وہاں صفر رکھدیا جاتا ہے، جو ایک چھوٹا سا دائرہ ہوتا ہے۔

ہندو کہتے ہیں کہ خدا نے برج حمل کی پہلی منزل میں تارے پیدا کئے اور یہ دنیا کی عمر کا پہلا دن تھا، پھر آنکھ کی جھپک سے کم وقت میں اس نے ان سیاروں کو متحرک کر دیا اور ہر سیارے کی رفتار مقرر کر دی یہاں تک کہ سارے سیارے سدھانت (سند ھند) کی مقرر کردہ مدت (چار ارب بتیس کروڑ سال) میں پھر اسی جگہ (برج حمل کی پہلی منزل میں) پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔ وہاں انہیں خدا اتنے عرصہ ٹھہراتا ہے جتنا وہ مناسب سمجھتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ دنیا کی عمر حسب تصریح سدھانت اس وقت سے شروع ہو کر جب تارے حرکت میں آنے کے بعد (ایک دورہ پورا کر کے) برج حمل کی پہلی منزل میں جمع ہو جاتے ہیں جیسا کہ اپنی تخلیق کے وقت تھے، چار ارب بتیس کروڑ سال ہوتی ہے۔

بیرونی:

ہندوؤں میں یونانیوں کی طرح ایسے (نقاد) عالم نہیں ہوئے جو علوم (فلکیات و نجوم) کو ناقص عناصر سے پاک کر کے پیش کرتے، اس لئے ہندوؤں کا کوئی کلام بھی مشکل سے ایسا ملے گا جس میں انتہائی درجہ کا خلل اور بد نظمی نہ پائی جاتی ہو اور جس کے آخر میں عوام کے خرافات کی آمیزش نہ ہو جیسے بڑے بڑے اعداد، لمبی لمبی مدتیں اور ایسی مذہبی باتوں کا ذکر جن کی مخالفت (وہ نقد) مذہبی لوگ ناپسند کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں پر تقلید چھا گئی اور انہی خامیوں کے پیش نظر

---

[۱] کتاب الہند ص۳۰۲-۷۲۔

میں ان کے حساب اور فلکیات کی کتابوں کا جو خاص طور پر میری دلچسپی کا مرجع ہیں ٹھیکری ملی ہوئی سیپی، گوبر میں لپٹے ہوئے موتی اور کنکریوں میں ملے ہوئے آبگینوں سے تشبیہ دیتا ہوں۔

ہندوؤں کا سب سے زیادہ مقبول اور چلتا ہوا علم نجوم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نجوم کا ان کے مذہبی معاملات سے (خاص) تعلق ہے۔ جو ہندو نجوم کے احکام وضوابط سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتا وہ چاہے حساب کا عالم ہو اُسے منجم نہیں کہا جاتا۔ وہ نجومی حساب۔ جو مسلمان منجموں میں سندھند کے نام سے مشہور ہے اس کا صحیح نام سِدھانت (سدھاند) ہے، یعنی سیدھا علم جس میں کوئی کھونٹ نہ ہو اور کوئی تبدیلی قبول نہ کرے۔ سِدھانت (سدھاند) کا اطلاق ہندو اعلیٰ درجہ کے نجومی حساب پر کرتے ہیں گو کہ اس کا پایہ ہماری زیجوں[1] کے اعلےٰ حساب سے فروتر ہے۔ سدھانت (سدھاند) تعداد میں پانچ ہیں: سورج سدھانت جسے لاٹدیو (لاٹ) نے مرتب کیا تھا۔ (۲) وَسشتھ (بسشت) سدھانت، یہ بنات النعش کے ایک ستارے کی طرف منسوب ہے، اس کا مؤلف وشنوچندر (بشجندر) تھا۔ (۳) پُلِش سدھانت، یہ پَولِس یونانی کی طرف منسوب ہے جو سینتر کا باشندہ تھا اور جس نے اسے مرتب کیا تھا، میرے خیال میں سینتر سے اسکندریہ (مصر) مراد ہے۔ (۴) رومک سدھانت، یہ رومیوں کی طرف منسوب ہے، اسے شری سین (اِشریخین) نے تالیف کیا تھا۔ (۵) برہما (براہم) سدھانت، اس کا مؤلف برہمگپت بن جشنو (جشن) بھلمال (جنوبی راجستھان) کا باشندہ تھا۔

برہما سدھانت کے اہم ابواب

(۱) کُرۂ زمین کے حالات اور زمین و آسمان کی ہیئت (۲) تاروں کی دَوری گردش مختلف طول البلد اور عرض البلد کے اوقات معلوم کرنیکا طریقہ، تاروں کے اوساط زمین کے

---

[1] ایسی کتاب جس میں افلاک اور ستاروں کی حرکت نیز ادوار کی حسابی تفصیل ہو۔ [2] شاگرد آریہ بھٹ متوفی لگ بھگ ۵۵۰ء ... ۹۲۰ ... ۶۲۵ ... گپتہ ۵۲...

گرد واوسط رفتار) اور قوسوں کے جیوب معلوم کرنا۔ (۳) رویت ہلال۔ (۴) چاند گرہن۔ (۵) سورج گرہن۔ (۶) نجومی کتابوں اور زیچوں کی تنقید اور ان کے اغلاط کی پرکھ۔ (۷) تاروں کے اوساط (زمین کے گرد اوسط رفتار) کی تحقیق۔ (۸) تاروں کے (برج حمل میں) جمع ہونے کا بیان۔ (۹) تقویم کواکب (سالانہ حرکت کے حساب) کی تحقیق۔ (۱۰) سایہ سے متعلق مسائل۔ (۱۱) شعر کے اوزان اور عروض۔

نجومی ضوابط سے متعلق مان دیو (ماندب)، پراشر، گرگ، براہم، بلبھدر، دِویا تتو (دیباتت) اور وراہمہیرا[1] (براہمہر) میں سے ہر ایک نے سنگھت[2] (سنگھٹ) کے زیر عنوان ایک ایک کتاب لکھی ہے سنگھت ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں ہر مضمون پر تھوڑی تھوڑی معلومات ہوتی ہے مثلاً جوی حالات اور تقلبات۔

فراست ید، تعبیر خواب اور زجر۔ ہندو عالم زجر کے قائل ہیں.... ان کے علاوہ پرسار (پراشر)، ستیا (ست)، منتھا (منت)، جیواسرمن (جے بشرم) اور مو یونانی میں سے ہر ایک نے زائچوں (جاتک) کے موضوع پر ایک ایک کتاب لکھی ہے اور وراہمہیرا (براہمہر) نے دو جن میں سے ایک بڑی ہے۔ بڑی کی بلبھدر نے شرح کی ہے اور میں نے چھوٹی کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ زائچوں کے موضوع پر ہندوؤں کی ایک بڑی کتاب شاراولی (ساراول) ہے جسے کلیان ورمن (کلان برم) نے جو ایک فاضل ہندو عالم تھا، مرتب کیا تھا، شاراولی (ساراول) سے بھی بڑی کتاب یَوَن (جبن) ہے، اس میں زائچوں سے متعلق پیدائشی حساب کتاب کے احکام وضوابط لکھے گئے ہیں، شگون، فال اور اسی طرح کے موضوعات پر ہندوؤں کی ایک کتاب شرودَیس (سرودو) ہے، اس کے تین نسخے ہیں، ایک مہادیو کی طرف، دوسرا وِملابدھی (بملبد) اور تیسرا منگال (بنگال) کی طرف منسوب ہے۔ علم غیب پر چودامنی (چورامن) نامی ایک کتاب ہے جسے بدھ مذہب کے

---

[1] ماہر فلکیات وریاضی متوفی ۵۸۷ء۔

[2] Samhita، مجموعہ کے معنی میں آتا ہے۔

سرخ پوش پیروؤں کے زعیم بدھ (بدھ) نے وضع کیا تھا، اسی موضوع پر ایک دوسری تالیف پرشن چودامنی (پرشن چورامن) ہے اُتپل (اوپل) کشمیری کی لکھی ہوئی۔ طب میں ہندوؤں کی ایک کتاب اس کے مولف کے نام پر چرک کہلاتی ہے، ان کی نظر میں یہ کتاب ان کی ہر طبی تالیف سے افضل ہے، ان کی رائے ہے کہ دوسرے جگ کے اواخر میں اگنی ولیش (اگن بیش) ایک رشی تھا اور جب اس نے رشیوں سے جو سُوتری (سوتر) کی اولاد میں سے تھے، طب حاصل کیا تو اس کا نام چرک یعنی عاقل پڑ گیا۔ ان رشیوں نے علاج کے طریقے اور فن اِندر سے سیکھا تھا اور اِندر نے اَشوِنی سے جو دیو کے دو طبیبوں میں سے ایک تھا، اَشوِنی کا استاد پدرِ اول پرجاپتی یا بَرہما (براہم) تھا۔

ہندوؤں کے اور بہت سے علوم و فنون ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں کتابیں کہ ان کا شمار مشکل ہے لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں، میری خواہش ہے کہ کتاب پنچ تنتر کا عربی میں ترجمہ کردوں جو ہمارے ہاں کلیلہ و دمنہ کے نام سے مشہور ہے، اس کتاب کا فارسی و سنسکرت پھر عربی و فارسی میں ترجمہ ایسے لوگوں نے کیا ہے جن کے بارے میں اطمینان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے متن میں رد و بدل نہیں کیا ہوگا جیسے عبداللہ بن مُقفّع جس نے کتاب کے متن میں ایک فصل باب بَرزَویہ کے نام سے بڑھا دی ہے۔ میں عربی میں دو (سنسکرت کی) کتابوں کا ترجمہ کر چکا ہوں ایک مبادی عالم اور صفات موجودات کے بارے میں ہے اور اس کا نام سامکھیا[1] (سانک) ہے دوسری روح کے جسمانی قید سے نجات کے طریقوں سے متعلق ہے اور اس کا نام پتنجلی[2] (پاتنجل) ہے۔

قاضی صاعد اندلسی[3]:

ہمارے ملک سے ہندوؤں کی دوری نیز ہمارے اور ان کے درمیان بہت سے ملکوں کے حائل ہونے کے باعث ہمارے پاس ان کی بہت کم تصنیفات ہیں، ان کے علم کا کچھ حصہ اور ان کے معدودے

۱۔ Samikhya کپل حکیم کی تالیف۔ ۲۔ مولف کا نام پتنجلی ہے، پتنجلی دوسری صدی قبل مسیح تالیف کا نام یوگا سُتر (Yogasutra) ہے۔ ۳۔ طبقات الامم صفحہ ۱۶-۱۷۔

چند مذاہب کے حالات ہی ہم تک پہنچے ہیں، اسی طرح ہم ان کے زیادہ عالموں سے بھی واقف نہیں ہیں۔ فلکیات میں ہندوؤں کے تین اسکول مشہور ہیں: سدھانت (سندھند) آریہ بھٹ (ارجبہر) اور اہرگن (ارکند)، ان میں سے صرف سدھانت اسکول جس کے اصول و احکام کا مسلمانوں نے باقاعدہ مطالعہ کیا ہے ہم تک پہنچا ہے۔ یہی وہ اسکول ہے جسے مسلمان نجومیوں کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے اور اس کے مطابق زیجیں تیار کی ہیں جیسے محمد بن ابراہیم فزاری، حَبَش بن عبداللہ بغدادی، محمد بن موسیٰ خوارزمی اور حسین بن محمد معروف بہ ابن آدمی۔ سدھانت (سندھند) کے معنی ہیں زمانوں کا زمانہ (دھر الدھور) ابن آدمی نے اس لفظ کی یہی شرح کی ہے۔

سدھانت اسکول کی رائے ہے کہ ساتوں تارے مع اپنے اَوجات[1] و جوزہرات[2] کے ہر چار ارب بتیس کروڑ سال میں برج حمل میں جمع ہو جاتے ہیں، یہ عرصہ دنیا کی عمر (مدتِ عالم) کہلاتی ہے۔ اس اسکول کا دعویٰ ہے کہ تارے، ان کے اوجات اور جوزہرات جب برج حمل میں جمع ہو جاتے ہیں تو زمین کی ہر چیز برباد ہو جاتی ہے اور یہ بربادی بہت عرصہ تک رہتی ہے، پھر جب یہ تارے، ان کے اَوجات اور جوزہرات برج حمل سے نکل جاتے ہیں تو زمین پر چیزیں از سرِ نو پیدا ہونے لگتی ہیں اور دنیا پہلے کی طرح آباد ہو جاتی ہے۔ اس اسکول کی رائے میں بربادی و آبادی کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ ہر سیارہ اس کا اوج اور جوزہر اس مدت میں جسے سدھانت اسکول دنیا کی عمر (مدۃ العالم) کہتا ہے دورے کرتا رہتا ہے جن کا میں نے اپنی کتاب اصلاح حرکات النجوم میں ذکر کیا ہے۔ آریہ بھٹ (ارجبہر) اسکول سدھانت اسکول سے متفق ہے لیکن اس کے مطابق دنیا کی عمر (مدۃ العالم) جس کے (بعد) تارے، ان کے اوجات اور جوزہرات برج حمل میں جمع ہوتے ہیں، سدھانت اسکول کی مجوزہ مدت کے ہزارویں حصہ کا ایک جزو ہے۔ ہندوؤں کی رائے میں آریہ بھٹ اسکول کا یہی مفہوم ہے۔ آرکند (اہرگن) اسکول مذکورہ دونوں اسکولوں

---

[1] نجومی اصطلاح میں سیارہ کا اپنے مدار پر زمین سے دور ترین نقطہ اوج کہلاتا ہے۔

[2] نجومی اصطلاح میں جوزہر وہ دو نقطے ہیں جہاں سیارے اور سورج کے مدار ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔

سے حرکات کواکب اور دنیا کی عمر کے معاملہ میں مختلف الرائے ہے لیکن اس کے اختلاف کی کیفیت اور تفصیل سے میں ناواقف ہوں۔

موسیقی پر ہندوؤں کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک کا نام سنگیت رتناکر[1] (نافر[2]) ہے جس کے معنی ہیں ثمار دانش۔ اس میں راگوں کے اصول اور نغموں کی ترتیب کے ضابطے بیان کئے گئے ہیں۔ اصلاحِ اخلاق اور تربیتِ نفس سے متعلق ہندوؤں کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک کا نام کلیلہ و دمنہ ہے۔ فارسی طبیب برزویہ یہ کتاب نوشیرواں بن قباد بن فیروز کے لئے ہندوستان سے لایا تھا اور اس کے لئے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا۔ اسلامی دور میں عبداللہ بن مقفع نے اسے عربی کا جامہ پہنایا، یہ بڑی مفید اور اعلیٰ مقصد کتاب ہے۔ ہندوؤں کے ان علوم میں سے جن کی ہم تک رسائی ہوئی ہے ایک عددی حساب کا علم ہے جسے حسابِ غبار[3] کہتے ہیں اور جس کی وضاحت ابوجعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کی ہے، یہ بڑا ہی مختصر، کارآمد، پرسہولت اور انوکھا حساب ہے اور ہندوؤں کی تیز دماغی اور حسنِ اختراع کا شاہد ہے۔ ہیئت عالم، ترکیبِ افلاکِ اور حرکاتِ نجوم کے ان ہندو عالموں میں جن سے ہم واقف ہیں ایک کنکہ ہے جس کے بارے میں ابومعشر جعفر بن عمر بلخی نے کتاب الالوف میں لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں وہ سارے علمائے فلکیات سے بازی لے گیا تھا۔ کنکہ کے اس سے زیادہ نہ تو حالات ہمیں معلوم ہیں نہ اسکے زمانے کا تعین کرنا ہمارے لئے ممکن ہے۔

کلیلہ و دمنہ

ہندوؤں کا ایک راجہ تھا دیواشرمن (دبشلم[4]) جس کے زمانہ میں (مشہور کتاب)

---

[1] Sangitratnakara، کینہ ص۴۲۶۔ [2] قفطی میں (تاریخ الحکماء ص۲۶۶) بیافر طبع ہوا ہے۔

[3] یعنی جو الفاظ کی بجائے ہندسوں میں لکھا جاتا تھا جنہیں زمین پر لکھ کر ہندو بڑے سے بڑا حساب نکال لیا کرتے تھے۔

[4] قاضی صاعد کی مذکورہ بالا ساری عبارت قفطی کی تاریخ الحکماء میں بلا اعتراف ماخذ منقول ہے۔

[5] Dawasaaman میکڈانل جرنل رائل سوسائٹی، انگلستان سنہ ۱۸۹۸ء، ص۱۱۸۔

کلیلہ[1] ودمنہ لکھی گئی۔ اس کا مؤلف وِدیاپتی (بیدپا) ایک ہندو (برہمن) دانشمند تھا۔ اس کتاب میں اس نے رمزیہ کرداروں کے ذریعہ ایسی باتیں بیان کی ہیں جن سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے اور جنہیں سمجھ کر عقلمند سنور سکتے ہیں۔ کتاب کی پہلی فصل بادشاہ کے بارے میں ہے جس کے مشیروں اور مقربوں کے خلاف لوگ چغلی کھاتے ہیں، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ کو چغلی کی تحقیق کرلینا چاہیئے اور چغلخوروں[2] کی باتوں پر دھیان دیکر مشیروں اور مقربوں کے خلاف جلدبازی میں کارروائی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس فصل کا عنوان ہے۔ باب الأسد والثور (شیر اور بیل) دوسری فصل معاملات کی چھان بین اور ان کے انجام کے بارے میں ہے، اسمیں بتایا گیا ہے کہ ظلم کرنے، کاموں میں اندھا دھند گھس پڑنے اور دھوکہ دینے کا انجام برا ہوتا ہے۔ اس فصل کا عنوان ہے۔ باب الفحص عن خبر دمنتا (دمنہ سے متعلق خبر کی تحقیق) تیسری فصل دشمنوں، ان سے بچاؤ اور بچاؤ کی تدبیروں نیز ایسی باتوں کے بارے میں ہے جن سے عداوت پیدا ہوتی ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ موقع حاصل ہوتے ہی دشمنوں کی سرکوبی کردینی چاہیئے اور جب تک موقع نہ ملے اور ان سے انتقام لینا ممکن نہ ہو اس وقت تک ان کے سامنے سر جھکائے رہنا چاہیئے فصل کا عنوان ہے، باب البوم والغربان (الّو اور کوّے) چوتھی فصل میں بتایا گیا ہے کہ مشورہ کے لیے صرف باخبر لوگوں، تعاون کے لئے دیانتدار وباشعور اور نازک معاملات میں صرف ہوشمندوں سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اس کا عنوان ہے۔ باب بلاذ۔ پانچویں فصل نیکی اور بھلائی کے بارے میں ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ کس قسم کے آدمی کے ساتھ بھلائی کرنا چاہیئے نیز یہ کہ غیر مستحق کے ساتھ بھلائی کی جائے تو وہ ضائع ہوجاتی ہے اور مستحق کے ساتھ بھلائی بارآور ثابت ہوتی ہے، اس فصل کا عنوان ہے۔ السُلحفاة والبَبر والقِرد والنَجّار (کچھوا، ببّر، بندر اور بڑھئی)، چھٹی فصل میں بتایا گیا ہے کہ کامیابی کا موقع جب مل جائے تو اسے

---

[1] ... السماۃ کی تحریف ہے۔

ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور جب کامیابی حاصل ہو جائے تو اس کے تحفظ کی طرف سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے، باب کا عنوان ہے۔ باب القرد والغیلم (بندر اور کچھوا)۔ ساتویں فصل میں بتایا گیا ہے کہ بلند مرتبہ اور صاحبِ اقتدار لوگوں کے پاسِ خاطر سے ان کی ہمدردی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی تالیف قلب کر کے آدمی ان کی ایذا رسانی سے محفوظ رہ سکتا ہے، اس فصل کا عنوان ہے۔ باب السِنّور والجُرذ (بلی اور چوہا)۔ آٹھویں فصل میں بتایا گیا ہے کہ بادشاہ کیلئے ضروری ہے کہ اپنے افسروں، عزیزوں اور مقربوں سے اچھی طرح باخبر رہے، ان میں سے کسی کے ساتھ اس کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو اسے دور کر دے دیانتدار اور مخلص لوگوں سے اپنے کاموں میں مدد لے، اپنے افسروں اور مقربین کے اعمال کی چھان بین کرے، نیکوکاروں کو انعام دے اور مجرموں کو سزا، فصل کا عنوان ہے۔ باب الأسد وابن آوی (شیر اور لومڑی)، نویں فصل دوستوں اور مخلص خیر خواہوں کے بارے میں ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ مصیبت اور عافیت دونوں میں ان کی دوستی بہت کام آتی ہے، اس کا عنوان ہے۔ باب الحمامۃ المطوقۃ (فاختہ)۔ دسویں فصل کا عنوان ہے۔ باب اللبوۃ والاسوار (شیرنی اور سوار)، اس میں بتایا گیا ہے کہ اپنی ذات کو تکلیف دیکر عوام کو فائدہ پہنچانا چاہیئے اور اپنے ہر کام کے انجام پر خوب غور و فکر کر لینا چاہیئے۔

ابن الندیم[1]:

کلیلہ و دمنہ کی تالیف کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ ایک رائے ہے کہ ہندوستان میں لکھی گئی جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں تصریح کی گئی ہے، دوسرا قول ہے کہ اشکانی[2] بادشاہ (اشکانیہ) اس کے مؤلف تھے لیکن ہندو اس کی تصنیف کے دعویدار بن گئے

---

[1] فہرست ص۳۰۴ و ۴۲۴ھ ۔ [2] سکندر کے حملہ کے بعد عراق و مغربی فارس کا ایک حکمران خاندان جس کی تاسیس اشک بن اشکان نے کی تھی۔ آثار الباقیہ بیرونی ص ۱۱۲-۱۱۳ ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسے فارسیوں نے لکھا تھا اور ہندوؤں نے اپنا لیا، ایک قول ہے کہ مشہور فارسی وزیر، بُزرجمہر اس کا مؤلف تھا۔ کلیلہ و دِمنہ سترہ فصلوں میں ہے، بعض لوگ اٹھارہ فصلیں بتاتے ہیں۔ عبداللہ بن مُقفّع اور دوسرے ادیبوں نے اس کی شرح کی ہے، متعدد شاعروں نے اسے نظم بھی کیا ہے جیسے (برمکی شاعر) اَبان بن عبدالحمید لاحقی، علی بن داؤد (سکریٹری زبیدہ زوجہ ہارون الرشید) اور بِشر بن مُعتمد۔ میں نے بعض نسخوں میں دو مزید فصلوں کا اضافہ دیکھا ہے فارسی شاعروں نے اسے فارسی میں نظم کیا ہے اور فارسی ادیبوں نے اسے نثر کا جامہ پہنایا ہے۔[1]

حاجی خلیفہ:

یہ کتاب اصلاح اخلاق اور تہذیب نفس کے موضوع پر ہے، اسے وِدیاپتی (بیدبا) ہندو فلسفی نے راجہ دابشلیم[2] کے لئے تصنیف کیا تھا۔ دابشلیم کو کتاب اتنی پسند آئی کہ اس نے وِدیاپتی (بیدبا) کو تاج پہنایا اور اپنا وزیر بنا لیا۔ اس کتاب کے کردار چوپائے اور پرند ہیں......

اہلِ خرد کی ایک جماعت نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں جو نادر قصّوں اور انوکھے واقعات پر مشتمل ہیں لیکن اس مضمون پر سب سے پہلے جس نے قلم اٹھایا وہ کِلیلہ و دِمنہ کا ہی مصنف تھا۔ بعد میں جن جن ادیبوں نے نادر قصّے اور کہانیاں قلم بند کیں ان سب نے اسی کی کرنوں سے روشنی مستعار لی ہے۔ کتاب میں یہ چودہ باب ہیں: (۱) چغلخور کی باتوں سے ضرورتِ اجتناب۔ (۲) شرپسندوں کا برا انجام۔ (۳) مخلص دوستوں کے فوائد۔ (۴) دشمن کی چالوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ (۵) غفلت اور بے توجہی کا نقصان۔ (۶) حیلہ بازی کی مصیبت۔ (۷) معاملہ فہمی اور خوش تدبیری۔ (۸) کینہ پروروں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ (۹) عفو اور درگذر۔ (۱۰) جزا و سزا۔ (۱۱) ضرورت سے زیادہ کی ہوس کا نقصان۔ (۱۲) علم اور وقار۔ (۱۳) بادشاہ کو خائنوں اور غداروں کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہیئے۔ (۱۴) تسلیم و توکل۔

جب نوشیراں (م ۵۷۹ء) کو کلیلہ و دمنہ کی تصنیف کا علم ہوا اور اسے حاصل کرنے کی

---

[1] کشف الظنون، مصر، ۲/۳۲۹۔ [2] تعریب دیواشرمن۔ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی انگلستان ۱۸۹۵ء، ص ۱۲۸

دل میں خواہش پیدا ہوئی تو اس نے بَرزُویَہ نامی طبیب کو ہندوستان بھیج کر یہ کتاب منگوائی۔
کہا جاتا ہے کہ بَرزُویہ کو ہندوستان بھیجتے وقت نوشیرواں نے اسے پچاس تھیلیاں عطا کی تھیں جن میں دس دس ہزار دینار (پچاس پچاس ہزار روپے) تھے۔ جب بَرزُویہ کَلیلہ و دِمنہ نقل کر کے اور شطرنج[1] لے کر ہندوستان سے لوٹا تو اس نے نوشیرواں کے لئے اس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا۔
اسلامی دور میں عبداللہ بن مُقَفّع (م ۱۴۲ھ/۷۵۹ء) نے جو منصور عباسی کا منشی تھا اس کتاب کو عربی کا جامہ پہنایا۔ کچھ دن بعد فارسی ہی سے عبداللہ بن ہلال اہوازی نے ۱۶۵ھ/۷۸۱ء میں جب مہدی خلیفہ تھا برمکی وزیر یحییٰ بن خالد کے لئے اس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، پھر سہل بن نوبخت نے اسی یحییٰ بن خالد وزیر مہدی و رشید کے لئے اسے نثر سے عربی نظم میں منتقل کیا، یحیی نے سہل کو پانچ ہزار روپے انعام دئے۔ اسپین کے تاجدار ناصر اُموی[2] دانشور آدمی تھا، اسے کَلیلہ و دِمنہ کے منظوم ہونے کا علم ہوا تو اس نے یحییٰ سے خط و کتابت کی اور اسے تحفے اور خاص قسم کے عجیب و غریب ظروف اور ہندسی آلات بھیجے[3] یحیی نے ناصر کو یہ کتاب بھیج دی.... عہدِ سامانی میں ابوالحسن نصر بن احمد سامانی (م ۳۳۱ھ/۹۴۳ء) کے حکم سے ایک عالم نے کَلیلہ و دِمنہ کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور اُس کے شاعر رودکی حسن نے یہ ترجمہ فارسی میں نظم کر دیا، بعد میں ابو مظفر بہرام شاہ بن مسعود غزنوی (م ۵۴۸ھ/۱۱۵۲ء) کے حکم سے ابو المعالی نصر اللہ بن محمد بن عبد الحمید (شیرازی) نے ابن مُقَفّع کے عربی ترجمہ کو فارسی کا جامہ پہنایا (۱۱۴۴ء) اور یہی ترجمہ آج کَلیلہ و دِمنہ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن غیر مانوس اور بھاری بھر کم الفاظ کے باعث اس کا حجم بڑھ گیا ہے۔ ایک مدت بعد مولی حسین بن علی واعظ کاشفی (م ۹۱۰ھ/۱۵۰۵ء) نے امیر سُہیلی کے لئے جو بیقرا کے امیروں میں سے تھا، اس ترجمہ کو

---

[1] متن میں الشطرنج الشام طبع ہوا ہے، الشام کے کوئی مناسب معنی یہاں نہیں لگتے۔ ہمارے خیال میں مصحف ہے۔

[2] بظاہر عبدالرحمن اسپین کا پہلا اموی سلطان (م ۱۷۱ھ/۷۸۸ء) مراد ہے جس کا لقب الداخل تھا۔ [3] متن کے وضہ وب من الخواص الروحانیہ سے ہمارے خیال میں الآلات الروحانیہ مراد ہیں جن کا اطلاق خاص قسم کے ظروف اور ہندسی آلات پر ہوتا ہے۔ دیکھو کشف الظنون ۱/ ۱۳۷۔

مختصر اور نقائص سے پاک کر کے اس کا نام انوارِ سہیلی رکھا۔ اس کے بعد مولیٰ علی بن صالح رومی ملقب بعبد الواسع جیبی متوفی ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء نے انوارِ سہیلی کا شگفتہ ترکی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ہمایوں نامہ رکھا۔

ہندو طب کی کتابیں جن کا عربی میں ترجمہ ہوا

ابن الندیم[1]:

کتاب سُسرت[2] (سسرد) دس فصلوں میں۔ یحیٰی بن خالد برمکی (م ۸۰۵ء) کے حکم سے منکہ ہندی نے جو برمکی ہسپتال کا ایک معالج تھا، اس کا ترجمہ کیا تھا۔ سُسرت کا شمار طب کی بنیادی کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ (۲) کتاب اشتانگھر[3] (رستانگر مبسوط) ابن دھن (؟) نے اس کی شرح کی۔ (۳) کتاب چرک (سیرک) عبداللہ بن علی نے فارسی سے عربی میں اس کی شرح لکھی، پہلے اس کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ (۴) کتاب سِدھستھان (سندستاق) بمعنی تصویر کامیابی، ابن دھن نے جو برمکی ہسپتال کا انچارج تھا (عربی میں) اس کی شرح کی۔ (۵) کتاب مختصر فی العقاقیر (طبی جڑی بوٹیوں کے بارے میں)۔ (۶) کتاب علاجات الحُبالیٰ (حاملہ عورتوں کا علاج)، (۷) کتاب توقشتل[4] (؟)، سو امراض اور ان کے سو علاج۔ (۸) کتاب روسا[5] فی علاجات النساء (ہندو طبیبہ روسا کی تالیف عورتوں کے علاج سے متعلق)۔ (۹) کتاب السُّکر[6] (نشہ کے بارے میں)۔ (۱۰) کتاب أسماء عقاقیر الہند (ہندی جڑی بوٹیوں کے نام)۔ منکہ ہندی نے (عباسی رئیس) اسحاق بن سلیمان (بن علی ہاشمی) کیلئے اس کی شرح کی۔ (۱۱) کتاب رائے فی أجناس الحیّات و سُمومہا (طبیب رائے کی تالیف سانپوں کی اقسام اور زہروں سے متعلق)۔ (۱۲) کتاب التوہم فی الأمراض والعِلَل (مرض گھٹانے بڑھانے اور پیدا کرنے میں وہم کی تاثیر)، تالیف توقشتل (؟)

---

[1] فہرست ص ۴۲۱، ۴۴۰۔ [2] Susruta چوتھی صدی عیسوی کا مولف۔

[3] Astangahrdaya تالیف واگابھٹ، ساتویں صدی عیسوی۔ تاریخ سنسکرت لٹریچر، وردھاچاری ۱۹۵۲ء ص ۲۱۱۔ [4] کشف الظنون ۲/۳۰۵۔ توقشتل شاید نسکل Nakula کی تعریب، وردھاچاری نے اپنی تاریخ سنسکرت لٹریچر ص ۲۱۲ میں لکھا ہے کہ اس نے گھوڑوں کے علاج پر ایک رسالہ مرتب کیا تھا۔ [5] کشف الظنون ۲/۱۴۸ ... [6] ... کیمیا پر تالیف نگار جونا گیتہ ص ۵۱۱۔

(۱۳) کتاب السموات (زہروں کے بارےمیں)۔ (۱۴) کتاب أجناس الحیّات تالیف (ننگل) ناقل (سانپوں کے اقسام)۔ (۱۵) کتاب النموذار (؟) فی الأعمار (عمر کے بارے میں) تالیف کنکہ۔ (۱۶) کتاب فی الطب تالیف کنکہ، طب کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ (۱۷) کتاب فی التوہم تالیف کنکہ (۱۸) کتاب بِدھانسنفان[1] (بدان) فی علامات أربعمئة وأربعة داء ومعرفتها بغیر علاج (چارسو چالیس بیماریوں کی علامتیں اور تشخیص)۔ (۱۹) کتاب فیما اختلف فیه الهند و الروم فی الحار والبارد وقوی الأدویة وتفصیل السّنَة (ہندی اور یونانی اطبار کا گرم وسرد دواؤں نیز ان کے خواص وقوت اور موسموں کے بارے میں اختلاف) (۲۰) کتاب تفسیر أسماء العقاقیر بأسماء عشرة (ہر طبی جڑی بوٹی کے دس دس نام)، (۲۱) کتاب الشموم (زہر ونکے بارےمیں) تالیف چانک (شاناق) پانچ فصلوں میں منکہ ہندی نے جو فارسی ترجمہ پر مامور تھا اس کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا اور ابو حاتم بلخی نے یحیی بن خالد برمکی کیلئے (عربی میں) اس کی شرح کی۔ (۲۲) کتاب البَیطرة (جانوروں کا علاج) تالیف چانک (شاناق)۔ (۲۳) کتاب أطری[2] فی الأشربة (اطری کی کتاب اشیائے نوشیدنی کے بارے میں)۔ حاجی خلیفه[3]: رسالة فی تسکین الأهطلم[4] (بڑھی ہوئی بھوک کم کرنے کے علاج) تالیف خطم (؟)

فلکیات سے متعلق تراجم

ابن النّدیم[5]:

(۱) کتاب أسرار المواليد (زائچوں کے بھید) تالیف کنکہ۔ (۲) کتاب قرانات[6] الکبیر

---

[1] بقول کیتھ (ص۵۰۶) یہ کتاب آٹھ خاص امراض اور ان کے علاج پر مشتمل تھی۔ [2] Atreya (طبیب)، داکر ۹۸/۱ - [3] کشف الظنون ۸۸۲/۱ - [4] خطم یا مُطم ایسا شخص جس کی بھوک دور نہ ہوتی ہو۔ [5] فہرست ص۳۷۸ -

[6] اصطلاح نجوم میں سبعہ سیارہ میں سے دو یا زیادہ کا کسی ایک برج میں جمع ہونا قران کہلاتا ہے، قران کی کتاب میں دو یا زیادہ سیاروں کے اجتماع اور دنیا پر اس کے تباہ کن اثرات کا ذکر ہوتا ہے۔

(قرانات کی بڑی کتاب) تالیف کنکہ۔ (۳) کتاب القرانات الصغیر (قرانات کی چھوٹی کتاب) تالیف کنکہ۔ (۴) کتاب فی أحداث العالم والدور فی القران (سبعہ سیارہ کے برجوں میں یکجا ہونے سے دنیا میں جو حادثے آتے ہیں) تالیف کنکہ۔ (۵) کتاب أسرار المسائل (مسائل کے بھید) تالیف سرنکھل (صنجهل)۔ (۶) کتاب المواليد (زائچوں پر) تالیف گودر (جوذر)۔ (۷) کتاب مواليد الكبير، تالیف نہق (؟)۔ ابن ابی اُصَیبِعہ[1]۔ (۸) کتاب فی علوم النجوم، تالیف چانک (شاناق)۔ (۹) کتاب المواليد الكبير (زائچوں کی بڑی کتاب) تالیف سرنکھل (صنجهل)۔ حاجی خلیفہ[2]: (۱۰) کتاب منازل القمر تالیف کنکہ۔ (۱۱) کتاب الاختیارات (نجوم کی رو سے مبارک اور منحوس اوقات) تالیف کنکہ۔

متفرق موضوعات پر سنسکرت کی کتابوں کے عربی تراجم

ابن الندیم[3]:

کتاب سندباد الکبیر (ہندو دانشمند سندباد حکیم کی بڑی کتاب)۔ (۲) کتاب سندباد الصغیر۔ (۳) کتاب البد۔ (۴) کتاب بوذاسف[4] (بویاسف) وبرودھیستر (بلوہر)۔ (۵) کتاب بوداسف (بویاسف)۔ (۶) کتاب الھند والصین۔ (۷) کتاب ھابل فی الحکمۃ (عقل و دانش کے موضوع پر)۔ (۸) کتاب الھند فی ھبوط آدم (آدم کے آسمان سے اترنے کا قصہ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق)۔ (۹) کتاب طرق (؟) (۱۰) کتاب دبك (؟) فی الرجل والمرأۃ۔ (ذبک کی کتاب مرد اور عورت کے بارے میں) (۱۱) کتاب حدود المنطق (منطق کے اصول و قواعد) (۱۲) کتاب ساديرم (؟)۔ (۱۳) کتاب ملك الهند

---

[1] عیون الانباء ۲/۳۳، ۳۲۔ کشف الظنون ۲/۳۰۴ میں کتاب کا نام کتاب النجوم والاسرار بالی درج ہے۔ [2] کشف الظنون ۱/۶۵ و ۲/۳۰۲۔ [3] فہرست ص ۴۲۴، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۰۔ [4] بودھی ستو Bodhisattava کی تعریب، مراد مہاتما بدھ۔ میکڈانل ص ۴۲۳۔ [5] مہاتما بدھ کا شاگرد۔

القتال والسّباح (ہندوستانی قاتل اور تیراک راجہ)۔ (۱۴) کتاب فی التدبیر تالیف چانک (شاناق)۔ (۵) کتاب بیدبا فی الحکمۃ (وِدّیاپتی برہمن کی کتاب) عقل و دانش کے موضوع پر۔ (۱۶) کتاب خطوط الکف والنّظر فی الید (پامسٹری)۔ (۱۷) کتاب باجہر(؟) فی فرنِدات السیوف ونعتہا وصفاتہا ورسومہا وعلاماتہا (تلواروں کے جوہر، ان کی صفات اور نقش و نگار کے بارے میں، باجہر کی تالیف ہے)۔ (۱۸) کتاب شاناق فی تدبیر الحرب وماینبغی للملک أن یتخذ من الرجال وفی أمر الأساورۃ والطعام والسم (چانک کی کتاب تدبیر جنگ، غذا، زہر، گھوڑا فوج نیز اس موضوع پر کہ راجہ کو کس قسم کے لوگوں کو اپنا معتمد بنانا چاہیئے)۔ (۱۹) کتاب الھند بین الجوادِ والبخیلِ والاحتجاج بینہما وقضاء ملک الھند فی ذلک (ایک فیاض اور ایک بخیل کا مناظرہ اور راجہ کا ان کے درمیان فیصلہ) (۲۰) توہّم ونیرنجات[۱] پرسہ (؟) کی تالیف۔ (۲۱) کتاب فی الآداب، تالیف چانک (شاناق) پانچ فصلوں میں۔

حاجی خلیفہ[۲]:

(۲۲) کتاب المنانی (بھوتوں اور جنوں کے بارے میں)۔ (۲۳) کتاب اسما اسم (؟)

ابن ابی أصیبعہ[۳]:

(۲۴) کتاب مُنتحل الجواہر (چیدہ جواہرات) تالیف چانک (شاناق)۔

ہندو علمائے طب، فلکیات و فلسفہ

جاحظ[۴]:

یحیٰے بن خالد برمکی (م ۸۰۵ھ/۱۹۰ء) نے اطبار کی ایک جماعت ہندوستان سے (بغداد) بلوائی۔

۱۔ متن میں فراسات طبع ہوا ہے۔ ۲۔ فکری ریاضت۔ ۳۔ افسون، طلسم، جادو، نظربندی، توہم اور نیرنج کے ماہر کو خارق العادت کام کرنے پر قدرت حاصل ہوجاتی تھی۔ ۴۔ کشف الظنون ۲۶۱،۲۷۵/۲۔ ۵۔ عیون الانباء ۳۲/۲۔ ۶۔ متن میں بالمعارالمھانۃ چھپا ہے۔ ۷۔ البیان والتبیین ۷۸/۱۔

جن میں منکہ، الخرد (بازیگر)، نکل (نقبرقل)، اور سندباد (؟) شامل تھے۔

ابن النّدیم:

ایک مسلمان متکلم نے بیان کیا کہ یحییٰ بن خالد نے ایک (ممتاز) شخص کو ہندوستانی طبی جڑی بوٹیاں لانے اور ہندوؤں کے مذاہب قلمبند کرنے کے لئے ہندوستان بھیجا، اس شخص نے یحییٰ کے لئے ایک کتاب مرتب کی جس کا نام تھا: مِللُ الھند و أدیانُھا (ہندوؤں کے مذہب اور فرقے)

ابن ندیم: عربوں کی حکومت میں جن لوگوں نے ہندوؤں کے علوم اور معاملات اور مذہب میں دلچسپی لی اور ہندو وید اور فلسفی ہندوستان سے بلوائے وہ یحییٰ بن خالد (وزیر مہدی و رشید) اور ممتاز برامکہ کی ایک جماعت تھی۔[۴]

کنکہ

ابن ابی اُصَیبِعہ:

پرانے ہندو فلاسفہ اور بڑے عالموں میں کنکہ ایک ممتاز فلسفی تھا۔ طب، خواص ادویہ اور مزاجِ موجودات کے بارے میں اسے خاص بصیرت حاصل تھی۔ عالم کی ہیئت، افلاک کی ساخت اور ستاروں کی حرکت سے خوب واقف تھا۔ ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی نے اپنی کتاب الالوف میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے سارے علمائے ہیئت میں کنکہ کو فضیلت حاصل ہے۔ اس کی یہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں: (۱) کتاب النموذار (؟) فی الأعمار۔ (۲) أسرار الموالید (زائچوں کے بھید)۔ (۳) کتاب القرانات الکبیر (فلکیات) (۴) کتاب القرانات الصغیر (فلکیات)۔ (۵) کتاب فی الطب۔ اس کا شمار طب کی بنیادی کتابوں (کُناش) میں ہوتا ہے۔ (۶) کتاب فی التوھم (فکری ریاضت یا مرض کے پیدا کرنے، ازالہ اور بڑھانے میں وہم کی تاثیر)۔ (۷) کتاب فی أحداث العالم والدور

۱۔ دیپنکر dipankara کا اختصار، گھوڑوں کا ایک ممتاز معالج تھا۔ وردھا چاری ص۲۱۳۔ ۲۔ بعض کتابوں میں نوفشل مکتوب ہے۔ نکل nakula بھی گھوڑوں کا معالج تھا۔ دیپنکر اور نکل دونوں نے گھوڑوں کی بیماریوں پر رسالے لکھے تھے۔ وردھا چاری ص۲۱۳

۳۔ فہرست ص۴۲ [illegible] کا واحتیاجھا بأسماء الھند واھتموا کی تصنیف [illegible] ۵۔ عیون الانباء ۲/۳۲۔۳۳

فی القرآن ۔

سرنکھل (صنجہل)

ان ہندو علماء میں سے تھا جو طب اور فلکیات سے اچھی طرح واقف تھے بسرنکھل کی ایک تالیف کتاب المَوالید الکبیر ہے (زائچوں کی بڑی کتاب) سرنکھل کے بعد ہندوستان میں علماء کی ایک اور جماعت علمی افق پر ابھری جن کی طب اور دوسرے علوم پر مشہور کتابیں ہیں جیسے: بھاسکر[1] (باکھر)، منارا جا[2] (راجہ)، سنکھ[3] (صکہ)، وراہمیہرا[4] (واہر)، ویکنٹیکر[5] (آنکر)، بھقل[6] (زنکل)، آیبل[7] (اریکل)، بلبھدر (جبہر)، وِرندا[8] (اندی)، ننکراچاری[9] (جاری) یہ سارے عالم صاحب تصانیف تھے اور ممتاز ہندو اطباء اور حکماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے فلکیات کے اصول و احکام مرتب کئے۔ ہندو ان کی کتابیں پڑھتے ہیں اور اُن میں بیان کردہ اصول کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں بطور سند پیش کرتے ہیں۔ ان کی تالیفات کا بڑا حصہ عربی میں منتقل ہو گیا ہے۔ (مشہور طبیب محمد بن زکریا) رازی (م ۹۳۲ء) نے اپنی کتاب الحاوی اور دوسری تالیفات میں ہندو علماء کی طبّی کتابوں سے خوشہ چینی کی ہے مثلاً (۱) چرک (شرک) جس کی فارسی سے عربی شرح عبداللہ بن علی نے کی ہے، چرک کا سب سے پہلے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہوا تھا۔ (۲) کتاب سسرت (سسرد) اس میں امراض کی علامتوں علاج اور دواؤں کا بیان ہے۔ کتاب میں دس فصلیں ہیں، اس کی شرح عربی میں یحییٰ بن خالد برمکی (م ۸۰۵ء) نے کرائی تھی۔ (۳) کتاب ندھانستھان (بدان)، اس میں چارسو بیماریوں کی علامتوں اور تشخیص کا ذکر ہے، علاج کا نہیں۔ (۴) کتاب سدھستھان (سندھشان) بمعنی تصویر کامیابی۔

---

[1] بھاسکر ایک مشہور مؤلف زیج گذرا ہے۔ بیرونی ص۷۵۔ بھاکر کو بھاسکر کی تحریف بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ [2] یہ ایک نجومی مؤلف تھا۔ کیتھ ص۵۲۳۔ [3] مؤلف فلکیات۔ وردھاچاری ۳ ص۲۰۳ Sankha

مؤلف جنیات۔ ڈاکر ۲/۵۱۸۔ [4] وردھاچاری ص۲۱۲۔ [5] مؤلف زیج۔ بیرونی ص۷۵۔

[6] مؤلف زیج۔ بیرونی ص۷۵۔ [8] Vrinda نویں صدی کا طبی مؤلف۔ اندی، سندین کی تحریف بھی ہو سکتی ہے، وجیا سندین آٹھویں یا نویں صدی کا ایک مؤلف ہیئت گذرا ہے کیتھ ص۵۱۱۔ [9] ایک فلکی متوفی ۸۰۴ء۔

(۵) کتاب فیما اختلف فیہ الهند والروم فی الحار والبارد وقوی الأدویۃ وتفصیل السنۃ (ہندو اور یونانی اطبار کا گرم و سرد، خواص ادویہ اور موسموں کے بارے میں اختلاف) (۶) کتاب تفسیر أسماء العقاقیر بأسماء عشرۃ (ہر جڑی بوٹی کے دس دس نام)۔ (۷) کتاب استانکھر (استانگر)۔ (۸) کتاب علاجات الحبالی (حاملہ عورتوں کا علاج)۔ (۹) کتاب مختصر فی العقاقیر (جڑی بوٹیوں کی مختصر کتاب)۔ (۱۰) کتاب نوفشل (؟) اس میں سو امراض اور سو دواؤں کا ذکر ہے)۔ (۱۱) کتاب روسی فی علاجات النساء (روساطیبہ کی کتاب عورتوں کے علاج سے متعلق۔ (۱۲) کتاب السُّکر (نشے کے موضوع پر)۔ (۱۳) کتاب رای فی أجناس الحیات وسمومہا (رائے کی کتاب سانپوں کے اقسام اور زہروں کے بارے میں)۔ (۱۴) کتاب التوھم فی الأمراض والعلل لأبي تبیل (؟) (امراض اور ان کے اسباب کے پیدا کرنے، گھٹانے اور بڑھانے میں وہم کی تاثیر)

چانک (شاناق)

مشہور ہندو ویدوں میں سے ایک چانک بھی ہے، اس نے بہت سے معرکے کے علاج اور طبی تجربے کئے تھے، علوم اور فلسفہ میں نئے نئے نکتوں کا موجد تھا۔ فلکیات میں مہارت کے ساتھ خوش بیان بھی تھا۔ ہندو راجاؤں کے دربار میں اسے خاص وجاہت حاصل تھی۔ اپنی کتاب منتخل الجواہر میں لکھتا ہے: اے راجہ زمانے کی جنگ سے بچتا رہ، زمانے کے تسلط اور اس کے غلبہ سے ڈر، یاد رکھ کہ اعمال کا بدلہ ملتا ہے، زمانہ دھوکے سے آ پکڑتا ہے، اس سے چوکنا رہ، مقدر رہ حوادث چھپے ہوئے ہیں، ان کے مقابلہ کے لئے تیار رہ، زمانہ پلٹے کھاتا رہتا ہے، اس کے پلٹوں سے خبردار رہ، یاد رکھو کہ جو شخص زندگی میں گناہ کی بیماریوں کا علاج نہیں کرے گا وہ ایسے گھر جا کر کیا شفا پا سکتا ہے جہاں کوئی دوا نہیں ہوگی جس نے اپنے حواس کو دبا کر غلبہ کر لیا اور خوشحالی کے دور میں نفس کوشی سے محترز رہا اس نے اپنی فضیلت اور شرافت کا ثبوت دیدیا اور جس نے

لہ چندر گپت موریا ۲۹۸ ق م کا وزیر۔

اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھا جو کہ ایک ہے وہ حواس کو کیسے قابو میں رکھ سکتا ہے جو پانچ ہیں اور اگر وہ حواس کو جو تعداد میں کم اور کمزور بھی ہیں قابو میں نہیں رکھ سکتا تو اپنے افسروں کو کس طرح قابو میں رکھ سکتا ہے جو کثیر تعداد ہونے کے علاوہ طاقتور اور شوریدہ سر بھی ہیں اور جب وہ انہیں قابو میں نہیں رکھ سکے گا تو اپنی حکومت کے دور ترین علاقوں میں بسنے والی رعایا کو کیسے قابو میں رکھ سکتا ہے۔

چانک کی بعض کتابوں کے نام یہ ہیں: کتاب السموم، پانچ فصلوں میں ہے، اس کا فارسی ترجمہ منکہ نے جو فارسی ترجمہ کا انچارج تھا سنسکرت سے کیا تھا، ابو حاتم بلخی نے اس کی (عربی) شرح یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے کی، پھر (خلیفہ) مامون کے لئے اس کے مولیٰ عباس بن سعید جوہری نے جو خلیفہ کے سامنے تحریریں پڑھنے کے منصب پر فائز تھا، اس کا (عربی میں) ترجمہ کیا۔ (۲) کتاب البیطرۃ (جانوروں کا علاج)۔ (۳) کتاب فی علم النجوم (۴) کتاب منتخل الجواہر، ایک ہندو راجہ کیلئے لکھی تھی جس کا نام ابن قمانص تھا۔

گودر (جودر)

ایک فاضل ہندو فلسفی اور اپنے زمانہ کا ممتاز عالم تھا۔ طب پر اس کی گہری نظر تھی۔ اس نے فلسفیانہ علوم (فلکیات) پر کتابیں لکھی ہیں جنمیں سے ایک کا نام کتاب الموالید[۱] (زائچوں) اس کا عربی ترجمہ ہو گیا ہے۔

ابن دھن[۲]

ابن ندیم[۳]: برامکہ کے ہسپتال (واقع بغداد) کا انچارج تھا اور سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔

منکہ

ابن ندیم[۴]: منکہ کا تعلق ان اہل علم وفن سے تھا جو (عباسی رئیس) اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی سے وابستہ تھے۔ منکہ سنسکرت کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔

ابن ابی اُصیبعہ[۵]: طب اور فلسفہ کا عالم اور ایک اچھا معالج تھا اور لطیف تدبیروں

---

[۱] شاید دھن دسٹری کا پوتا یا پڑپوتا مراد ہے۔ دھن دنتری راجہ ہرش (ساتویں صدی عیسوی) اور بقول بعض راجہ وکرماجیت کے نو درباری ممتاز عالموں میں سے تھا۔ ڈاؤسن ۲۲۵۔ [۲] تاریخ سنسکرت لٹریچر کرشنا ماچاری ص۱۰۶۔
[۳] فہرست ص۳۴۲۔ [۴] فہرست ص۳۴۲۔ [۵] عیون الانباء ۲/۳۳-۳۴۔

سے امراض دور کر دیتا تھا۔ ممتاز ہندو عالموں میں اس کا شمار ہوتا ہے سنسکرت اور فارسی دونوں زبانوں سے اچھی طرح واقف تھا، اس نے چانک کی کتاب جو زہروں پر ہے ترجمہ کی کی تھی۔ (عباسی خلیفہ) رشید کا ہمعصر تھا اُس کے عہد میں ہندوستان سے عراق آیا اور اس کا علاج کیا۔ ایک کتاب میں میں نے پڑھا ہے کہ اس کا تعلق اُن اہلِ علم سے تھا جو (عباسی رئیس) اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی سے وابستہ تھے۔ منکہ سنسکرت سے فارسی اور عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔

کتاب اخبار الخلفاء والبرامکہ میں ہے کہ رشید کسی سخت مرض میں مبتلا ہوا اور جب (درباری) اطبار کے علاج سے فائدہ نہیں ہوا تو ابو عمر عجمی نے اس سے کہا: ہندوستان میں منکہ نامی ایک وید ہے، وہ ایک عبادت گزار ہندو (برہمن) اور فلسفی بھی ہے۔ امیر المومنین اسے بلا کر علاج کریں تو امید ہے اچھے ہو جائیں گے۔ رشید نے منکہ کا سفر خرچ دیکر ایک ایلچی ہندوستان بھیجا، منکہ آیا اور اس کے علاج سے رشید اچھا ہو گیا۔ رشید نے (خوش ہو کر) اس کی ایک معقول تنخواہ مقرر کر دی اور عطیات دئے۔ ایک دن منکہ (بغداد کے محلہ) خلد سے گذر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک عطائی نے زمین پر چادر بچھا کر بہت سی جڑی بوٹیاں اس پر پھیلا رکھی ہیں اور کھڑا ہوا اپنی ایک معجون کی تعریف کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے: یہ دوا ردائمی بخار، ایک دن بیچ اور چوتھے دن والے بخار، پیٹ اور گھٹنوں کے درد، خام (؟)، بواسیر، ریاح، جوڑوں کے درد، آنکھوں کی دکھن، پیٹ کے درد، سر درد، دورانِ سر، تقطیر بول، فالج، رعشہ۔ اس نے کوئی مرض نہیں چھوڑا جس کا نام نہ لیا ہو اور جس کے لئے اپنی معجون کو اکسیر نہ بتایا ہو۔ منکہ نے اپنے ترجمانؑ سے پوچھا: یہ کیا کہہ رہا ہے؟ ترجمان نے جو سنا تھا بتا دیا منکہ مسکرا کر بولا: عرب بادشاہ یقیناً احمق ہے، عطائی جو کہہ رہا ہے اگر صحیح ہے تو بادشاہ نے مجھے میرے دیس سے کیوں بلایا، مجھے میرے بال بچوں سے کیوں جدا کیا اور میرا اتنا بھاری خرچہ کیوں برداشت کیا جبکہ ایسا حاذق طبیب اس کے ہاں موجود ہے، اگر عطائی

ؑ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منکہ عربی سے واقف نہیں تھا اور ابن ابی اُصیبعہ کی مذکورہ بالا تصریح درست نہیں کہ منکہ سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔

جھوٹ بول رہا ہے تو بادشاہ اسے قتل کیوں نہیں کر دیتا، اسلامی شریعت ایسے اور اس جیسے شخص کو قتل کی اجازت دیتی ہے، اگر وہ قتل کرایا جائے تو اس کی ایک جان سے بہت سی جانیں بچ سکتی ہیں اور اگر اسے چھوڑ دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی جہالت کو تو ہر دن وہ ایک نہ ایک کی جان لے لیگا بلکہ زیادہ احتمال اس بات کا ہے کہ ہر دن دو تین اور چار آدمیوں کو ہلاک کر دے اور اس سے دین کو بھی نقصان پہنچے گا اور حکومت کی کمزوری بھی ظاہر ہو گی۔

انڈکس

(ا)

ٹ

ت

ج

ن

ی